شرفاء کی جنسی غنڈہ گردیوں کی بے نظیر ایف آئی آر

پارلیمانی مجرے

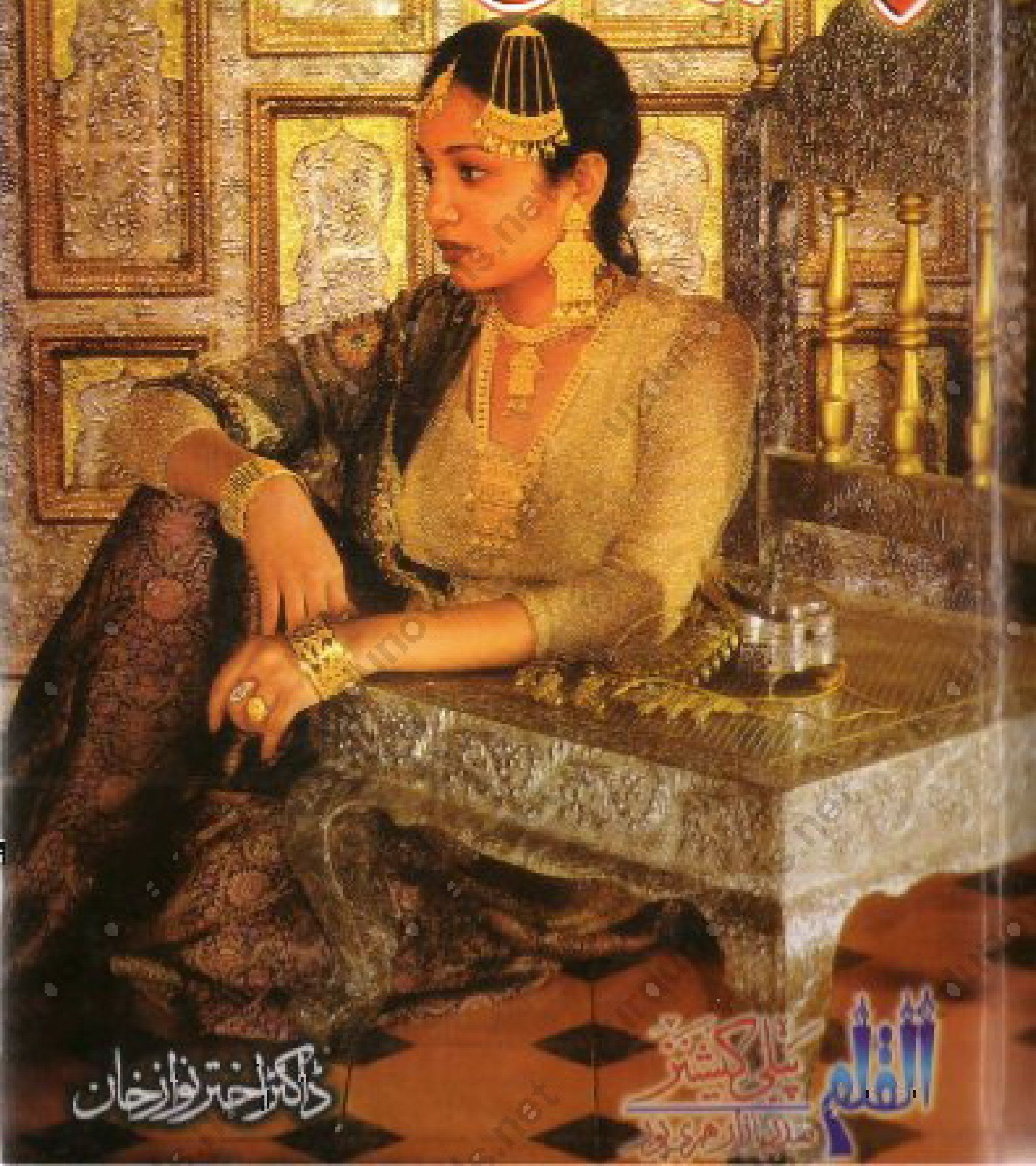

ڈاکٹر اختر نواز خان

القلم پبلیکیشنز

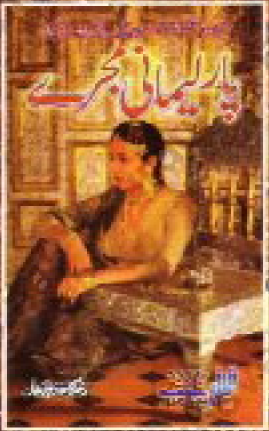

محافظوں کے روپ میں عصمتوں کے لٹیرے!

یہ کتاب محض اوراق کا ایک گلدستہ اور صفحات کا ایک چمن زار نہیں بلکہ "شریف" سیاستدانوں کی چھپی غنڈہ گردیوں کی "بے ضمیر" ایف آئی آر اور حقائق کا ناقابل تردید مجموعہ ہے جسے کہ اسے بلاخوف و تردید باشعور عوام کی "ضیافت طبع" کے لئے پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ کتاب کسی بھی عناد کا شاخسانہ نہیں بلکہ یہ تاریخ کی امانت ہے جسے تاریخ کے سپرد کیا جا رہا ہے اس کتاب کی فہرست پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہی آپ دنگ رہ جائیں گے کہ آج تک جنہیں "ابر کرم" سمجھا جاتا رہا درحقیقت وہ ایسے آتشیں بگولے تھے جو عزتوں، عصمتوں کے ان گنت گلشنوں کے لیے تاراجی و بربادی کے پیغامبر ثابت ہوئے۔

ڈاکٹر اختر نواز خان کا جرم بس اتنا سا ہے کہ اس نے عزتوں کے ان نقب زنوں، عفتوں کے ان قاتلوں اور عصمتوں کے ان قصابوں کے چہروں پر چڑھے تقدس و احترام کے نقابوں کے پرخچے نوچ کر ان کے اصل چہرے بے نقاب کر دیئے ہیں۔ قارئین کرام آیئے قائدین ملک و قوم کے ان ننگے چہروں کی الواح پر کندہ بے حسی کی داستان پڑھیں۔۔۔ اف یہ چہرے کتنے بھیانک۔۔۔ خوفناک۔۔۔ اور ڈراؤنے ہیں۔

القلم پبلی کیشنز
صدر بازار ہری پور

پارلیمانی مجرے

1.	ایف آئی آر۔ سید اصغر بخاری	9	20.	گوہر ایوب	81
2.	ذوالفقار علی بھٹو	13	21.	اسلام الدین شیخ	84
3.	نواز شریف	23	22.	ناہید خان	86
4.	اعظم خان ہوتی	32	23.	گورنر جنرل غلام محمد	89
5.	ایوب خان	33	24.	ممتاز بھٹو	91
6.	پنجاب اسمبلی کا		25.	جہانگیر بدر	93
	ایم پی اے ہاسٹل	36	26.	طاہر سلطان	94
7.	آصف علی زرداری	37	27.	مخدوم مہر	95
8.	خان لیاقت علی خان	41	28.	جنرل اعوان	96
9.	سکندر مرزا	42	29.	شیخ رشید احمد	97
10.	محمد علی بوگرہ	43	30.	میر افضل خان	104
11.	الٰہی بخش سومرو	44	31.	مولانا کوثر نیازی	105
12.	جاوید ہاشمی	45	32.	اکرام اللہ خان نیازی	106
13.	چوہدری نثار علی خان	46	33.	[illegible]	107
14.	منظور وٹو	47	34.	سیف الرحمٰن	111
15.	قصہ چوہدریاں دے لٹنے کا	48	35.	بے نظیر بھٹو	113
16.	غلام مصطفیٰ کھر	49	36.	جام مشتاق علی	125
17.	شہباز شریف	73	37.	جنرل فضل حق	126
18.	ولی خان	77	38.	حامد ناصر چٹھہ	127
19.	حنیف سولجر	80	39.	اسلم بیگ	128

40. الطاف حسین 129
41. ایوب کھوڑو 132
42. حمیدہ کھوڑو 133
43. بازار حسن اور سیاست 135
44. ممتاز علی بھٹو 136
45. فیصل صالح حیات 138
46. احمد کمال 139
47. یوسف رضا گیلانی 140
46. عبدالحفیظ پیرزادہ 141
49. غلام مصطفیٰ جتوئی 143
60. سید مراد شاہ 144
51. یحییٰ خان 145
52. عمران خان 151
53. ہیرا شیرو 155
54. نواب صادق خان عباسی 156
55. عابدہ حسین 157
56. ممتاز راٹھور 158
57. صوبہ سرحد کا 159
شاہی مہمان خانہ
58. شاہد خاقان عباسی 160
59. مشاہد حسین 161
60. حسین حقانی 162
61. غلام احمد بلور 163
62. حافظ غلام محی الدین 164
63. محمد خان جونیجو 166
64. بازار حسن کی رونق خواتین 167
65. طارق عزیز 169
66. پیر یاسین رضوی 170
67. مہدی حسن بھٹی 171
68. چوہدری یاسین 171
69. مخدوم احمد محمود 172
70. سردار اصغر آفریدی 172
71. غلام قادر ماکانی 173
72. شاہد حمید 173
73. قربان نیازی 174
74. حاجی مقصود بٹ 174
75. چوہدری شیر علی 175
76. مولانا عبدالقادر آزاد 176
77. مولانا سمیع الحق 178
78. علامہ طاہر القادری 179
79. سابق وزیر اعلیٰ بابت علی جوڑ کیجا 182
80. ائیر مارشل اصغر خان 183
81. شاہین منصور 184
82. جے سالک 185
83. راجہ بشارت 186
84. سردار فاروق لغاری 187
85. سردار مہتاب احمد خان عباسی 189
86. راجہ سکندر زمان خان 190
87. پیر صابر شاہ 190
88. آفتاب شیرپاؤ 192
89. سلمان تاثیر 192
90. بیرسٹر سلطان محمود چوہدری 193
91. مولانا فضل الرحمن 201
92. ایم۔ این۔ اے ہاشمی 202
93. حنیف رامے 204
94. جنرل مرزا اسلم بیگ 205
95. سردار عبدالقیوم 206
96. نواز کھوکھر 207

9

''ایف' آئی' آر''سید اصغر بخاری

پاکستان ایک جمہوری ملک ہے مگر ہمارے رہنماؤں کی عادات و اطوار شہنشاہوں جیسی ہیں اگر انہیں محمد شاہ رنگیلا کا وارث قرار دیا جائے تو بات غلط نہ ہوگی۔ جلوت میں قوم کے دکھ درد میں ہلکان ہونے والے خلوت میں راجہ اندر کی مانند پریوں کے جھرمٹ میں رہنا پسند کرتے ہیں۔ حسیناؤں کے تھرکتے جسموں کے سہارے زندگی گزارنے والے پارسائی کا دعویٰ کرتے ہیں مگر ان کا اصل چہرہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ منافقت کے اس حمام میں سارے ننگے ہیں۔ ''پارلیمانی مجرے'' کے ذریعے ڈاکٹر اختر نواز خان نے برسراقتدار طبقے کے اصل چہروں کی رونمائی کا کام کیا ہے۔

پاکستان کے آئین کے آرٹیکل 62 اور 63 میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ کوئی ایسا شخص پارلیمینٹ کا رکن بننے کا اہل نہیں جو اچھے کردار کا حامل نہ ہو۔ اسلامی احکامات سے انحراف میں مشہور ہو۔ اسلامی تعلیمات کا خاطر خواہ علم نہ رکھتا ہو۔ کبیرہ گناہوں سے اس کا دامن پاک نہ ہو۔ سوجھ بوجھ سے عاری ہو۔ پارسا نہ ہو' ایماندار اور امین نہ ہو۔ عدالت سے اخلاقی جرم میں سزا یافتہ ہو۔ مگر بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ قانون بنانے والوں نے دیدہ دلیری سے قانون توڑا ہی نہ بلکہ اسے قوم کی ناک بھی بنایا۔ اس جرم میں ووٹ لینے والے ہی گناہ گار نہیں بلکہ ووٹ ڈالنے والے بھی برابر کے شریک ہیں۔ ووٹ دینے والوں کا معیار یہ ہے کہ وہ اس شخص کو ووٹ دیتے ہیں جو تھانے کچہری' سرکاری دفاتر میں اپنا اثر و رسوخ رکھتا ہو۔ جائز و ناجائز کام نکلوانے کا ماہر ہو۔ بھولے بھالے عوام تک ڈاکٹر اختر نواز خان نے اپنی بات ''پارلیمانی مجرے'' کے ذریعے پہنچانے کی کوشش کی ہے کہ ووٹ ڈالتے وقت وہ صحیح فیصلہ کریں۔

یہ کتاب حسن و عشق کا مجموعہ نہیں بلکہ شریف سیاست دانوں کی جنسی ہوس پر مشتمل کی بے نظیر ایف آئی آر ہے۔ پاکستانی سیاست پر قابض پردہ نشینوں کا نامہ اعمال ہے۔ پارلیمانی مجرے میں حقائق سے ہٹ کر ایک لفظ بھی نہیں جسے محض زیب داستان کے لئے تحریر کیا گیا ہو۔ مصنف نے کتاب کو فحش نگاری کا مرقع بنانے کی بجائے معلومات آفرینی کا ذریعہ بنانے کی کوشش کی ہے۔ کتاب ملکی تاریخ میں پائی جانے والی بے حسی' فرائض سے غفلت' اقربا پروری اور عصمت مآب دامنوں کو تار تار کرنے والوں کی عیش جوئیوں او

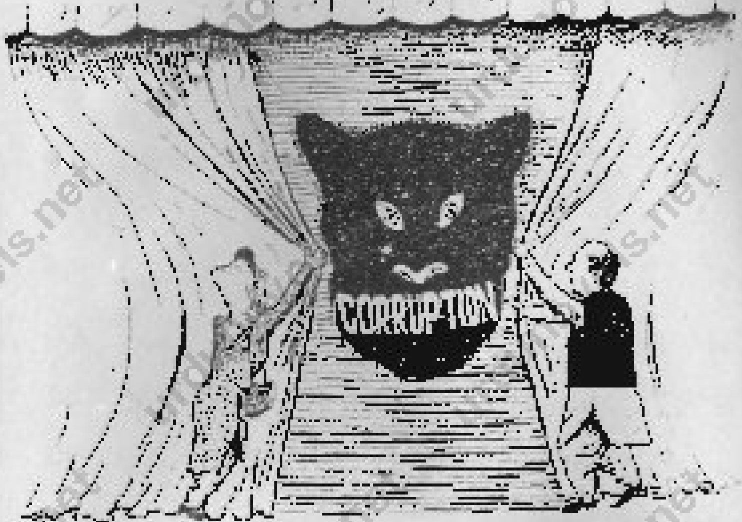

''ڈریس کریسی''

ہوس کاریوں کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ جسے بلا خوف تردید باشعور عوام کی "ضیافت طبع" کے لئے پیش کیا جا رہا ہے۔

"پارلیمانی مجرے" میں لیاقت علی خان کے سکینڈل کا ذکر ہے۔ جنرل یحییٰ خان کی بھرپور بدمستیوں کا ذکر ہے۔ وہی جنرل یحییٰ خان جس کے دور حکومت میں جنرل رانی کا نام و سکہ چلتا تھا جس کا دعویٰ تھا کہ وہ یحییٰ خان سے ہر وہ کام کروا سکتی ہے جو دنیا کا کوئی اور شخص نہیں کروا سکتا۔ جنرل رانی پرائیویٹ محفلوں میں اکثر کہتی کہ "یحییٰ خان میں خود غرضی اور منافقت کوٹ کوٹ کر بھری پڑی ہے۔ اس کی رگوں میں خون نہیں شراب دوڑتی ہے"۔

جنرل یحییٰ خان کی رنگینیوں کی جیتی جاگتی تصویر اداکارہ عندلیب ہے جس کی شکل ہو بہو یحییٰ خان کی سی ہے مگر پھر بھی وہ اپنے آپ کو یحییٰ خان کی جائز اولاد نہیں قرار دے سکتی کیونکہ اس کی ماں کے یحییٰ خان کے ساتھ جنسی تعلقات تو تھے مگر اس کی ماں کے پاس دستاویزی ثبوت نہیں۔ ایوب خان برطانیہ کی مشہور کال گرل کے ساتھ پیراکی کرتے رہے ان کے فرزند گوہر ایوب خان کی رنگین مزاجی کے باعث اسلام آباد کا دامن کوہ مشہور ہوا۔

جنرل سکندر مرزا اور ناہید کا معاشقہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں۔ سکندر مرزا نے ایک رات ناہید کے فلیٹ پر بسر کی اور اس کے ہاتھوں بنا آملیٹ کھایا صبح جانے لگا تو ناہید کو پانچ لاکھ کا چیک دیتا گیا اور نجی محفلوں میں اکثر کہتا میں نے دنیا کا مہنگا ترین آملیٹ کھایا ہے۔

گورنر جنرل غلام محمد ایک غیر ملکی حسینہ کی سنہری ریشمی زلفوں کے اسیر تھے۔ یہ امریکن ' یہ سوئس حسینہ گورنر جنرل غلام محمد کی پرائیویٹ سیکرٹری تھی وہ ان کی آنکھوں کے سامنے سے ہٹتی تو گورنر جنرل غلام محمد کی عیاش آنکھیں دیکھنے کی صلاحیت کھو بیٹھتیں۔

ذوالفقار علی بھٹو کا سیاست میں بڑا نام ہے اپنی پردے کے پیچھے والی زندگی میں وہ ایک "چھپے رستم" تھا جو کبھی بھارتی اداکارہ نرگس کے نرگسی نینوں کی گرفت میں رہا تو کبھی مدھو بالا کی سڈول بانہوں میں جھولتا رہا۔ جہاں بھی گیا داستان لے کر گیا امریکہ میں مارگریٹ اس کی گرل فرینڈ تھی برکلے یونیورسٹی میں کیرولین اور روزی کے شہرت وہاں سے ذہنی پیاس بجھایا کرتا۔ حسنہ شیخ کے پیچھے پڑا، نصرت بھٹو نے بھٹو کو حسنہ شیخ کی گرفت سے آزادی دلوانے کے لئے ایوب خان کی مدد بھی مانگی مگر ناکام رہی۔ قصہ عشق بہت زیادہ مشہور ہوا تو بھٹو کو حسنہ شیخ سے نکاح پڑھوانا پڑ گیا۔ جو مولانا کوثر نیازی نے پڑھایا وہ خود بھی رنگین محفلیں سجانے میں مشہور تھے۔ مشرق وسطیٰ کے بگڑے شہزادوں کا وہ حسیناؤں

سے نکاح پڑھوایا کرتے۔ خود وہ "مولانا رنگی" کے طور پر مشہور ہوئے۔ بھٹو کے داماد آصف علی زرداری نے حسیناؤں سے اپنی جسمانی تھکان دور کی۔ ان کے کرپشن اور ہوس پرستی میں ریکارڈ توڑ کارنامے سرانجام دیئے۔ مالی ووڈ کی درجن بھر حسینائیں زرداری کی بانہوں میں جھولتی رہی ہیں۔ اسی میدان میں اس کی بیگم اور سابق وزیر اعظم بینظیر بھٹو بھی پیچھے نہیں وہ آکسفورڈ میں مس سکرٹ اور وینیٹی چپٹی' ماجد خان کرکٹر کے عشق میں دیوانی ہوئی۔ سرحد کے گورنر حیات محمد خان شیرپاؤ کے پیچھے پڑی دوسری طرف پارلیمنٹ کے اندر جلسے جلوس میں وہ سر پر چادر اوڑھ کر تسبیح کا ورد کیا کرتی تھی۔ خوبرو نوجوانوں سے محبت کی پینگیں بڑھانے والی بینظیر بھٹو کا نام ماجد خان' حیات شیرپاؤ کے علاوہ فیصل صالح حیات سے بھی منسوب کیا گیا۔

عمران خان بھارتی اداکارہ زینت امان کی بانہوں میں سکھ چین محسوس کرتے شارجہ میں وہ دن کو کرکٹ کھیلتا تو راتوں کو اس کا بستر بھارتی حسینائیں گرم کرتیں۔ ان حسیناؤں میں مس ورلڈ ایشوریا رائے۔ پوجا بھٹ اور ریکھا کے نام شامل ہیں۔ سیتا وائٹ نے تو عمران خان کی ناجائز بیٹی کی ماں ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ حسینائیں عمران خان کے نیچے اپنے جسم کو بستر بنا کر سکون محسوس کیا کرتیں۔ جبکہ یہ کام اس کے مردانہ وجاہت سے لطف اندوز ہونے کے لئے کرتیں تو کچھ حسین ساتھی بننے کے چکر میں گرفتار ہو کر عمران خان کی جنسی ہوس کا شکار بنتیں۔

ایم۔ کیو۔ ایم کے قائد الطاف حسین کا چہرہ پڑھ کر آپ کو ہنسی آئے گی جو ورکروں سے اپنی جنسی تسکین حاصل کرتے۔ سیف الرحمٰن کا شرمیلا فاروقی پر عاشقانہ خط پڑھ کر اس کے احتساب کا دوسرا چہرہ دیکھنے کو ملے گا۔ شیخ رشید کی رنگین مزاجی بھرپور رنگینیوں کے ساتھ پڑھنے کو ملے گی "جس شخص کو ہر صبح پینے کے لئے تازہ دودھ میسر ہو اسے اپنے کھونٹے پر بھینس باندھنے کی کیا ضرورت ہے"۔ یہ الفاظ شیخ رشید کی جنسی ہوس پرستی کی بھرپور عکاسی کرتے ہیں۔ مصطفیٰ کھر کو سادہ لوح عوام نے "شیر پنجاب" قرار دیا مگر اس کا اصلی چہرہ اتنا گھناؤنا ہے کہ آپ کو پڑھتے ہوئے جہاں شرم آئے گی وہیں سر شرم سے جھک بھی جائے گا۔ شاہد خاقان عباسی اور اداکارہ ریشم کا قصہ محبت پڑھ کر شریف زادے کی اصلیت کا پتہ چلے گا۔ آزاد کشمیر کے وزیر اعظم بیرسٹر سلطان محمود کی عیاشی پڑھ کر جہاد کشمیر کے نام پر جمع کئے جانے والے چندے کے مصرف کا دوسرا رخ معلوم کر کے آپ کا دل

یقیناً" چاہیے گا بیرسٹر سلطان محمود پر تھوک دے۔ چوہدری شیر علی' راجہ بشارت' یوسف رضا گیلانی' غلام مصطفیٰ جتوئی' عبدالحفیظ پیرزادہ' جہانگیر بدر' سلمان تاثیر' فیصل صالح حیات' اعجاز الحق' مہتاب عباسی' وغیرہ کی خفیہ زندگی کے گوشے پڑھنے کو ملیں گے۔

مسلم لیگ کی قیادت نواز شریف کے ہاتھ میں آئی وہ وزیر اعظم بنے تو ان کے دور اقتدار میں اقتدار کے ایوانوں میں ریما کا طوطی بولنے لگا۔ طاہرہ سید کو وزیراعظم ہاؤس میں خاتون اول کا درجہ حاصل تھا۔ دلشاد بیگم بھی نواز شریف کے کانوں میں رس گھولتی رہی۔ شہباز شریف نے تین خفیہ شادیاں کیں۔ عالیہ بٹی کی زلفوں میں گرفتار ہوئے' عارف صدیقی اور ارم حسن کو پہلے نواز شریف اور شہباز شریف نے وقت دیا اور پھر یہی حسینائیں حمزہ شہباز اور حسین نواز کی کب معشوقائیں بنیں کتاب میں پڑھنے کو ملے گا۔ وزیر اعظم ہاؤس' پنجاب اسمبلی کا ہاسٹل' سرحد کا شاہی مہمان خانہ' قومی اسمبلی کا ایم' این' اے ہاسٹل ہر جگہ مجرے ہوئے جن کو "پارلیمانی مجرے" میں ڈاکٹر اختر نواز خان نے کمال مہارت سے یکجا کر دیا ہے۔

"پارلیمانی مجرے" میں دو چہرے رکھنے والوں کی اصلی چہروں کی "چہرہ نمائی" کا اہتمام کیا گیا ہے۔ کتاب کا مقصد سیاست دانوں کی کردار کشی نہیں بلکہ عوام کو آئین کے آرٹیکل 62 اور 63 کی روشنی میں مستقبل میں اپنے لیڈر ٹھیک طور سے منتخب کرنے کا شعور فراہم کرنا ہے۔ ڈاکٹر اختر نواز خان کو داد دینی چاہئے کہ ان نے ایک مشکل موضوع پر قلم اٹھایا اور نصف صدی کے واقعات کو یکجا کر دیا۔

جن کو عوام نے اپنے لئے نجات دہندہ اور رہبر قرار دیا تھا انہی نے عفت مآب عصمتوں کو تار تار کیا۔ ان کی زندگی کا حاصل رنگین پریوں کی قربت' آرزوؤں کا ہدف ایک جام مقصد زیست ہوس کی تسکین' مجروں کا باقاعدہ اہتمام کرنا تھا "پارلیمانی مجرے" کی کہانی انہی نیم عریاں مجروں کے گرد گھومتی ہے۔

سید اصغر بخاری

سابق سینئر ایڈیٹر روزنامہ جنگ راولپنڈی' سابق سینئر ایڈیٹر روزنامہ خبریں
اسلام آباد' سابق ریذیڈنٹ ایڈیٹر روزنامہ جنگ کوئٹہ

"ذوالفقار علی بھٹو"

ذوالفقار علی بھٹو پاکستان ہی نہیں بلکہ تیسری دنیا کے قائدین میں ایک بہت بڑا نام ہے۔ بھٹو نہ صرف یہ کہ منفرد سیاست دان تھا بلکہ اس نے حکمرانی بھی منفرد حکمران کے طور پر کی۔ بھٹو کی خواہش تھی کہ وہ ہر کام ایسا کرے جو منفرد ہو چنانچہ اس نے مرنے تک اپنی انفرادیت قائم رکھی کیونکہ وہ پاکستان کا پہلا سابق وزیر اعظم تھا جسے پھانسی کی سزا ہوئی۔ وہ جمہوری ملک کا بے تاج بادشاہ تھا۔ وہ وزیر اعظم کم ایک آمر شہنشاہ زیادہ تھا۔ جمہوری تاریخ میں وہ پاکستان کا پہلا سول چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر تھا۔

ذہانت' فہم و فراست اور تیزی طراری کے حوالے سے بھٹو کا نام ضرب المثل کا درجہ رکھتا ہے۔ پاکستان کے ایٹمی پروگرام کی بنیاد' اسلامی سربراہی کانفرنس کا انعقاد' ملک کا پہلا متفقہ آئین بنانا' قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینا ہی نہیں بلکہ نوے ہزار قیدیوں کی بھارت سے رہائی دلانا جیسا کارنامہ بھٹو کی قائدانہ صلاحیتوں کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ بھٹو کا دوسرا چہرہ شراب و شباب کا رسیا چہرہ ہے جو اس کی تمام تر اعلیٰ صلاحیتوں کے ماتھے پر کلنک کے ٹیکہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ بھٹو عاشقانہ مزاج کا مالک تھا سچ تو یہ ہے کہ اس نے بہت سے

urdunovels.net

ہوس پرستوں کو پیچھے چھوڑ دیا تھا۔ بھٹو کی جوانی ایک بگڑے ہوئے رئیس زادے کی منہ بولتی تصویر ہے۔

سیاست میں ذوالفقار علی بھٹو کا نام بہت بڑا ہے مگر ذاتی طور پر وہ صرف ایک "ٹیلے والے" تھا۔ پاکستانی سیاست کا متنازعہ ترین کردار ہونے کے باوجود اس نے شہرت کی بلندیوں کو چھوا۔ وہ جہاں قائد عوام ہے وہیں فاشسٹ بھی۔ ایک طرف وہ جمہوری وزیر اعظم تھا تو دوسری طرف کینہ پرور آمر۔ سیاست دان اس کے بارے میں دو رخی رائے رکھتے ہیں مگر پھر بھی وہ بھٹو کے انداز سیاست کی نقل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس میں وہ سیاست دان بھی شامل ہیں جو بھٹو کو اس کی حاضر جوابیوں کی بدولت شعبدہ باز اور مداری سیاست دان قرار دیتے تھے۔ بھٹو نے غریبوں کے نام پر سیاست شروع کی۔ پھر غریبوں کی دکھتی رگ یعنی روٹی، کپڑا اور مکان پکڑ کر اقتدار کے سنگھاسن تک جا پہنچا یہ کام واقعی کوئی بہت بڑا ذہین شخص ہی کر سکتا تھا۔ جاگیردار بھٹو نے غریبوں کا نام استعمال کر کے ایک بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا تھا۔

ذوالفقار علی بھٹو 5 جنوری 1928ء کو لاڑکانہ میں سر شاہنواز بھٹو کے گھر پیدا ہوا تھا۔ بچپن سے لے کر جوانی تک حتیٰ کہ بطور وزیر اعظم بھی اس کے کئی رومانوی قصے مشہور ہوئے۔ ذلفی کو بچپن میں "چھوٹو" کہا جاتا تھا 1934ء میں جب سر شاہنواز بھٹو بمبئی کے گورنر کی کابینہ میں شامل کئے گئے تو ذلفی بھی رنگ و آہنگ کی دنیا بمبئی چلے گئے وہاں ان کے ساتھ چند دیگر رئیس زادے جن میں پیلو مودی، مشتاق علی، عمر قریشی اور جہانگیر وغیرہ شامل تھے۔ بہترین دوستوں کی حیثیت اختیار کر گئے۔ خوشحال گھرانوں کے یہ بگڑے چشم و چراغ بمبئی میں خوب سرمستیاں کرتے۔ اپنا زیادہ تر وقت کرکٹ کھیلنے اور سینما دیکھنے میں صرف کرتے۔ یہ بچے دن رات بمبئی کے بازاروں میں تتلیوں کی تلاش میں سرگرداں پھرتے۔ پیلو مودی اپنی یادداشت میں لکھتے ہیں کہ ذلفی کو اچھی غذا، عمدہ شراب، قیمتی پوشاک اور خوبصورت لڑکیاں بہت پسند تھیں۔ خوبصورت لڑکیوں میں ذلفی کی دلچسپی وقت کے ساتھ ساتھ خوب پروان چڑھی اور نکھری۔ بھٹو فلموں کے بے پناہ رسیا تھے وہ سینما ہال فلم دیکھنے کم اور اس غرض سے زیادہ جاتے کہ کون سی اداکارہ پر ڈورے ڈالے جائیں۔ بمبئی میں وہ اداکارہ نرگس کے عشق میں گرفتار ہوئے وہ گھنٹوں ان سٹوڈیوز کا چکر کاٹتے جہاں نرگس فلم کی شوٹنگ میں حصہ لے رہی ہوتی۔ سر شاہنواز بھٹو نے ذلفی کے عاشقانہ مزاج کی تسکیں

کرتے ہوئے صرف تیرہ سال کی عمر میں ان کی شادی اپنے بھائی کی بیٹی شیریں سے کر دی تھی یہ وہی شیریں تھیں جن کا نام شادی کے بعد امیر بیگم رکھا گیا۔ امیر بیگم سر شاہنواز بھٹو کے چھوٹے بھائی خان بہادر احمد خان بھٹو کی صاحبزادی تھیں شادی کے وقت امیر بیگم ذلفی سے عمر میں بڑی تھیں مگر ذلفی جتنی مدت منانے کشمیر گیا تھا وہاں اس نے خوب گلچھرے اڑائے۔ ذلفی نے بیگم نصرت بھٹو سے اپنی پہلی شادی کے بارے میں کہا تھا کہ انہیں نے امیر بیگم سے شادی دولت کے لئے کی تھی" اور پھر ہوا بھی یہی کہ خان بہادر احمد خان بھٹو کی وفات کے بعد ان کی جائیداد کا ایک تہائی حصہ بھٹو کے حصہ میں آیا۔ امیر بیگم سے شادی کرنے کے باوجود بھی بھٹو اپنے عاشقانہ مزاج پر قابو نہ پا سکے۔ دوسری طرف امیر بیگم نے مکمل طور پر مشرقی عورت کا ثبوت دیا۔ جنرل ضیاء الحق نے بھٹو کو معزول کرنے کا اعلان کیا تو شیریں امیر بیگم نے جیل میں بھٹو سے دو تین بار ملاقات کی اور ہر لحاظ سے ایک مشرقی عورت ہونے کا ثبوت فراہم کیا اور اپنے شوہر کا ساتھ دیا۔ بھٹو کی پھانسی کے بعد شیریں امیر بیگم کو بقول ممتاز علی بھٹو جائیداد سے محروم کر دیا گیا جس کی وجہ سے وہ کسمپرسی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہوئیں۔

بمبئی میں ذلفی نرگس کے عشق میں گرفتار ہوا۔ ابھی نرگس کے نرگسی نینوں کی گرفت ہی میں تھا کہ اس کا آمنا سامنا بھارتی فلم نگری کی ایک دوسری جادوگرنی سے ہو گیا۔ جادوگر حسینہ بلکہ ایمان ڈگمگا دینے والی حسینہ کا نام مدھو بالا تھا۔ بھٹو عشق کے تالاب میں ایک ہی جگہ پانی پینے کا عادی نہ تھا بلکہ وہ گلشن عشق میں بھنورا بن کر رنگ برنگی تتلیاں پکڑنے کا عادی تھا۔ جس طرح نرگس کا پیچھا گھنٹوں کرتا اسی طرح مدھو بالا کے عشق میں گرفتار ہو کر مدھو بالا جس سیٹ پر کام کرتیں وہاں گھنٹوں اس کے شربت دیدار سے اپنی جنسی ہوس کی پیاس بجھاتا۔ مدھو بالا بھی بھٹو کو دل دے چکی تھی مگر پھر بھی وہ بھٹو کی بیوی نہ بن سکی۔ ایک معروف سندھی اخبار نویس سوہن وپ جنہوں نے "مدھو بالا" کے نام سے ایک کتاب بھی شائع کی ہے لکھتے ہیں "یہ ستم ظریفی ہے کہ جس طرح انارکلی مغلوں کے ہندوستان کی ملکہ نہیں بن سکی تھی اسی طرح مدھو بالا بھی بھٹو کی محبوبہ ہونے کے باوجود پاکستان کی خاتون اول" بننے میں کامیاب نہ ہو سکی۔ بمبئی میں بھٹو کی رنگین مزاجیوں نے کئی گل کھلائے۔ مدھو بالا سے تو اس نے ظلم بھی کیا کیونکہ اس نے مدھو بالا سے شادی کرنے کا پختہ وعدہ کیا تھا۔

بمبئی میں جب بھٹو کی رنگین مزاجیاں خاندان کی عزت کو پامال کرنے کی حدود پھلانگنے کے قریب پہنچیں تو ان کے گھر والوں نے انہیں اعلیٰ تعلیم کے لئے امریکہ بھجوا دیا۔ 5 دسمبر 1947ء کو ذلفی اپنے دوست جہانگیر کے ہمراہ یونیورسٹی آف ساؤدرن کیلی فورنیا (امریکہ) حصول علم کے لئے روانہ ہو گئے لاڑکانہ اور بمبئی میں قیام کے دوران ذلفی کی رنگین مزاجی کی راہ میں خاندانی وقار، عزت و ناموس کی رکاوٹیں حائل تھیں وہ امریکہ کی حدود میں داخل ہوتے ہی ختم ہو گئیں۔ جوانی میں بھٹو صحت مند جسم اور عمدہ لباس زیب تن کرتے تھے اس پر مستزاد یہ کہ سر کے گھنگھریالے بال اور چہرے پر ہلکی ہلکی مونچھوں نے ان کی شخصیت کو اور بھی پر کشش اور جاذب نظر بنا دیا تھا۔ چنانچہ ذلفی کیلی فورنیا کی نوجوان حسیناؤں میں جلد مقبول ہو گئے۔ جس حسینہ نے ذلفی کے دل پر سب سے پہلے دستک دے کر اس کے دل کے تار ہلائے اس کا نام مارگریٹ تھا دونوں ایک عرصہ تک سرمئی شاموں اور نوجوان راتوں سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ ذلفی اور مارگریٹ کافی عرصہ تک نائٹ کلبوں، پارکوں اور دیگر مقامات پر ایک دوسرے کو داد عیش دینے میں مصروف رہے۔ جلد ہی مارگریٹ کو احساس ہوا کہ ذلفی اس کے ساتھ جسمانی تعلقات کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہتا چنانچہ اس نے ایک اور دوست نیکولاس سے شادی کر لی اور پھر ہمیشہ کے لئے اپنے شوہر کی وفادار بن گئی۔

مارگریٹ نے بھٹو کا دامن چھوڑ دیا مگر خود بھی بھٹو ایک ہی بدن کے لمس سے اکتا چکا تھا اور کسی نئے شکار کی تلاش میں تھا۔ اس دوران بھٹو کی ملاقات ایک نوجوان یہود "میری ایلن" سے ہو گئی۔ میری ایلن قیامت ڈھانے والی حسینہ تھی۔ اس کے جسم میں بے پناہ کشش تھی۔ نسوانی حسن سے وہ مالا مال تھی ایسی حسین کہ زاہدوں کے بھی ایمان ڈگمگا جائیں دوسری طرف دل پھینک بھٹو تھا چنانچہ جلد ہی دونوں کے عشق کی مہک کیلی فورنیا کی فضاؤں میں پھیل گئی۔ میری ایلن کے بعد تو ذلفی کی گرل فرینڈز کی ایک لمبی فہرست ہے تاہم ایلن، مرینڈا اور لیلیٰ بختیار کا ذکر نہ کرنا زیادتی ہو گی۔ لیلیٰ بختیار جو کہ بعد میں ڈاکٹر بختیار کے نام سے مشہور ہوئیں کہتی ہیں کہ "ذلفی مجھ سے شادی کرنا چاہتے تھے اظہار محبت کے طور پر انہوں نے مجھے ایک خوبصورت ساڑھی اور گھڑی تحفہ میں دی تھی لیکن میں انہیں صرف اپنا دوست تصور کرتی تھی"

بھٹو گرل فرینڈز یوں بدلتے جیسے کپڑے بدل رہے ہوں۔ بیگم نصرت بھٹو سے ذلفی کی

شادی ایک "ایڈونچر لو افیئر" تھی دوران تعلیم ایک مرتبہ امریکہ سے واپس آیا تو ایک تقریب میں اس کا ٹاکرا ایک ایرانی خاتون نصرت اصفہانی سے ہو گیا۔ نصرت اصفہانی اپنی پہلی ملاقات کا تذکرہ یوں کرتی ہے۔ "میں ممتاز کی شادی کے موقع پر پہننے کے لئے اپنے زیورات نکالنے کی غرض سے جب بینک پہنچی تو میری ملاقات ممتاز کی ماں سے ہوئی۔ جو ایک نوجوان کے ہمراہ تھیں۔ ممتاز کی ماں نے سلام کے بعد مجھ سے دریافت کیا نصرت تم کیسی ہو۔ پھر اس نوجوان کی طرف دیکھ کر میرا تعارف کراتے ہوئے کہنے لگیں اس سے ملو یہ ممتاز کی سہیلی نصرت اصفہانی اور مجھ سے کہا یہ میرا بیٹا ذلفی ہے امریکہ میں زیر تعلیم ہے" بقول بیگم نصرت بھٹو وہ پہلی ملاقات میں ذلفی کی شخصیت سے زیادہ متاثر نہ ہوئی تھی۔ ممتاز کی شادی کے دن ادیب حبیب اللہ نے ذلفی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بیگم نصرت بھٹو سے کہا تھا "دیکھو کتنا ہینڈسم ہے" تو نصرت کہتی ہیں "میں زبان سے تو نہ کہہ سکی البتہ دل ہی دل میں کہا کہ یہ ہینڈسم کہاں ہیں اسے غلط فہمی ہوئی ہے" ذلفی کو ہینڈسم محسوس نہ کرنے کے باوجود بھی نصرت کے دل میں بھٹو نقش ہو کر رہ گیا بیگم نصرت بھٹو کے بقول "میرا خیال تھا کہ

بھٹو بولا" شرمیلے ہیں لیکن شادی کی تقریب میں رقص کے دوران انہوں نے مجھے بیٹھنے سے اٹھانا چاہا تو میں نے ان سے کہا "جناب یہ پاکستان ہے امریکہ نہیں" میری باتیں سن کر ذلفی نے قہقہہ لگایا اور تقریب کے اختتام پر مجھے گھر چھوڑنے کی پیش کش کی تو میں نے اپنی کار کی موجودگی کا کہہ کر پیشکش مسترد کر دی ذلفی پھر بھی باز نہ آیا اور انہوں نے مجھے آئس کریم کھانے کی دعوت دی جسے میں نے ٹھکرا دیا۔ جواب میں ذلفی مشتعل ہو گیا اور قدرے تلخ لہجے میں کہا کہ تم نہیں جانتی میں کون ہوں لیکن پھر جلد ہی ناراضگی دور ہو گئی اور ہم کافی دیر تک بیٹھے ایک دوسرے سے باتیں کرتے رہے۔ اس ملاقات کے بعد ذلفی نے مجھے ایک شاندار ہوٹل میں کھانے کی دعوت دی۔ اس دعوت میں ذلفی نے میرے سامنے شادی کی تجویز رکھی مگر میں اس حوالے سے ابھی سنجیدہ نہ تھی۔ اس ملاقات کے کچھ عرصہ بعد بھٹو واپس تعلیم کے لئے برکلے چلے گئے۔

1951ء میں تعلیم سے فراغت کے بعد ذلفی سیدھے کراچی پہنچے اس عرصے کے دوران اس نے نصرت سے کوئی باقاعدہ رابطہ نہ رکھا کیونکہ اس عرصے میں کیرولین اور سوزی نامی دوشیزائیں بھٹو کے گلے کا ہار بنی رہیں۔ وطن پہنچتے ہی بھٹو نے نصرت سے ملاقات کی اور زبان کی شیرینی سے نصرت کا دل جیتنے کی کوشش کی جس میں وہ بڑی حد تک کامیاب ہوا اس نے نصرت کو یقین دلایا کہ دو سال تک میں صرف اور صرف تمہارے بارے میں ہی سوچتا رہا انہوں نے الٹا نصرت سے شکایت کی کہ ایک برس قبل انہوں نے اپنے ایک دوست کے ذریعے پیغام بھیجا مگر نصرت نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ نصرت ذلفی کے اس وار سے نہ بچ سکی اس طرح وہ نصرت کے دل میں اپنے لئے مقام بنانے میں کامیاب ہو گیا۔ نصرت اس ملاقات کا ذکر یوں کرتی ہیں کہ "انہیں اچانک دیکھ کر مجھے بے حد خوشی ہوئی مگر اپنی خوشی کا اظہار نہیں کرنا چاہتی تھی جب میں انہیں گیٹ تک چھوڑنے آئی تو انہوں نے ایک بار پھر شادی کی تجویز دہرائی۔ بیگم نصرت بھٹو کہتی ہیں کہ "ذلفی کے دباؤ کے بعد میں نے اپنے والد اور بہن سے اپنی شادی کے بارے میں گفتگو کی۔ ایرانی نسل ہونے کی وجہ سے پہلے تو انہوں نے صاف انکار کر دیا کیونکہ وہ ایک سندھی کو داماد بنانے پر تیار نہیں تھے۔ مگر میرے اصرار پر میرے گھر والے ذلفی کے ساتھ شادی کے لئے تیار ہو گئے۔

نصرت ذلفی کا پہلا عشق تھا جو کامیابی سے ہمکنار ہوا مگر عاشق مزاج بھٹو کو پھر بھی چین

نصیب نہ ہوا۔ اس زمانے میں اس نے عملی سیاست میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا وہ برسراقتدار جنرل سکندر مرزا کو ہر سال لاڑکانہ شکار کی دعوت دیا کرتے تھے۔ جس میں وہ صدر جنرل سکندر مرزا کی تواضع شراب و کباب سے کرتے ایک مرتبہ سکندر مرزا بری فوج کے کمانڈر انچیف ایوب خان کو بھی اپنے ہمراہ لاڑکانہ لائے جس میں شکار کھلانے کے علاوہ اس نے ذلفی کو ایوب خان سے متعارف کرایا۔ دونوں پر ذلفی کی مہمان نوازی اپنا جادو چلا چکی تھی اعلیٰ کھانے اور عمدہ قسم کی شرابیں دونوں کے دلوں میں جگہ پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئیں۔

ذلفی جب ایوب خان کابینہ میں وزیر بن کر اسلام آباد پہنچے تو وہاں کی رنگین شبینہ محفلوں کے شرکاء نے بھٹو کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ جوانی میں اقتدار کے مزے ملے یوں ذہانت اور وجاہت باہم یکجا ہو گئے تو عاشق مزاج بھٹو دل پر قابو نہ رکھ سکے۔ یہ نام نہاد جنرل رانی بھٹو کے لئے رنگین شاموں کا اہتمام کرنے کا ہمیشہ دعویٰ کرتی رہی حسن و مستی کی شاید ہی کوئی محفل ایسی ہوتی جس میں بھٹو مدعو نہ کئے جاتے۔ مست داشتوں سے جی بھر کر بھٹو اپنی جنسی تسکین حاصل کرتا۔ خوبصورت حسینہ خواہ کسی اعلیٰ افسر کی بیوی ہوتی ذلفی جادوگری ذلفی دونوں کو اپنے جال میں پھانسنے میں کامیاب ہو جاتا ایک اعلیٰ افسر کی مطلقہ حسنہ شیخ کو بھٹو نے اپنے جنسی جال میں پھانسا۔ دونوں کے خفیہ کارنامے اتنے مشہور ہوئے کہ بھٹو جیسے نرالے بھنورے کو حسنہ شیخ سے شادی کرنی پڑی۔

ذلفی نے تعلیمی، سیاسی اور جنسی مشغولیات کو ساتھ ساتھ جاری رکھا۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ بھٹو نے برکلے کیمپس کی سیاست میں بھی حصہ لیا اور بقول پیلو موڈی ذلفی الیکشن کے پہلے ایشیائی امیدوار کے طور پر کامیاب ہوئے۔ برکلے میں کیرولین نامی خوبصورت دوشیزہ اور قیامت خیز پری جمال حسینہ سوزی ذلفی کی دوست تھی۔

بیگم نصرت بھٹو سے شادی کے بعد بھی ذلفی کے عاشقانہ کھیل میں کمی نہ آئی وہ نوخیز اور دل موہ لینے والی حسیناؤں سے کھیلتا رہا 1961ء میں بھٹو کو کسی کام کے سلسلے میں ڈھاکہ جانا پڑا وہاں اس کی ملاقات ایک وکیل عبدالاحد کی بیوی سے ہو گئی بھٹو ایک مشاق شکاری تو مشہور تھا ہی چنانچہ اس نے پہلی ہی ملاقات میں حسنہ شیخ کا شکار کر لیا۔ بھٹو کے نئے شکار کی خبر نصرت بھٹو تک پہنچی تو اس نے احتجاج کیا جسے بھٹو نے رد کر دیا۔ وہ سیدھی اردشیر کاؤس جی کے گھر گئیں۔ خیال رہے نصرت ذلفی نکاح میں کاؤس جی ایک اہم کردار تھے۔

کاؤس جی کی بیگم نصرت کو سیدھی ایوب خان کے پاس لے گئیں۔ بھٹو ایوب خان کی کابینہ کا کھلنڈرا وزیر تھا عیاش اور تماش بین شخص کے طور پر وہ خصوصی شناخت رکھتا تھا۔ اسلام آباد کی نائٹ تقریبات میں ذلفی کو خاص طور پر مدعو کیا جاتا جہاں وہ جی بھر کر رنگ رلیاں مناتا۔ مسز کاؤس جی کی بیگم نے جب ایوب خان سے ان کے نوجوان وزیر کی شکایت کی تو ایوب خان کاؤس جی کی بیگم کی نہ صرف تائید کی بلکہ بھٹو کو بلایا اور حکم دیا "اپنی بیوی کو واپس لاؤ یا کابینہ سے چھٹی کرو" سیاسی کیریئر کے ابتدائی دنوں میں اس قدر شدید دھمکی کے آگے بھٹو جھک گیا لیکن حسنہ شیخ اس کے دل سے نکل نہ سکی اور نوبت نکاح تک پہنچی یہ نکاح مولانا کوثر نیازی نے پڑھایا تھا۔ بیگم نصرت بھٹو تک نکاح خواں کی بات پہنچ گئی چنانچہ رد عمل میں انہوں نے مولانا کوثر نیازی کو اپنا بہت بڑا مجرم ٹھہرایا اور نکاح پڑھانے کا جرم معاف نہ کیا۔

ذلفی ایک سحر انگیز اور دل پھینک شخصیت کا مالک تھا اس کی عادات شہزادوں جیسی تھیں۔ وہ جہاں شراب نوشی کا عادی تھا وہیں شکار کا بھی شوقین تھا تو چیر پھاڑنے کا شکار کرنا اس کا من پسند مشغلہ تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ ہر رات ایک نئی لڑکی کے ساتھ منانے کا عادی تھا۔

سلمان تاثیر اپنی کتاب "ذوالفقار علی بھٹو بچپن سے تختہ دار تک" میں لکھتے ہیں "اسلام آباد میں بہت سے اعلیٰ افسروں کی بیویوں کے ساتھ رنگ رلیاں منانے کے قصے اور ان کی عشق بازی کی داستانیں زبان زد عام ہو کر رہ گئی تھی وہ نائٹ کلبوں اور پارٹیوں میں ڈانس کرنے میں زیادہ رغبت رکھتے تھے بعض اوقات تو خوشی کے عالم میں وہ اپنے جوتے اتار دیتے تاکہ ان کے ساتھ ڈانس کرنے والی خاتون کے پاؤں کی نازک انگلیاں نہ کچلی جائیں۔

سلمان تاثیر نے اپنی کتاب میں بھٹو کو "پلے بوائے" قرار دیا مگر وہ اپنے آپ کو بھٹو کی طلسماتی شخصیت کے سحر سے پھر بھی باہر نہ نکال سکا۔ بھٹو کی عشقیہ داستانیں کل کی طرح آج بھی زبان زد خاص و عام ہیں۔ بھٹو پھانسی چڑھ کر نہیں مرا بلکہ وہ سیاسی طور پر زندہ ہے اس کے جنسی سکینڈلوں کا بھی یہی حال ہے۔ جہاں بھٹو کے انداز سیاست کی دوسرے سیاست دانوں نے کاپی کی وہیں انہوں نے جنسی ہوس میں بھی بھٹو کو اپنا مرشد قرار دیا۔

"تمہیں یاد ہے کہ اس شخص...... (بھٹو) نے میرے والد کو پانچ سال گھر اور بوسیدہ عمارتوں میں نظر بند رکھا۔ اگر بھٹو نے حمود الرحمٰن کمشن رپورٹ شائع نہیں کرنا تھی تو پھر اس نے یہ کمشن بٹھانے کا ڈرامہ کیوں رچایا تھا؟ یہ میرے والد کو قائداعظم ثانی کہتا تھا مگر یہ حرامی سب کچھ بھول گیا۔ خود مجھے بھٹو اکثر کہا کرتا تھا کہ علی تم میرے دوست ہو 'علی تم میرے بھائی ہو' لیکن میں نے اس پر کبھی اعتبار نہیں کیا۔ کیونکہ میں اس کے پورے خاندان کو اچھی طرح جانتا تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ بھٹو کی والدہ کے شاہ نواز سے پہلے نہرو کے والد کے ساتھ خصوصی روابط تھے۔ اور یہ وہ حقائق ہیں جن کو جھٹلایا نہیں جاسکتا۔ شاہ نواز بھٹو کو بھی 'نہرو خاندان کے بعض افراد کے ساتھ خصوصی مراسم رکھنے والی لکھن بائی پسند آگئی اور انہوں نے اسے اپنے پاس رکھ لیا۔ پھر شاہنواز نے لکھن بائی سے شادی بھی کرلی۔ لیکن کبھی ہو سکے تو دیکھنا کہ بھٹو کا چہرہ کس طور پر نہرو کے ساتھ ملتا ہے خود بھٹو کا ان کی والدہ نے نام "گاسی رام" رکھا تھا۔ جبکہ ذوالفقار علی بھٹو کا نام انہیں اس وقت ملا جب ان کی والدہ نے اسلام قبول کرلیا۔ مجھے بھٹو سے کبھی بھی دوستی کا شوق نہیں تھا کیونکہ وہ اس قدر جھوٹ بولتا تھا کہ خدا کی پناہ! بھٹو نے اقتدار حاصل کرتے ہی اپنی اصلیت ظاہر کردی۔ اس نے ہمارے خاندان کو انتقام کا نشانہ بنایا۔ اور میڈم رانی کو میرے باپ کے ساتھ نتھی کردیا۔ حالانکہ میڈم رانی کا تعارف بھٹو نے خود میرے والد سے یہ کہہ کر کرایا تھا کہ "یہ خاتون میری اچھی والدہ ہیں" اکتوبر 71ء میں میری شادی ہوئی۔ ہم نے بھٹو کو دعوت نہیں دی تھی' اس کے باوجود وہ شادی سے چند روز پہلے گھر آگیا اور بولا "سرا میرے بھتیجے کی شادی ہے۔ اور مجھے مدعو نہیں کیا گیا یہ بڑی زیادتی ہے۔" جس پر والد صاحب نے کہا کہ ملک کے حالات بڑے خراب ہیں۔ اس لیے شادی دھوم دھام سے نہیں منائی جارہی۔ بہرحال تم آجانا۔ لیکن شادی کی تقریب میں بھٹو نل غپاڑہ کرتا

رہا۔ اور ایک جرنیل کو دیکھ کر کہا کہ "جنرل! سنو' تم نے مجھے سلام کیوں نہیں کیا۔" وہ جنرل ہکا بکا رہ گیا کیونکہ بھٹو کا انداز شرمناک تھا اور وہ تقریب کو خراب کر رہا تھا۔ میں نے بھٹو سے کہا کہ زلفی! تمہیں سلام کرنا ہر کسی پر لازم نہیں ہے۔ جس پر وہ بولا "ہر کسی پر لازم ہو' یا نہ ہو کم از کم اس کو مجھے سلام کرنا چاہیے کیونکہ کل رات اس کی بیوی میرے بستر میں تھی۔" شادی کی تقریب ختم ہوئی تو اگلے روز والد صاحب نے مجھے بلا کر کہا کہ بھٹو اور جنرل------ کے درمیان کل رات کس بات پر جھگڑا ہوا تھا۔ میں نے تفصیل بتائی تو والد نے کہا "اس حرامی کے بچے کو آئندہ بھی اپنے خاندان کے کسی فنکشن میں مدعو نہ کرنا' یہ دوسروں پر گندگی اچھالتا ہے اور اسے یہ خبر نہیں کہ اس کی اپنی بیوی کل کس کے ساتھ تھی۔"

یہ طویل اقتباس جنرل محمد یحییٰ خان کے فرزند ارجمند علی یحییٰ کی تحریر سے لیا گیا ہے۔ جو انہوں نے پاکستان کے پہلے منتخب وزیر اعظم جنہیں ملک کا ایک بڑا طبقہ شہید ذوالفقار علی بھٹو کے نام سے یاد کرتا ہے' کی شان میں رقم کی ہے۔

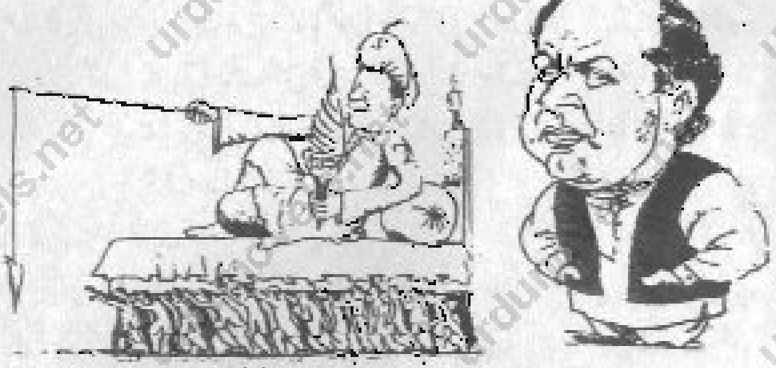

"میاں نواز شریف"

میاں نواز شریف نے تحریک استقلال سے اپنے سیاسی سفر کا آغاز کیا۔ جنرل ضیاء الحق نے انہیں پنجاب کا وزیر اعلیٰ بنایا اسلامی جمہوری اتحاد نے پاکستان کا وزیر اعظم بنایا۔ میاں نواز شریف نے مسلم لیگ کو سیاسی پارٹی بنایا۔ ہمیں آج تک معلوم نہیں ہو سکا کہ نواز شریف سیاست دان ہیں یا صنعت کار البتہ سیاست دانوں کی متفقہ رائے ہے کہ نواز شریف صنعت کار ہیں۔ نوابزادہ نصراللہ خان نے انہیں "دوکاندار" کا اعزاز دیا۔ قسمت کے دھنی ہیں۔ سپریم کورٹ نے ان کی کالعدم حکومت کو بحال کر دیا تھا۔ جنرل پرویز مشرف نے جیل میں ڈالا تو امریکہ اور سعودی عرب نے مل کر انہیں جیل سے نکلوایا۔ میاں نواز شریف ہماری قومی سیاست پر چمکنے والا ایسا ستارہ ہے جو نہایت مختصر عرصے میں عروج کی منزل کو پہنچا اور جس طرح ہر عروج کو زوال ہے نواز شریف بھی 12 اکتوبر 1999ء کو فوج کے ہاتھوں زوال کا شکار ہوئے بلکہ لوگوں کا کہنا تو یہ ہے کہ اپنے ہاتھوں زوال کا شکار ہوئے جیل میں گئے وہاں بھی وزیر اعظم بنے رہے کیونکہ مقدمے کی سماعت کے دوران جج نے پیشہ پوچھا تو میاں صاحب نے وزیر اعظم بتایا جس پر حاضرین کھل کھلا کر ہنس پڑے۔

میاں نواز شریف کے مخالفین ہی بہت زیادہ نہیں بلکہ ان کے حمایتی بھی کروڑوں میں ہیں۔ ہر چیز کو خریدنے کے عادی تھے۔ سیاست میں بے فکر ہو کر پیسہ لگاتے سچ تو یہ ہے کہ بریف کیسوں پر چڑھ کر وہ مختلف شخصیات کے کندھوں پر سوار ہوتے یوں وہ نہ صرف اپنی

urdunovels.net

سیاست چمکانے میں کامیاب ہوئے بلکہ روپے کے بل بوتے پر کامیاب ترین سیاست دان بھی بنے۔ ان کی سیاسی تربیت فوج کے ہاتھوں ہوئی چنانچہ انہوں نے جب اپنے اساتذہ کو آنکھیں دکھانی شروع کیں تو اساتذہ یعنی فوج نے انہیں نہ صرف معزول وزیر اعظم بنایا بلکہ حوالہ زنداں بھی کیا۔ جنرل جہانگیر کرامت کراحتی کارنامہ بوجوہ سرانجام دینے میں کامیاب نہ ہوئے۔ جنرل پرویز مشرف نے جب نواز شریف کو جیل کا راستہ دکھایا تو لوگوں کو نواز شریف کے بھاری مینڈیٹ کی اصلیت کا پتہ چل گیا۔

میاں نواز شریف بطور وزیر اعظم (دونوں ادوار) اور بطور وزیر اعلیٰ پنجاب مدتوں یاد رہیں گے اس کے پیچھے ان کی قابلیت کم اور متنازعہ فیصلے زیادہ ہیں۔ انہوں نے دیگر شعبہ ہائے زندگی کی طرح سیاست میں بھی دل کھول کر پیسہ لگایا ہی تھیں بلکہ اپنے مصاحبین کو

بھی خوب نوازا۔ کسی کو پلاٹوں کے تحفے دیے تو کسی کو پرمٹ جیسے وغیرہ۔

عام زندگی میں میاں نواز شریف بھولے بھالے اور معصوم انسان دکھائی دیتے ہیں البتہ نجی و ذاتی زندگی میں ان کا کردار بھی دوسرے سیاست دانوں سے مختلف نہیں لہٰذا کے معاشقوں اور سکینڈلز کی ایک لمبی فہرست ہے جس میں سر فہرست مشہور گلوکارہ طاہر سید کا نام ہے۔ نواز شریف کی کامیابی کا راز جہاں دولت کا بے تحاشہ استعمال ہے وہیں میڈیا کا استعمال بھی ہے۔ نواز شریف کی سیاست میں شہباز شریف کو جنرل مینجر قرار دیا جاتا ہے۔ نواز شریف کی ذہانت پر مبنی ہر کام کے پیچھے شہباز شریف کا نام لیا جاتا ہے۔ نواز شریف کو پاکستان کا ہیرو بنانے میں میڈیا کا رول کلیدی ہے۔ نواز شریف نے میڈیا منیجرز کی باقاعدہ ٹیم بنا رکھی تھی جو نواز شریف کو جہاں "میڈان پاکستان" ثابت کرنے میں صفحات کے صفحات سیاہ کرتے وہیں وہ اسے "اسلام کا سپوت" ثابت کرنے میں بھی کوئی کسر نہ چھوڑتے۔ نواز شریف کے میڈیا مینوں نے ان کی زندگی کا صرف ایک رخ عوام کے سامنے پیش کیا جس کے مطابق وہ ایک نیک، ہمدرد، غم گسار، پاکباز، صالح اور درد دل رکھنے والے انسان ہیں مگر اس سب کے باوجود جھوٹ چھپائے نہ چھپتا اور کوئی نہ کوئی سچی بات عوام کے سامنے آ ہی جاتی مگر عوام اس پر یقین نہ کرتے۔ نواز شریف اور ان کی میڈیا ٹیم کو گوئبلز کی اس بات پر پختہ یقین تھا کہ "جھوٹ بار بار اور تواتر سے بولو تاکہ لوگ اس کو سچ سمجھنا شروع کر دیں" حالانکہ ذاتی زندگی میں نواز شریف کی شہرت دوسرے سیاست دانوں سے کسی طرح کم

میجی بے بی

نہیں وہ بھی صنف نازک کی کافرانہ اداؤں پر دل کھول کر داد دیا کرتے تھے۔ حسن و عشق کے وہ اتنے ہی رسیا تھے جتنا کہ کوئی بھی دوسرا سیاست دان۔ حسن و عشق کا کھیل کھیلنے میں وہ بڑی احتیاط برتتے تھے مگر پھر بھی کہیں نہ کہیں کوئی خامی رہ جاتی جس کی وجہ سے وہ پکڑے جاتے۔ ان کی اسی طرح کی ایک خامی قوم کے سامنے اس وقت پیش کی گئی جب وہ کالعدم وزیر اعظم بنے۔ پرائم منسٹر ہاؤس میں ان کے کمرے کی تلاشی لی گئی تو جہاں دیگر سامان تلاش کرنے والوں کے ہتھے چڑھا وہیں ان کے حصول عیاشی کے سامان کی بھی ایک طویل فہرست ان کے ہاتھ لگی جس میں راتوں کو رنگین بنانے کے لئے خصوصی بستر، فحش فلمیں، مخصوص لمحات کو طویل کرنے کے لئے مخصوص گولیوں "ویاگرا" کا ایک بڑا سٹاک۔ الغرض ایسا سامان نکلا جو میاں نواز شریف کی شرافت کا منہ چڑا رہا تھا۔ میاں نواز شریف نے پرائم منسٹر ہاؤس کو باقاعدہ دربار کی شکل دے رکھی تھی جہاں شریف عالم پناہ کی طبیعت

کو ہشاش بشاش کرنے کے لئے ایسے افراد ہر وقت موجود رہتے جو جہاں عالم پناہ کو گانے اور لطیفے سناتے وہ وہیں عاشقانہ مزاج کے مالک نواز شریف کے لئے خصوصی محافل کا انعقاد کرتے تاکہ میاں صاحب کا مزاج خوش رہے۔ نواز شریف موسیقی کے بڑے دلدادہ تھے۔ موسیقی کا شوق میاں نواز شریف کو طاہرہ سید کی زلفوں تک لے گیا۔ ایک طرف ہوس پرست اور موسیقی کا دلدادہ نواز شریف تھا تو دوسری طرف پرکشش کتابی چہرہ' جھیل سی گہری شفاف آنکھیں' سرخ گلابی ہونٹ' ستواں ناک اور صراحی دار دراز گردن کی مالک طاہرہ سید تھی یوں میاں صاحب کا دل جھوم اٹھا۔ طاہرہ سید کو دیکھتے ہی ان کے لبوں پر تبسم تیرنے لگتی۔ میاں صاحب کے مصاحبین ان کے لبوں پر رقصاں و مستاں تبسم دیکھنے کے لئے طاہرہ سید کو بڑے اہتمام کے ساتھ پرائم منسٹر ہاؤس لاتے۔ ایک طویل عرصہ تک طاہرہ سید نواز شریف کے جنسی ہوس پرست دل کی راجدھانی پر حکمرانی کرتی رہی۔ دونوں کے پیار کے قصے ایک عرصہ تک زبان زد خاص و عام رہے۔ طاہرہ سید باوجود اس کے کہ نعیم بخاری کی منکوحہ تھی مگر وہ ایک حسن پرست وزیر اعظم کی راتوں کو رنگین اور مست بناتی رہی۔ نعیم بخاری نے طاہرہ سید کو راہ راست پر لانے کی بھرپور کوشش کی مگر وہ دونوں طرف کی آگ کو بجھانے میں کامیاب نہ ہوئے یوں نوبت طلاق تک جا پہنچی۔ قریب تھا کہ طاہرہ سید کی زلفوں پر نواز شریف اپنا سیاسی کیریئر قربان کر دیتے کہ بیگم کلثوم نواز شریف نے آگے بڑھ کر نواز شریف کے تباہ ہوتے ہوئے کیریئر کو طاہرہ سید کی بھینٹ چڑھنے سے بچا لیا۔ نواز شریف کے پہلے دور حکومت میں پرائم منسٹر ہاؤس میں طاہرہ سید کو "خاتون اول" کی طرح پذیرائی اور پروٹوکول حاصل تھا۔

نواز شریف کی عیش پرست طبیعت نے طاہرہ سید اور نعیم بخاری کے ہنستے کھیلتے گھر کو تباہ و برباد کیا ہاں یہ علیحدہ بات ہے کہ طاہر سید کو منہ دکھلائی میں پنجاب ٹورازم ڈیولپمنٹ کارپوریشن مری کی چیئر لفٹ دی جس سے اسے روزانہ ہزاروں روپے کی آمدن ہوتی تھی اور یہ آمدن 1993ء میں بے نظیر کے وزیر اعظم بننے تک جاری رہی بیگم کلثوم نواز نے اس موقع پر خالص مشرقی عورت کا ثبوت دیا اور نواز شریف کی عشق کی تپش کو اپنی مشرقیت سے سرد کرنے کی کوشش کی لیکن دوسری طرف معاملہ کچھ اور تھا کیونکہ نواز شریف اکیلی طاہرہ سید کے عاشق نہ تھے بلکہ عارفہ صدیقی اور دلشاد بیگم وغیرہ جیسی حسیناؤں کے بھی وہ عاشق تھے مگر پھر بھی اس نے اپنے شوہر کو معاف کیا یہی نہیں بلکہ جنرل پرویز مشرف کی زنداں

سے نکال کر سعودی عرب لے جانے میں بھی کامیاب ہوئی۔

1997ء میں الیکشن کی تیاریاں جاری تھیں کہ 12 جنوری 1997ء کو بھارتی اخبار "سماچار" نے معروف اداکار فیروز خان اور سنجے خان کی بہن دلشاد بیگم کا انٹرویو شائع کیا جس نے سیاسی میدان میں تہلکہ مچا دیا اس نے انٹرویو میں کہا کہ "نواز شریف دل پھینک' عاشق مزاج اور صرف نام کے شریف ہیں وہ میرے عاشق ہیں" دلشاد بیگم کی ادائیں قیامت خیز اور حسن دل موہ لینے والا تھا چنانچہ نواز شریف کا بہک جانا سمجھ میں آتا ہے۔ دلشاد بیگم سے نواز شریف کے تعلقات اس قدر قریبی تھے کہ بقول دلشاد بیگم نواز شریف نے میرے کہنے پر مقبوضہ کشمیر میں فوجی کاروائی بند کروائی نواز شریف کے اس فیصلے سے جماعت اسلامی سے ان کے تعلقات میں دراڑ آگئی جسے عاشق پرست نواز شریف نے قبول کر لیا۔ نواز شریف دلشاد بیگم کی اداؤں پر ایسے لٹو ہوئے کہ سنگل فیملی کی دعوت پر جب دلشاد بیگم پاکستان کے دورے پر آئی تو اسے پاکستان میں سرکاری مہمان کی حیثیت دی گئی۔ دلشاد بیگم کا حسن' دلربا ادائیں' ساڑھی باندھنے کا خوبصورت انداز ان سب نے مل کر میاں صاحب کو اپنا اسیر کر لیا۔ پہلی ملاقات بھوربن میں ہوئی اور پھر یہ سلسلہ چل نکلا۔ دلشاد بیگم نواز شریف کو ٹیلی فون کرتی تو میاں صاحب اپنے عاشق دل کی تسکین کے لئے اس سے گانا سنانے کی فرمائش کرتے۔ دلشاد بیگم اور نواز شریف کے سکینڈل پر ملکی میڈیا نے بہت کچھ چھاپا۔ نواز شریف کی رنگین وارداتوں کا اکیلا بھوربن ہی نہیں بلکہ لاہور اور اسلام آباد کے کئی تفریحی مقامات گواہ ہیں۔

نواز شریف کا قصہ ہائے عشق نہ تو اکیلی طاہرہ سید نہ ہی دلشاد بیگم تک محدود ہے بلکہ فلم انڈسٹری کی معروف ہیروئنوں کی ایک طویل فہرست ہے۔ نواز شریف کی حکومت جب برطرف کی گئی تو ریما نے احتجاج کیا ریما کی ہمدردی یا محبت نواز شریف کی برطرفی کو ہضم نہ کر سکی۔ حال ہی میں قومی احتساب بیورو کے حوالے سے جو تحقیقات منظر عام پر آئی ہیں ان کے مطابق میاں نواز شریف جو لاہور کو پیرس اور ملک کو جدید ترقی یافتہ مملکت بنانے کا عہد کئے ہوئے تھے نے مساج اور مالش کی تربیت کے لئے چار حسین خواتین اور پانچ مردوں کو فرانس بھجوانے کا انتظام کیا۔ میاں صاحب نے خصوصی باتھ روم کا نقشہ انٹروڈ موٹل پرائیویٹ لمیٹڈ گلبرگ لاہور سے خصوصی ہدایات پر بنوایا۔ باتھ روم میں جہاں دیگر سامان تعیش موجود ہیں وہیں باتھ روم میں گھومنے والا خصوصی رنگین ٹیلی ویژن اور گندی

urdunovels.net

ظلموں کے لئے وی سی آر موجود ہے۔ موسم کے مطابق ٹھنڈا اور گرم رکھنے والے اس باتھ روم میں سب کچھ تھا جس سے جنسی تسکین مل سکتی تھی۔ ملک میں غریب خود سوزیاں اور خودکشیاں کر رہے تھے ملک کا وزیر اعظم عظیم الشان باتھ روم میں گھنٹوں مساج کروانے اور ٹی وی دیکھنے میں مصروف رہتا۔ احتساب بیورو کے ذرائع کے مطابق ایک سائل جمن نسب جس وقت ماڈل ٹاؤن کی کھلی کچہری میں انصاف نہ ملنے پر خودسوزی کر رہا تھا تو وقت کا وزیر اعظم (ن) کے ہاتھوں باتھ روم میں مساج کروانے میں مصروف تھا۔

نواز شریف بطور وزیر اعظم ہی رنگ رلیاں نہیں منایا کرتا تھا بلکہ بطور وزیر اعلیٰ پنجاب بھی وہ خوبصورت جوانیوں سے کھیلا کرتا۔ جنسی تکمیل کے بعد وہ اپنے رازدانوں کو چپکے لے کر بتایا کرتا۔ جہاں نواز شریف کا اپنا اخلاق پست تھا وہ وہیں عرب شہزادوں کی خدمات کرنے میں بھی کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتا تھا۔ انھیں خوبصورت شباب اور شراب سرکاری سطح پر فراہم کیا جاتا۔ معروف اداکارہ جانان ملک کو صرف ایک رات کے لئے سرکاری مہمانوں کی تواضع کرنے کے عوض 8 لاکھ روپے کی خطیر رقم ادا کی گئی فلم انڈسٹری کی خوبصورت حرین اور نوخیز جوانی کو نواز شریف فائیو سٹار ہوٹل میں اپنے دوستوں کا دل بہلانے کے لئے پیش کرتا۔ چنانچہ نواز شریف کی قید کے دوران جب سب سے زیادہ عرب شہزادوں نے واویلا مچایا تو انہیں یوں دکھائی دیا جیسے وہ حق دوستی ادا کر رہے ہوں۔

نواز شریف اور شہباز شریف نے اخلاقیات کا جنازہ نکالتے ہوئے ایک ہی وقت میں مختلف ماڈلز کو ایک ساتھ وقت دینا شروع کر دیا ہی نہیں بلکہ نواز شریف اور شہباز شریف کے صاحبزادے بھی انہی تتلیوں تک پہنچ گئے جو کبھی ان کے باپ اور چچا کی محفلوں کو گرماتی تھیں۔ حمزہ شہباز شریف بطور خاص اپنے دوستوں کو بتاتا کہ اس نے کس کس کے ساتھ کتنا کتنا وقت گزارا ہے۔ نواز شریف کے فرزند حسین نواز شریف۔ ضرورت مند حسیناؤں کی تلاش میں رہتے جو اپنی مجبوریوں اور مالی مشکلات کی خاطر ان سے ملاقات کیا کرتی تھیں۔ نواز شریف کی معشوقہ عارفہ صدیقی حسین نواز شریف کی بھی معشوقہ بنی۔ ارم حسن بھی حسین نواز کے دل کو تسکین پہنچاتی۔ نواز شریف کی شرافت کے بیج ان کے بیٹے میں منتقل ہو گئے ہیں۔

معروف صحافی جناب منیر احمد اپنے مضمون "شریف برادران کی رنگ رلیاں" میں لکھتے ہیں:

"میاں نواز شریف جب وزیر اعلیٰ پنجاب تھے تو ان کا معمول تھا کہ جب بھی انھیں مری جانا ہوتا وہ اپنے اسپیشل سیلون میں لاہور کے ریلوے اسٹیشن سے راولپنڈی روانہ ہوتے۔ لاہور سے راولپنڈی تک ٹرین کا سفر پانچ گھنٹے پر محیط ہے جبکہ یہی فاصلہ بذریعہ جہاز 35 منٹ میں طے کیا جا سکتا ہے۔ اسلام آباد یا مری میں سرکاری حکام نواز شریف کا ان کی آمد سے گھنٹوں قبل ہی انتظار شروع کر دیتے تھے' اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ نواز شریف کے پروگرام اچانک "بدل" جاتے تھے۔ عین اس وقت جب لاہور ریلوے اسٹیشن پر نواز شریف کی راولپنڈی روانگی کے انتظامات مکمل ہوتے' اچانک انتظامیہ کو اطلاع ملتی کہ میاں صاحب بذریعہ سڑک یا جہاز کے ذریعے راولپنڈی چلے گئے ہیں۔ نواز شریف اس طرح کی حرکتیں اکثر کیا کرتے تھے اور اس کی وجہ سوائے اس کے کوئی اور نہیں ہوتی تھی کہ وہ اپنی ذاتی زندگی کے معاملے میں بہت خوف زدہ تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی کوئی ذاتی بات ان کے والد صاحب تک پہنچے جبکہ شہباز شریف اس معاملے میں خاصے غیر محتاط تھے۔ نواز شریف کی بعض "مہمان" خواتین لاہور سے راولپنڈی کے درمیان کسی بھی اسٹیشن پر ان کے سیلون میں سوار ہوتیں اور راولپنڈی پہنچنے سے پہلے دو تین گھنٹے میاں صاحب کے ساتھ گزارنے کے بعد وہ ٹرین سے اتر جایا کرتی تھیں۔ نواز شریف کے موڈ کا اندازہ لگانا بہت آسان تھا' وہ اگر راولپنڈی میں ٹرین سے اترتے وقت ہشاش بشاش ہوتے تو سرکاری حکام اندازہ لگا لیا کرتے تھے کہ میاں صاحب کا سفر خوشگوار گزرا ہے اور کبھی واقعہ ایسا بھی ہوتا تھا کہ نواز شریف کے "مہمان" کسی وجہ سے ٹرین میں سوار

نہ ہو پاتے اور پنڈی پہنچنے پر ہر شخص ان سے ڈر رہا ہوتا تھا' ایسے میں مری میں میاں صاحب کو "خوش" کرنے کے لیے "خصوصی انتظامات" کیے جاتے تھے۔ میاں نواز شریف سمجھتے تھے کہ وہ زمانے کی انجانی نظروں سے محفوظ ہیں۔ بلاشبہ نواز شریف کے مخالفین تک کو ان کی رنگین راتوں کے قصوں کا بہت ہی کم علم تھا لیکن فوجی اور سول انٹیلی جنس ایجنسیوں کے وہ حکام جو نواز شریف کی حفاظت پر مامور تھے' ان تمام باتوں سے باخبر تھے جن پر آج بھی مصلحتوں کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ لوگوں کو نواز شریف کے حوالے سے زیادہ سے زیادہ اتنا معلوم ہے کہ انہوں نے کبھی بھارتی اداکارہ دلشاد بیگم کو فون پر گانے سنائے تھے یا بھوربن میں انہوں نے کینڈل لائٹ میں دلشاد بیگم کے ساتھ زندگی سے لطف حاصل کیا تھا' لیکن معاملہ صرف یہاں تک ہی محدود نہیں بلکہ ان کہانیوں میں کئی اور خواتین کے بھی نام آتے ہیں۔ نواز شریف بطور وزیراعلیٰ پنجاب عورتوں کے ساتھ تعلقات رکھنے کے معاملے میں کافی غیر محتاط تھے' جب بھی فلم یا ٹی وی کی کسی اداکارہ یا مشہور ماڈل گرل کے ساتھ ان کی ملاقات ہوتی تو وہ اپنے ذاتی دوستوں کو افسانوی انداز میں خوشگوار لمحوں کی داستان سنایا کرتے تھے۔ نواز شریف کے ساتھ سب سے پہلے طاہرہ سید اور پھر عارفہ صدیقی کا قصہ مشہور ہوا اور پھر کئی خوبصورت چہرے ان کی زندگی میں آتے چلے گئے۔ اداکارہ ریما اگر نواز شریف کی حمایت میں بیان جاری کرتی ہیں تو اس کی کوئی وجہ تو ضرور ہوگی' لیکن معاملہ اس وقت خراب ہوا جب ان اداکاراؤں اور ماڈل گرلز نے "اخلاقیات" کا لحاظ نہ کرتے ہوئے دونوں بھائیوں کو وقت دینا شروع کر دیا۔ اگر کوئی ایک مخصوص اداکارہ اس ہفتے بڑے میاں صاحب سے ملاقات کرتی تو اگلے ہفتے وہ میاں شہباز شریف کے ساتھ ہوتی۔ میاں

نواز شریف اور میاں شہباز شریف دونوں کو علم تھا کہ وہ انٹیلی جنس ایجنسیوں کی نظروں میں ہیں لیکن اس کے باوجود دونوں بے احتیاطی کرتے رہے' خصوصاً شہباز شریف رات کو خاموشی کے ساتھ اپنی پجارو نکال کر تنہا ہی نکل جایا کرتے تھے۔ کبھی ان کی منزل زیبا بختیار کا گھر ہوتا اور کبھی ڈیفنس میں وہ کسی مخصوص گھر میں موجود ہوتے۔

میاں نواز شریف کو

بچپن سے ہی گانے کا شوق تھا اور وہ کالج کے زمانے میں جب مری جاتے تو وہاں سڑک کے کنارے بیٹھ کر گلوکار رفیع اور طلعت محمود کے گائے ہوئے گیت گنگنایا کرتے تھے۔ طاہرہ سید سے نواز شریف کی دوستی کی وجہ بھی یہ تھی کہ انہیں طاہرہ سید کی آواز بہت پسند تھی۔ نواز شریف اور طاہرہ سید کو ایک دفعہ ٹریفک پولیس کے ایک انسپکٹر نے رات کو ٹریفک سگنل کی خلاف ورزی کرتے ہوئے روک لیا تھا۔ یہ ٹریفک انسپکٹر طاہرہ سید کو نواز شریف کے ساتھ دیکھ کر پہلے تو حیران ہوا اور پھر انسپکٹر نے انہیں اور دونوں نے اس انسپکٹر کو چھوڑ دیا۔ اسی طرح ایک رات جب میاں شہباز شریف نے زیبا بختیار کو ان کے گھر سے پک کیا اور موٹروے کی جانب چل پڑے تو ان کی حفاظت کے لیے مامور ملٹری انٹیلی جنس کے ایک میجر نے انہیں راستے میں روکا اور سمجھایا کہ "سر! آپ دہشت گردوں کی ہٹ لسٹ پر ہیں اس لیے سیکورٹی کے بغیر سڑکوں پر گھومنے کا خطرہ مول نہ لیں۔ بعد ازاں میاں شہباز شریف کے کئی اداکاراؤں کے ساتھ نازیبا حالت میں ویڈیو کیسٹ تیار ہوئے جبکہ اداکاراؤں کے ساتھ ان کی گفتگو کے کیسٹوں کی تعداد بے شمار ہے۔"

urdunovels.net

"اعظم خان ہوتی"

اعظم خان ہوتی کا تعلق سرحد کے بہت بڑے سیاسی خاندان سے ہے۔ ولی خان کے برادر نسبتی ہیں۔ یعنی بیگم ولی خان کے بھائی ہیں۔ بہن نے انہیں نواز شریف کے دور اقتدار میں وفاقی وزیر مواصلات کی شیروانی پہنوائی۔ نواز شریف نے انہیں موٹروے کا دولہا قرار دیا جس کی منہ دکھلائی دلہن کی بجائے دولہا میاں نے کرپشن کی صورت میں وصول فرمائی اعظم خان ہوتی نے جہاں مالیاتی میدان میں اپنے جوہر دکھائے نجی زندگی میں بھی انہوں نے بے پناہ کارنامے سرانجام دیے۔ وہ روایتی طور پر دل پھینک عاشق واقع ہوئے ہیں۔ خوبصورت چہرہ ان کی مجبوری تھی۔ تقریب میں وہ وہاں جانا زیادہ پسند کرتے جہاں خواتین کا جھرمٹ ہوتا۔ پروانے کی مانند وہ حسینہ تک پہنچ جاتے۔ 1992ء کا ذکر ہے فلیٹیز ہوٹل لاہور میں کتابوں کی نمائش جاری تھی۔ نمائش کا افتتاح وفاقی وزیر مواصلات اعظم ہوتی نے کیا۔ اسی تقریب میں زیبا خان نامی عورت کو جس کا تعلق مردان سے ہے اعظم خان ہوتی شکار کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ زیبا خان اور اعظم خان ہوتی کے مابین پہلی ملاقات کے بعد ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا جو تھوڑے ہی عرصے میں باقاعدہ نکاح پر جا کر ختم ہوا۔

زیبا خان نے اپنے انٹرویو میں مبینہ سکینڈل کا انکشاف کرتے ہوئے کہا کہ اعظم خان ہوتی نے مجھ سے کہا میں بہت مظلوم ہوں۔ گیارہ برس سے تنہائی کی زندگی گزار رہا ہوں نسرین (ولی خان کی بیٹی) نے مجھے بے پناہ دکھ دیئے ہیں میں اس کی باتوں میں آ گئی اور باوجود اس کے کہ میرے گھر والے راضی نہ تھے میں نے شادی کا ارادہ کر لیا۔ اس وقت میری عقل پر پردہ پڑ گیا۔ ہمارا نکاح مدینہ مسجد کے مولوی مختار اللہ نے پڑھایا۔ نکاح کی تقریب میں اعظم ہوتی کا گارڈ شیری زادہ ڈرائیور جعفر، پی اے مشتاق، غفور شاہ، جہانزیب اور دیگر ملازم شریک ہوئے۔

اعظم خان ہوتی ایک عاشق مزاج سیاسی شہزادہ ہے زیبا خان نے اعظم ہوتی سے پیسے بٹورنے کے لئے شادی رچائی تھی مگر اس کے ہاتھ کچھ نہ آیا۔ اعظم ہوتی پہلی ہی ملاقات میں زیبا خان کو "تتلی ہے پگلی" کہہ کر دل دے بیٹھے تھے۔ زیبا خان کے بقول اعظم ہیما مالنی، ریکھا اور جوہی چاؤلہ کے ساتھ اپنی راتیں رنگین بناتا رہا ہے۔ زیبا کی باتوں نے اعظم ہوتی کو بڑا پریشان کیا۔

ایوب خان

فیلڈ مارشل محمد ایوب خان پاکستان کی تاریخ کا ایک معتبر نام ہے ان کے دور میں پاکستان نے مثالی ترقی کی۔ فوجی حکمران ہونے کے باوجود وہ عوام میں مقبول تھے اپنے عرصہ اقتدار میں انہوں نے شہرت کی بلندیوں کو چھوا۔ اقتدار کے آخری دنوں میں عارضہ قلب میں مبتلا ہوئے تو اقتدار پر ان کی گرفت ڈھیلی پڑتی گئی۔ ان کے عرصہ اقتدار کو جہاں سراہنے والوں کی کمی نہیں وہیں ان کے عہد حکمرانی کو پاکستانی تاریخ کے سیاہ ترین دور سے یاد کرنے والوں کا بھی ایک ہجوم ہے جس طرح اپنی سحر انگیز شخصیت کی بدولت وہ پاکستانی عوام پر حکمرانی کرتے تھے اپنی جادوئی شخصیت کی بدولت وہ گوریوں کے دلوں پر راج کرتے تھے۔ وہ بھرپور مردانہ وجاہت کی حامل شخصیت کے مالک تھے۔ اپنی اس خوبی سے وہ خود بھی آگاہ تھے۔ ان کے دور اقتدار میں امریکہ میں دنیا کے سب سے خوبصورت حکمراں کے حوالے سے سروے ہوا تو وہ فیلڈ مارشل محمد ایوب خان ہی تھے جنہوں نے پہلا نمبر حاصل کیا۔

1962ء کی بات ہے کہ دنیا میں ایک خوبصورت حسینہ ماہ جبین کے تذکرے زبان زد عام تھے ہر مرد چسکے لے لے کر اس حسینہ کے قصے پڑھنے اور سننے میں اپنی دلچسپی کا اظہار کرتا۔

برطانیہ ہی نہیں دیگر ممالک کے حسن پرست افراد بھی کرسٹائن کیلر کی سحری ذلفوں کے اسیر تھے۔ حسینہ کے عاشقوں میں ایک نام مملکت خداداد پاکستان کے فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کا بھی تھا۔

بھرپور مردانہ وجاہت، دراز قد و قامت، سحر انگیز نقوش کے مالک محمد ایوب خان نہ صرف پاکستانی عوام کی خواہشات سے کھیلتے رہے بلکہ انہوں نے اپنی مردانگی اور جادوئی شخصیت کی بدولت درجنوں حسیناؤں کو اپنا دیوانہ بنا رکھا تھا۔ کرسٹائن کیلر کا نام توبہ شکن حسیناؤں میں سرفہرست ہے۔ کرسٹائن کیلر نے اپنے ایک بیان کے ذریعے سکینڈل کی تصدیق ہی نہیں کی بلکہ یہ بھی کہا کہ ایوب خان میرے ساتھ پیراکی کیا کرتے تھے، مجھے ان کے ساتھ پیراکی کرنے میں بڑا لطف آتا تھا وہ مجھے انگریزوں سے بڑھ کر انگریز لگے۔

برطانوی لارڈ آسٹر نے سرکردہ افراد کی جنسی تسکین کے لئے سوئمنگ پول پارٹی تشکیل دے رکھی تھی۔ کرسٹائن کیلر کے بقول صدر ایوب خان نے اس کے ساتھ لارڈ آسٹر کے ہاں سوئمنگ کی تھی۔ لارڈ آسٹر اپنے دوستوں کی راتوں کو رنگین بنانے کے لئے اہتمام سے محفلیں سجایا کرتا۔ سرکردہ افراد کی خرمستوں کا تذکرہ کرسٹائن کیلر نے اپنی کتاب میں بھی کیا۔ کرسٹائن کیلر کی سوانح حیات کا اردو ترجمہ پاکستان میں شائع ہوا تو کتاب ضبط کر لی گئی۔

اس حسینہ کو جب برطانوی فوٹو گرافر لیوس لورس نے کمال مہارت سے دنیا والوں کے سامنے پیش کیا تو حسیناؤں سے دلچسپی رکھنے والے مردوں کے منہ میں پانی بھر گیا۔ فوٹو گرافر نے دولت کے حصول کی خاطر نازنین کے مرمریں بدن کے عریاں حصوں کو کیمرے کی آنکھ کے ذریعے محفوظ کیا۔ قیامت خیز حسینہ کے عریاں فوٹو کو یورپ کے ہر بک سٹال نے اہتمام کے ساتھ سجایا۔ ایسا خوبصورت پوز کہ بڑے بڑے زاہدوں کے بھی دل ڈگمگا جائیں۔ ہوشربا تصویر نے عام عوام ہی نہیں یورپی ممالک کے پارلیمانی ایوانوں تک میں تہلکہ مچا دیا۔ کرنٹ مارتی حسینہ 18 سالہ کرسٹائن کیلر تھی جس نے سیاستدانوں سے اپنے روابط بڑھانے کے لئے کنزرویٹو پارٹی میں شمولیت اختیار کی اپنے مقصد میں وہ کامیاب ہوئی کیونکہ برطانوی وزیر جنگ پروفیومو سے اس کا عشق منظر عام پر آیا جب یہ انکشاف اخبارات کے ذریعے منظر عام پر آیا تو کرسٹائن کیلر نے یہ انکشاف کر کے عوام کو مزید حیران کر دیا کہ اس کے متعدد اراکین پارلیمنٹ کے ساتھ اسی قسم کے تعلقات ہیں جب اس انکشاف سے بہت زیادہ واویلا مچا تو اس نے اپنی ادائے دلربانہ سے کہا میں تو آزاد منش، روایات شکن لڑکی ہوں

معاملے کو دبا دیا گیا۔

صدر ایوب خان کے دور میں مثالی اقتصادی ترقی دیکھنے میں آئی قدرت اللہ شہاب کے بقول ایوب خان کو زمین بنانے کا شوق تھا "سیاست دانوں کی جبری نااہلیاں" نامی کتاب میں مصنف احمد سلیم نے لکھا کہ ایوب خان اور ان کا خاندان بدعنوانیوں کے شرمناک واقعات میں براہ راست ملوث تھا ایوب خان جب اقتدار سے الگ کئے گئے تو وہ بھاری دولت کے مالک تھے ایک غیر ملکی رپورٹ کے مطابق اس کی مالیت 20 بلین ڈالر سے زیادہ تھی الطاف گوہر جیسے ماہر میڈیا مین نے ایوب خان کا جو چہرہ عوام کے سامنے پیش کیا اس کے مطابق وہ پاکستان کے صلاح الدین ایوبی تھے۔ آج بھی ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو انہیں اسی اعزاز کا حق دار قرار دیتا ہے۔ دوسری طرف ایوب خان امریکی سی۔ آئی۔ اے کے ایجنٹ کے طور پر کام کرتے رہے۔ انہوں نے سی۔ آئی۔ اے سے خفیہ معاہدے کیے جن سے انہیں 9 لاکھ

ڈالر کی رقم ملی۔

ایوب خان نے اپنے بیٹے گوہر ایوب کو اختیارات سے تجاوز کرتے ہوئے بے پناہ نوازا۔ گوہر ایوب خان 1968 تک کئی اداروں کے چیئرمین ایم۔ ڈی اور ڈائریکٹر بن گئے۔ اروسہ انوسٹمنٹ لیمیٹڈ اروسہ انڈسٹری ہاشمی کمپنی، گندھارا انڈسٹری، گوہر حبیب لیمیٹڈ گندھارا جنرل اینڈ ٹریڈنگ کمپنی، جانانہ ڈی سالوچو ٹیکسٹائل ملز لیمیٹڈ وغیرہ شامل تھے۔ ایوب خان کی نوازشات کا سلسلہ ان کے دامادوں تک بھی جاری تھا۔

ایوب خان کے رعب کی بدولت بڑے بڑے اخبارات کی گھگھی بندھ جایا کرتی تھی۔ یوں ان کی ذاتی زندگی کے بہت سے گوشے عوام کے سامنے نہ آ سکے تمام تر سختیوں کے باوجود بھارتی خفیہ ایجنسی کی ایک اعلیٰ افسر شبانہ کے ساتھ ایوب خان کے خفیہ تعلقات عوام کے سامنے آئے۔ شبانہ ایوب خان کی گرل فرینڈ تھی۔ ان کی میڈیا ٹیم نے معاملے کو دبانے کی بہت کوشش کی مگر پھر بھی شبانہ اور ایوب خان کی لوسٹوری پاکستانی عوام تک پہنچی۔

urdunovels.net

"پنجاب اسمبلی کا ایم۔پی۔اے ہاسٹل"

پنجاب اسمبلی کے بارے میں پڑھ کر وہاں اراکین اسمبلی نہ صرف شراب پیتے ہیں بلکہ راتوں کو مجرے کی محفلیں سجاتے ہیں آپ دھوکہ نہ کھائیں کہ ہم "بازار حسن" کا تذکرہ کر رہے ہیں۔ طوائفیں باقاعدگی سے ایم۔پی۔اے ہاسٹل میں جاتی ہیں۔ راتوں کو وہ دن کو معزز کہلوانے والے اراکین اسمبلی کے بستروں کو گرم کرتیں نشہ کرنا تو وہاں روز کا معمول تھا اراکین اسمبلی ہاسٹل میں وہ اودھم مچاتے کہ ایک ایم۔پی۔اے حافظ اقبال خاکوانی کو کہنا پڑا کہ "ایم۔پی۔اے ہاسٹل میں اراکین اسمبلی شراب نوشی کرتے ہیں اور رات کو طوائفیں ہاسٹل میں آتی ہیں اس سے پہلے کہ امن و امان کا مسئلہ پیدا ہو سپیکر کو ایکشن لینا چاہئے۔"

شراب پر ملک میں پابندی ہے مگر پنجاب اسمبلی کے ایم۔پی۔اے ہاسٹل میں شراب کو پانی کی طرح نوش جان بنایا جاتا ایک موقع پر نشے میں دھت ایک ممبر نے تو یہاں تک کہا "طوائفیں ایم۔پی۔اے ہاسٹل نہیں آئیں گی تو اور کہاں جائیں گی" ہیرا منڈی کے ترجمان نے معزز ممبران کے منہ کو یہ کہہ کر بند کر دیا کہ "ہیرا منڈی میں ناچنے والی سرمایہ داروں، جاگیرداروں اور سیاست دانوں ہی کی اولاد ہیں" پنجاب اسمبلی کے ہاسٹل میں معزز کہلوانے والے ایسی ایسی حرمستیاں کرتے ہیں کہ جو سنتا ہے اس کا سر شرم سے جھک جاتا ہے مگر معزز کہلوانے والے ڈھیٹ بن کر جواب یہ دیتے ہیں کہ "مسکرانے لگتے ہیں"

عوام کا خون پی کر رنڈیوں کو نچانے میں سیاست دان اپنی مثال آپ ہیں چنبہ ہاؤس، پیپلز پارٹی، ایم پی اے ہاسٹل اور اسلام آباد کے ایم این اے ہاسٹل سے لے کر سرکاری مہمان خانوں تک تمام جگہوں پر کال گرلز کا راج رہتا ہے۔ اسمبلی کا اجلاس شروع ہونے کے ساتھ ہی گوشت کے بیوپاری باچھیں کھلی کر لیتے ہیں ان کے دھندے کا موسم شروع ہو گیا۔ کچھ حسینائیں ان جگہوں پر اپنے آپ کو رضاکارانہ پیش کرتی ہیں اور پھر ان خفیہ رضاکارانہ کاروائیوں کے عوض وہ اپنے بہت سے ناجائز کام نکلوانے میں کامیاب ہو جاتی ہیں۔ اراکین اسمبلی دوران اجلاس ہر روز نئی لڑکی کو اپنے بستر کی زینت بنا کر خوشی محسوس کرتے۔

"آصف علی زرداری"

بے نظیر بھٹو سے شادی کرنے سے قبل تک آصف علی زرداری کو بہت کم لوگ پہچانتے تھے۔ آصف علی زرداری جہاں "زر" پسند ہے وہیں وہ "زن" پسند بھی ہے دونوں کے بارے میں ان کی رائے یہ ہے کہ بہت زیادہ ہوں۔ کراچی میں وہ "بمبینو" نامی سینما کے مالک ہیں۔ بے نظیر بھٹو سے شادی کر کے وہ روپوں میں کھیلنے لگے۔ جن دنوں بے نظیر بھٹو وزیر اعظم تھیں آصف علی زرداری کا نام متعدد خواتین کے ساتھ لیا جانے لگا حالانکہ وہ شادی سے پہلے ہی سے کراچی میں پلے بوائے کے طور پر مشہور تھا اتنا ضرور ہوا کہ اس نے بے نظیر بھٹو کی وزارت عظمیٰ کی بدولت اپنی شہرت کو بحیثیت پلے بوائے کے کیش کرایا۔ بے نظیر بھٹو اپنے مرحوم باپ کے نام پر سیاست کرنے پاکستان آئی تھیں انہیں مشرقی معاشرے میں جینے کے لئے ایک عدد مرد کی ضرورت تھی چنانچہ قرعہ فال آصف علی زرداری کے نام نکلا۔ بھٹو خاندان کا داماد بنتے ہی آصف علی زرداری نے ایسے ایسے کارنامے دکھائے کہ بگڑے ہوئے کئی رئیس زادوں کو وہ پیچھے چھوڑ گیا۔

سابق مرد اول نے جہاں کرپشن اور بدعنوانیوں کے نئے نئے ریکارڈ قائم کئے وہیں اس نے میدان ہوس پرستی میں بھی سابق تمام سیاست دانوں اور حکمرانوں کو پیچھے چھوڑ دیا۔ تھوڑے ہی عرصے میں ہوس پرستی کے کھیل میں وہ وکٹری سٹینڈ پر کھڑا تھا۔ حوا کی بیٹی کی منڈی لگانے میں آصف علی زرداری کا نام اپنی مثال آپ ہے۔ ہوس پرستی کی تسکین کے لئے آصف علی زرداری نے اپنے ارد گرد دوستوں کا ایک خاص حلقہ ترتیب دے رکھا تھا۔ پاکستانی فلم انڈسٹری کی شاید ہی کوئی ہیروئین ایسی ہو جس سے آصف علی زرداری نے اپنی جنسی تسکین حاصل نہ کی ہو۔ معروف اداکاروں میں جن کے نام بہت مشہور ہوئے ہیں ریما، نیلی، میرا، مدیحہ شاہ، زینب، لیلیٰ، صائمہ، نرما اور لاشانہ شامل ہیں کئی دیگر ماڈل گرلز اور فنکارائیں بھی زرداری کے دل پر دستک دینے کے لئے ہروقت مائل بہ پرواز رہتیں۔ آصف علی زرداری اپنے رازوں کو چھپانے میں کسی کوتاہی کا مرتکب کم ہی ہوا ہے مگر پھر بھی اس کے عشق چھپائے نہ چھپے۔

فوزی کاظمی اور ناصر حسین شون کی خاص ذمہ داری تھی کہ وہ آصف علی زرداری کے لئے لڑکیوں کا انتظام کریں۔ ناصر حسین شون اداکاروں کو ٹیلی فون کر کے بلاتا اور اس طرح پیش کرتا جیسے کھانے کے لئے ہوٹلوں میں اعلیٰ ڈش پیش کی جاتی ہے۔ آصف علی زرداری کی چوکھٹ پر ملک بھر کی نائکائیں اور حسن و جوانیاں فروخت کرنے والے سپلائیرز ہروقت موجود رہتے۔ گوشت کے کھلونے فروخت کرنے والے گروہ کا سرغنہ ڈاکٹر اعظم بیگ تھا جو معروف گلوکارہ نازیہ حسن (مرحومہ) کے شوہر اشتیاق بیگ کا بھائی ہے۔ اعظم بیگ کو بے نظیر بھٹو کی حکومت ختم ہوتے ہی گرفتار کر لیا گیا۔ دوران حراست اس نے بتایا کہ وہ لاہور، کراچی اور اسلام آباد سے تعلق رکھنے والی معروف نائیکاؤں کے ذریعے آصف علی زرداری اور ان کے خاص دوستوں کو خوبصورت چہرے فراہم کرنے کا کام کیا کرتا تھا۔ اعظم بیگ نے جن نائیکاؤں کے نام لئے ان میں لاہور کی مسز شمیم، شیراں، مسز سیما اسلام آباد کی ثریا خانم اور کراچی کی مسز اقبال یوسف ہیں جبکہ لاہور اسلام آباد کے دو نوجوانوں عدنان اور کاشف راجہ سے بھی یہی کام لیا جاتا رہا۔ آصف زرداری کو لڑکیاں سپلائی کرنے والے اعظم بیگ اور اس کے گروپ کے بارے میں یہ بھی انکشاف ہوا کہ وہ اپنا کام ماڈلنگ اور فیشن شو وغیرہ کے ذریعے کرتے جب خوبصورت تتلیاں ان کے جال میں پھنس جاتیں تو وہ انہیں بڑے لوگوں کے حضور پیش کر دیتے۔

بے نظیر بھٹو اور آصف علی زرداری کے بیرونی دورے سے چند روز قبل اداکارائیں اور خوبصورت لڑکیاں ان ممالک میں پہنچ جاتیں آصف علی زرداری بے نظیر بھٹو کے وفد سے اچانک علیحدہ ہو کر ان خواتین کے پاس پہنچ جاتے۔ بے نظیر بھٹو کے دور میں اداکارہ ریما کے پاسپورٹ پر ترکی برطانیہ اور امریکہ کے دوروں کے ویزے لگے۔ پاسپورٹ پر ریما کی تاریخ پیدائش 1971 اور والد کا نام ڈاکٹر اکمل درج تھا بے نظیر بھٹو کو آصف علی زرداری کی عیاشیوں کا کوئی علم نہیں تھا۔ ریما کے عشق نے ارب پتی بزنس مین ناصر حسین شون کی راتوں کی نیندیں اڑا دی تھیں۔ ناصر حسین کی ہوس پرستی نے اس کی نیک پرہیزگار بیوی فرح ناصر، دو بیٹیوں اور دو بیٹوں کو دربدر کر کے ان کی زندگی جہنم بنا دی۔ تقریباً" تمام ہیروئنیں ناصر حسین شون پر اپنا حق جتاتی تھیں لیکن ناصر حسین کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ خود صرف ریما کے عشق میں گرفتار تھا باقی اداکارائیں اس نے دوستوں کو دوستی نبھانے اور اسے مضبوط کرنے کے لئے رکھی تھیں۔ ریما کے عشق نے ناصر حسین کو اتنا دیوانہ بنا دیا تھا کہ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ وہ اپنی بیوی فرح حسین کو طلاق دینے پر تل گیا۔ ناصر حسین ہروقت ریما کے ساتھ رہنے لگا۔ ریما کے عشق میں وہ اپنے بیوی بچوں سے لاتعلق ہو گیا تو ناصر حسین کی بیوی نے ایک بزرگ سے رابطہ کیا تو انہوں نے بتایا کہ ریما نے ملتان کے ایک عامل کے ذریعے ناصر حسین پر کالا جادو کیا ہوا ہے۔

ناصر حسین تحفے کے طور پر ہیروئنوں کو اپنے خاص دوستوں کے پاس بھیجا کرتا چنانچہ ہیروئنیں اس کی فقط ایک کال پر شوٹنگ تک چھوڑ کر اس کے پاس پہنچ جاتیں۔

آصف علی زرداری اسلام آباد سے نکلتا تو لاہور سیدھا چیف سیکرٹری کی بیٹی کے پاس پہنچ جاتا وہاں سے اس کا دل بھرتا تو وہ کراچی کی زیبا حیات کے پاس غم غلط کرنے پہنچ جاتا۔ لاہور کے چیف سیکرٹری اسلم حیات قریشی کی بیٹی ثانیہ قریشی زرداری کی غیر مصدقہ بیوی ہے۔

آصف علی زرداری نے دوسروں کے گھروں ہی کو تباہ و برباد نہیں کیا بلکہ ان کے عاشقانہ کھیل کی بدولت ان کی گھریلو زندگی میں بھی لڑائی جھگڑے پیدا ہوئے۔ بے نظیر بھٹو کے کئی خیر خواہ انہیں آصف علی زرداری کی غیر اخلاقی سرگرمیوں سے آگاہ کرتے رہتے تھے لیکن بینظیر یہ جواب دیتی "کیا ہوا جو آصف لڑکیوں میں اٹھتا بیٹھتا ہے بڑے خاندانوں کے مرد یونہی زندگی بسر کرتے ہیں" حالانکہ زرداری کی غیر اخلاقی حرکات کی وجہ سے ان کے دماغ پر

خوف اور وسوسہ بیٹھ چکا تھا۔ تحریک نجات کی نظروں میں پاکباز و پارسا رہنے کے لئے زرداری خفیہ کارنامے خاص طور پر چھپ چھپا کر سرانجام دیتا۔

آصف علی زرداری کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ جہاں یاروں کے یار ہیں وہ وہیں دشمنی میں تمام حدود پھلانگ جایا کرتے تھے۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جا سکتا ہے جس کا انکشاف جعلی کرنسی سکینڈل میں گرفتار ہونے والے ٹھگ رانا بہادر نے پولیس کی حراست میں کیا۔ رانا بہادر کے بقول ریما سے اس کے تعلقات زرداری کی وجہ سے خراب ہوئے ایک موقع پر آصف زرداری نے ریما کو ڈیڑھ لاکھ کے ریٹ کے برعکس 3 لاکھ میں بک کیا تو میرے لئے یہ غیرت کا مسئلہ بن گیا اور میں نے ساڑھے چار لاکھ روپے دے کر ریما کو اسلام آباد جانے سے روک دیا۔ اس بات کی خبر آصف علی زرداری تک پہنچی تو وہ میری جان کا دشمن بن گیا اور مجھ پر قاتلانہ حملے بھی کروائے۔

ہمارے مذہب میں شراب کی ممانعت اور زنا حرام کا درجہ رکھتا ہے مگر مرد اول جیسے افراد ان جرائم کا ارتکاب سرعام کرتے ہیں جو اسلامی ملک کی بدنامی کا باعث بن رہے ہیں۔ زرداری کی شکل میں ملک میں درجنوں عیاش موجود ہیں۔ نواز شریف کی نظر میں ہر چیز کی قیمت ہوتی ہے۔ زرداری نے اپنے عمل سے اسے ثابت کیا۔ درجنوں حسینوں کی عصمتوں کو اس نے خرید کر شرافت کے لبادے میں اس نے وہ گھناؤنا کھیل کھیلا جس کے اصول و ضابطے سارے اس نے خود مقرر کر رکھے تھے۔

زرداری کا جواشغل سے کھیلنے کے علاوہ گھوڑے پالنا اور ان کی ریسوں کا انعقاد کرنا بھی من بھاتا مشغلہ ہے۔ اس کے گھوڑے قیمتی خوراک کھاتے تھے وزیر اعظم ہاؤس کے ائیر کنڈیشنڈ کمروں میں انہیں ٹھہرایا جاتا۔ جیلی جام اور بادام اس ملک کے مرد اول کے گھوڑوں کی خوراک تھی جس کے غریبوں کو ایک وقت کی روٹی بھی میسر نہیں۔ ہر خوبصورت تتلی کو زرداری اپنی بانہوں میں اٹھا کر سرور و مستی میں رقصاں کا عادی تھا۔ زرداری میں موجود مردانہ حسن اس کی مونچھوں کی بدولت حسیناؤں کو انگلیاں چبانے پر مجبور کر دیتا اس کا علم زرداری کو اس وقت ہوا جب اس نے مرتضیٰ بھٹو کے قتل کے بعد اپنی مونچھیں منڈا دی تھیں چنانچہ مارکیٹ ویلیو کو گھٹتا ہوا دیکھ کر اس نے دوبارہ مونچھیں رکھ لیں۔

"خان لیاقت علی خان"

پاکستان کا پہلا وزیر اعظم ہونے کا اعزاز خان لیاقت علی خان کو حاصل ہے۔ قائد اعظم کے قریبی ساتھی تھے۔ تقریباً" تمام وزرائے اعظم کی طرح خان لیاقت علی خان نے بھی اپنی ٹرم پوری نہ کی۔ ان کی رخصت بذریعہ بلٹ ہوئی۔ بلٹ کے ذریعے ہماری حکومتیں منتخب تو ہوتی رہی ہیں۔ البتہ بلٹ کے ذریعے رخصتی بہت کم کو نصیب ہوئی۔ خان لیاقت علی خان خوش نصیب وزیر اعظم ہیں کہ انہیں آج بھی اچھے لفظوں میں یاد کیا جاتا ہے۔ اس زمانے میں ہمارے سیاست دان تقریباً" شریف تھے۔ مالی کرپشن کے الزام لیاقت علی خان پر نہ لگے میدان عشق میں بھی انہوں نے کچھ زیادہ سرگرمی نہ دکھائی۔ وہ فقط رعنا تک ہی محدود رہے۔

بیگم رعنا لیاقت علی خان اپنے زمانے کی خوبصورت ترین عورت تھی وہ سوشل ورکر تھیں۔ خان لیاقت علی خان نے بیگم رعنا لیاقت علی خان سے محبت کر کے اپنے آپ کو میدان محبت کے کھلاڑیوں کی صف میں کھڑا کیا۔ ان کی محبت کا قصہ یوں ہے کہ بیگم رعنا لیاقت علی خان بحیثیت سوشل ورکر ایک تقریب میں کسی امدادی پروگرام کے ٹکٹ فروخت کر رہی تھیں۔ رعنا دوسروں کو تو ایک ایک ٹکٹ فروخت کر رہی تھیں البتہ لیاقت علی خان کو انہوں نے دو ٹکٹ فروخت کئے جیسں سے رعنا لیاقت علی خان کے دل کو بھا گئی۔ رعنا اپنے حسن کی وجہ سے تقاریب میں قیامت ڈھایا کرتی تھی۔ خان لیاقت علی خان رعنا کی زلفوں کے عاشق بن کر اس کی زلفوں کی چھاؤں میں سکون محسوس کرنے لگے۔ بیگم رعنا لیاقت علی خان اپوا کی اہم خواتین میں سے تھی۔ سماجی کاموں کی آڑ میں اپوا نے کچھ ایسے گل کھلائے تھے جو پاکستان کے مسلم معاشرے سے میل نہ کھاتے تھے۔ اپوا کے بارے میں اس وقت لوگوں کی رائے وہی کچھ تھی جو آج کل این جی اوز کی خواتین کے بارے میں ہے۔ اپوا کی اہم رکن بن کر رعنا نے خان لیاقت علی خان کو شکار کر لیا تھا۔

"سکندر مرزا"

سکندر مرزا کو پاکستان کا پہلا صدر بننے کا اعزاز حاصل ہے۔ حسیناؤں کے آگے پیچھے چلنا سکندر مرزا کو پسند تھا اپنی اس قسم کی چال سے وہ اپنے دل کی ورزش کا اہتمام کیا کرتے تھے۔ غیر ملکی حسیناؤں کے آگے دل ہارنے میں سکندر مرزا خاصی شہرت رکھتے تھے وہ حکومت پاکستان کے ڈیفنس سیکرٹری تھے کہ ایرانی سفارت کار کی بیوی کے عشق میں مبتلا ہو گئے۔ ناہید اور سکندر اکثر چوری چھپے ملاقاتیں کرنے لگے۔ دونوں کا دل وقفوں وقفوں کی ملاقاتوں سے نہ بھرا چنانچہ دونوں نے شادی کرنے کا ارادہ کیا۔ ناہید حسین ہونے کے ساتھ ساتھ مردوں کو پھانسنے میں بازار حسن کی حسیناؤں سے بھی بہت آگے تھیں۔ ان کی موت فطری ہوئی مگر ان کے خون میں شراب کے اجزاء شامل تھے۔ شادی سے قبل ایک دفعہ ناہید سکندر مرزا کو اپنے فلیٹ پر لے گئی۔ وہاں دونوں نے بغیر کسی رکاوٹ کے پیار کا کھیل کھیلا۔ سکندر مرزا شراب کا عادی تھا اس نے ناہید کو بھی شراب سمجھا وہ اس کے لبوں سے شراب کا سا نشہ حاصل کیا کرتا تھا اس رات بھی اس نے جی بھر کر ناہید کے شراب سے اپنی پیاس بجھائی۔ تمام رات سکندر مرزا نے ناہید کے ساتھ بسر کی ناہید نے اپنے ہاتھوں سکندر مرزا کے لئے آملیٹ بنایا۔ وہ آملیٹ انہیں اتنا پسند آیا کہ انہوں نے خوش ہو کر ناہید کو پانچ لاکھ کا چیک دیا وہ اپنی نجی ملاقاتوں میں اس آملیٹ کا اکثر ذکر کیا کرتے۔ ناہید سے شادی سکندر مرزا کے لئے بڑی برکت والی ثابت ہوئی کیونکہ شادی کرتے ہی وہ ترقی کی منازل طے کرتے ہوئے گورنر جنرل کے عہدے پر جا پہنچے وہ گورنر جنرل بنے تو سارے کام ناہید کیا کرتی تھی۔ ناہید نے گورنر جنرل غلام محمد کی محبوبہ روتھ بورل کو ملازمت سے فارغ کروایا اور سکندر مرزا کے پرائیویٹ سیکرٹری کے طور پر کام کرنے لگی۔ نجی تقاریب میں سکندر مرزا خوشی سے رقص کیا کرتے تھے۔ مد مقابل کوئی لڑکی ہوتی تو انہیں بے پناہ لطف آتا مگر ناہید نے ان کی کڑی نگرانی رکھی چنانچہ وہ اپنی خواہش چھپ چھپا کر پوری کیا کرتے۔ انہیں شراب نوشی کی وجہ سے چلتی پھرتی شراب کی دوکان کہا جاتا تھا۔

"محمد علی بوگرہ"

پاکستان کے سابق وزیر اعظم محمد علی بوگرہ محبت کے کھیل میں ایک نمایاں مقام کے مالک تھے۔ قریب سے جاننے والے انہیں "پلے بوائے" قرار دیا کرتے۔ رنگین مزاجی کی بدولت حسیناؤں میں ان کی خاصی مارکیٹ تھی جسے وہ اکثر کیش کیا کراتے۔ وزیر اعظم بننے سے قبل وہ شادی شدہ تھے مگر عادات کے ہاتھوں مجبور تھے۔ چنانچہ وزیر اعظم بن کر انہوں ایک لبنانی حسینہ کو اپنے آفس میں سوشل سیکرٹری کے عہدہ پر تعینات کیا۔ حسینہ کو ملازمت دیکر انہوں نے اپنے قریب کیا اور یہ قربت تھوڑے ہی عرصے میں شادی تک جا پہنچی۔ کراچی کے ہفت روزہ "مسلمان" نے شادی کی تفصیلات شائع کیں جس کی پاداش میں ہفت روزہ کو جبری طور پر بند کر دیا گیا رسالہ بند کرنے والے سید ہاشم رضا تھے۔ رسالے نے محمد علی بوگرہ کی زندگی کے خفیہ گوشے بے نقاب کئے۔ رسالے کی خبر شائع ہونے کے ایک ماہ بعد محمد علی بوگرہ کی نجی سیکرٹری سے شادی کی خبر منظر عام پر آگئی۔ مگر بعد محمد علی بوگرہ کی زندگی کے خفیہ گوشوں کو بے نقاب کرنے کی سزا ختم نہ ہوا۔ اپوا کی خواتین نے اس شادی پر خوب واویلا مچایا مگر ان کا احتجاج صدا بصحرا ثابت ہوا۔ اپوا نے اس مسئلے پر پہلی بیوی کی موجودگی میں دوسری شادی اور وہ بھی اجازت کے بغیر پر علماء کرام سے تعاون حاصل کرنا چاہا مگر انہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اپوا کی خواتین کو علماء نے صاف صاف جواب دیا۔ دوسری جانب دیکھئے اپوا کی خواتین محمد علی بوگرہ کی شادی پر احتجاج کرنا چاہتی تھیں جبکہ اپوا ہی ایک سرگرم رکن رعنا کی رعنائیوں کا شکار ہو کر خان لیاقت علی خان نے رعنا سے شادی رچائی تھی۔ اپوا کی خواتین کو رعنا کا سوکن بننا برا نہ لگا یہ وہی صورت ہوئی جہاں معاملہ اپنوں کا وہاں سب کچھ جائز بصورت دیگر حقوق نسواں کی علمبردار اپوا دوسری شادی کو عورت کے ساتھ زیادتی قرار دیتے نہ تھکتی۔

urdunovels.net

"الٰہی بخش سومرو"

الٰہی بخش سومرو قومی اسمبلی کے سپیکر ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے بہادر بھی ہیں کیونکہ وہ دل کی بات لبوں تک لانے ہی سے نہیں ڈرتے بلکہ پاگل دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اپنی محبوبہ کو سرعام گلے بھی لگا لیتے ہیں۔ فحش ترین لوگ بھی سرعام اپنی حرکات سے اجتناب برتتے ہیں مگر الٰہی بخش سومرو نے فحش ترین لوگوں کو شرماتے ہوئے یہ کیا کہ ایک نوجوان مصورہ کو سرعام گلے لگایا۔ اخبارات نے ان کی تصویر کو اہتمام کے ساتھ شائع کیا۔ تصویر شائع ہونے پر الٰہی بخش سومرو نہ تو نادم ہوئے نہ ہی انہوں نے قوم سے معافی مانگی۔ ان کے "سرعام" آ سینے نال لگ جا ٹھاہ کر کے" سے قوم کا سر شرم سے جھک گیا۔ وہ قومی اسمبلی کے سپیکر تھے ان کے اس فعل سے پورے ایوان کا وقار مجروح ہوا۔

ایک نوجوان اور خوبصورت مصورہ سے دن کی روشنی میں لوگوں کے سامنے گلے ملنا پاکستان جیسے ملک میں جو اسلام کے نام پر قائم کیا گیا انوکھی بات تھی۔ الٰہی بخش کے لئے نوجوان عورت کو سینے سے لگانا معمول کی بات تھی۔ حکومتی حلقوں نے اس تصویر پر اپنے سپیکر کی سرزنش نہ کی وجہ اس کی یہ تھی کہ اس حمام میں اکیلے الٰہی بخش ہی ننگے نہ تھے بلکہ سارے رقص کر رہے تھے اتنا ضرور ہے کہ کچھ عریاں تو کچھ نیم عریاں رقصاں تھے۔

اپوزیشن کی پارٹیوں نے الٰہی بخش سومرو کے خوب لتے لئے۔ علماء کرام نے بھی احتجاج میں آواز بلند کی۔ جمعیت علماء اسلام کے مرکزی رہنما حافظ حسین احمد نے تو یہاں تک کہا کہ "یہ تصویر سورج کی روشنی میں الٰہی بخش سومرو کی تھی قوم سوچے نیم تاریک کمروں میں کیا کچھ ہوتا ہوگا" اس مختصر بیان میں الٰہی بخش سومرو سے بہت سے سوالات پوچھے گئے۔ جاگیردار خاندان کے لوگوں کے لئے عاشقی باعث بدنامی نہیں بلکہ نیک نامی کا درجہ رکھتی ہے۔

"جاوید ہاشمی"

طالب علم لیڈر کے طور پر میدان سیاست میں وارد ہوئے۔ اسلامی جمعیت کے پلیٹ فارم سے سیاست کا آغاز کرنے والا نوجوان نواز شریف کی مسلم لیگ میں شامل ہوا۔ غلام مصطفیٰ کھر بطور پنجاب کے گورنر کے طور پر بہت زیادہ مشہور ہوئے اس زمانے میں جاوید ہاشمی کا جادو طلباء یونین میں سر چڑھ کر بولا کرتا۔ نواز شریف کا ہمدم وزیر اعظم بنے تو جاوید ہاشمی نے ان کا بھرپور ساتھ دیا جس کی پاداش میں انہیں جیل کی ہوا بھی کھانی نصیب ہوئی نواز شریف پاکستان سے سعودی عرب جلاوطن کئے گئے تو جاتے جاتے انہوں نے جاوید ہاشمی کو اپنا قائم مقام بنایا۔

سیاسی طور پر ہی انہوں نے نام نہ کمایا بلکہ نجی زندگی میں بھی ان کے کارنامے کالی سیاہی سے لکھنے کے قابل ہیں۔ ان کے بارے میں پتہ چلا کہ ایک خاتون حصول ملازمت کے لئے ان کے پاس گئی تو جاوید ہاشمی کی شیطانی رگ جاگ اٹھی اور پھر وہی ہوا جو نہیں ہونا چاہئے تھا خواتین ان کے پاس اپنی بے بسی و غربت کا رونا رونے جاتیں دفتر سے باہر نکلتیں تو عزت کے لٹ جانے کا رونا رو رہی ہوتیں۔ خواتین کو وہ خاص طور پر اپنے پاس بلایا کرتے ان کی باتیں انہماک سے سنتے۔ گھریلو پریشانیاں ہمدردانہ طریقے سے سنتے جس کے بعد لڑکی کی ہمدردی میں دو چار بول بولتے اس کی ہمت کی تعریف کرتے اپنے آپ کو اس کا ہمدرد و غم گسار بناتے جب لڑکی جال میں پھنس جاتی تو جاوید ہاشمی جو اپنے آپ کو غیرتوں کا محافظ بتاتے کی غیرت گھاس چرنے چلی جاتی اس قسم کا ایک قصہ اخبارات کی زینت بھی بنا۔ مخصوص دوا "ویاگرا" کے نام سے انہوں نے خاصی شہرت پائی تھی۔ وہ ویاگرا وزیر کے طور پر مشہور ہوئے وہ اپنے خاص دوستوں میں ویاگرا گولیوں کے سمپل بھیجا کرتے۔ مخصوص لمحات کو طویل کرنے میں ویاگرا کو انہوں نے اپنی ذات پر ٹیسٹ کیا وہ اپنا ذاتی تجربہ نجی محفلوں میں چسکے لے لے کر بیان کیا کرتے۔ پارلیمانی مجروں کے حمام میں جاوید ہاشمی بھی عریاں رقص کناں ہیں۔

"چوہدری نثار علی خان"

جیسی نیک شہرت نواز شریف کی تھی ان کے ساتھی بھی اسی قسم کی شہرت کے مالک تھے۔ شیخ رشید ہی نہیں ان کی کچن کیبنٹ کے اہم رکن چوہدری نثار علی بھی جی بھر کر دل پشوریاں کیا کرتے تھے۔ مگر وہ عوام کی نظروں سے بچے رہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ معاملات کمال ہوشیاری سے سرانجام دیا کرتے۔ جن دنوں شیخ رشید اور اعظم ہوتی کی خفیہ بیویوں کے سکینڈل منظر عام پر آئے انہی دنوں ایک خاتون صائمہ سامنے آئی اور اس نے چوہدری نثار علی خان کے چہرے سے شرافت کا ماسک اتارتے ہوئے کہا وفاقی وزیر نے مجھے ملازمت دینے کا وعدہ کرکے اپنے پاس بلایا تو وہاں اس نے میری عزت زبردستی لوٹی۔ صائمہ نے چوہدری نثار کی نام نہاد شرافت کا یوں پول چوراہے میں کھولا۔ یہ داستان جہاں انتہائی شرمناک ہے وہیں اس میں عزتوں کے محافظوں کا اصلی چہرہ ہمیں دیکھنے کو ملا۔ چوہدری نثار نے صائمہ کے الزام کی نہ تو تردید نہ ہی تصدیق کی۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ اتنا بڑا ذمہ دار شخص فوراً بات کی وضاحت کرتا۔ معنی خیز خاموشی سے دال میں کچھ کالا دکھائی دیا۔ اس سے یہی ثابت ہوا کہ چوہدری نثار اپنے قبیلے کے دیگر جنسی بھیڑیوں جیسا ہی تھا۔

خوبصورت حسیناؤں کو دیکھ کر چوہدری صاحب کے منہ میں پانی بھر جایا کرتا۔ معروف گلوکار نازیہ حسن کے عشق میں بھی چوہدری صاحب گرفتار ہوئے تھے انہوں نے نازیہ حسن کو ہیرے کی انگوٹھی کا تحفہ بھی دیا تھا۔ بات بہت آگے تک بڑھی کہ نازیہ اور چوہدری کی شادی کے چرچے زبان زد عام کا موضوع بنے۔ اس وقت یہ مشہور کیا گیا کہ چوہدری نثار کے اپنی بیوی سے تعلقات خراب ہیں اور وہ میکے جا چکی ہے۔ یہ ڈرامہ بھی نازیہ حسن کے دل کو موم نہ کر سکا اور وہ کسی اور کی ہو گئی۔

سیاست دانوں کے نام نہاد پاکیزہ کردار کی تصویریں ہم سے بہت کچھ سوال کرتی ہیں۔ اخلاقیات نام کی کوئی چیز ان کے پاس نہیں ہر روپ میں حسن پرستی اور عیش پسندی کا بہروپ بھرا پڑا ہے۔

"منظور وٹو"

وزیر اعلیٰ منظور وٹو طویل عرصہ اقتدار میں رہے۔ بلیک میلنگ کے فن میں ماہر تھے۔ نواز شریف اور بے نظیر بھٹو دونوں اس کی بلیک میلنگ کا شکار ہوئے اقلیت میں ہونے کے باوجود وہ پنجاب کے وزیر اعلیٰ بنے اور پھر اکثریت کو اپنے اشاروں پر نچواتے رہے۔ قومی خزانے کو ریوڑیاں سمجھ کر اپنوں میں بانٹا۔ اپنی مالی پوزیشن میں اختیار سے تجاوز کرکے بے پناہ اضافہ کیا۔ صدر غلام اسحاق خان کی شہہ پر متعدد بار پنجاب اسمبلی توڑی۔ عدالت اسمبلی بحال کرتی منظور وٹو اسے سانس نہ لینے دیتے۔ منظور وٹو کو وزیر اعلیٰ ہاؤس سے نکلوانے میں نہ تو نواز شریف اور نہ ہی پرویز الٰہی کو کامیابی حاصل ہوئی۔

احتساب بیورو والوں نے ان کے گرد شکنجہ کسا تو موصوف نے ثابت کیا کہ وہ مضبوط اعصاب کے مالک ہیں۔ سیاست کے بہترین کھلاڑی تھے اپنے پتے سوچ سمجھ کر کھیلا کرتے یہی وجہ ہے کہ بہت کم ہار ان کا مقدر بنی۔ چوہدری حامد ناصر چٹھہ کی بدولت وزیر اعلیٰ پنجاب بنے سیاست کو کاروبار بنانے میں منظور وٹو کا بھی ہاتھ ہے۔ انہیں معزز ممبران اسمبلی کی خفیہ کارروائیوں کی پل پل کی خبر ہوتی مگر وہ ان کی سرزنش نہ کیا کرتے اس کی کوئی وجہ ہوگی۔

حسیناؤں کے ساتھ منظور وٹو کا بھی نام لیا گیا تصدیق کرنی چاہی تو وہ مسکرا دیے۔ مسکراہٹ کا مطلب آپ اچھی طرح سمجھتے ہیں۔

"قصہ چابیاں بدلنے کا"

ہفت روزہ زندگی نے اپنی اشاعت 27 اکتوبر 1977ء "قصہ چابیوں کے بدلنے کا" میں شرفاء کے رونگٹے کھڑے کر دینے والا انکشاف کیا۔ اس نے عوامی دور حکومت میں وزرا کی عیش پسندیوں کے تذکرے میں لکھا پیپلز پارٹی کی ورکر عورتیں نوخیز لڑکیوں کو کالج میں داخلہ دلوانے یا ملازمت دلوانے کے بہانے اپنے حسن پرست وزیروں کے حضور پیش کرتیں اگر چہرہ وزیر کو پسند آ جاتا تو موصوف گھر پر یا کسی اور جگہ پر وقت دے دیتا اور وہاں ان کی زبردستی عصمت لوٹی جاتی۔ آبرو لٹانے کے بعد وہ چپ چاپ گھروں کو لوٹ جاتیں گھر والوں اور دنیا والوں کے خوف سے وہ منہ نہ کھولتیں۔ اسی زمانے کا ذکر کرتے ہوئے رسالے نے مزید لکھا کہ وزیروں میں باقاعدہ مقابلہ ہوتا کہ اس نے کتنی کم سن لڑکیوں سے لطف اٹھایا ہے۔ رسالے نے اپنی اشاعت میں "کی کلب" پر سے پردہ اٹھاتے ہوئے لکھا "کی کلب" کئی ادوار سے گزرا پہلے دور میں کی ممبر اپنے ساتھ ایک لڑکی لایا کرتا جو عام طور پر غیر مسلم ہوتی۔ کاروں کی چابیوں کے ذریعے اپنے اپنے پارٹنر کا انتخاب ہوتا اور پھر کاروں پر بیٹھ کر ممبران اپنا اپنا پارٹنر لے کر چلے جاتے۔ بھٹو کے دور حکومت میں کی کلب نے بعد ازاں بہت زیادہ ترقی کی کاروں کی چابیوں سے ہوتا ہوا سلسلہ کمروں کی چابیوں تک جا پہنچا۔ لڑکیوں کو چار بنگلوں میں مخصوص کمروں میں ٹھہرایا جاتا یہ بنگلے ڈیفنس ہاؤسنگ سوسائٹی۔ کلفٹن شہید ملت روڈ اور مزار قائد اعظم کے پاس واقع تھے۔ شیطانی کھیل کے آغاز میں کمروں کی چابیوں کی قرعہ اندازی ہوتی اور اپنی اپنی چابی لے کر ممبران شیطانی کھیل کھیلنے کے لئے چل پڑتے۔ "کی کلب" کے بارے میں رسالے نے مزید لکھا "کی کلب" کو دو درجوں میں تقسیم کیا گیا اول درجے میں وفاقی وزرا اور ان کے احباب شریک ہوتے دوسرے درجے میں صوبائی وزرا' افسران' تاجر اور بڑے بڑے سرمایہ دار شامل تھے۔ کی کلب نے عوامی دور میں عیاشی کے معاملے میں بے پناہ شہرت اختیار کی۔ اتنی زیادہ کہ حسینائیں کم پڑ گئیں ایسے میں "کی کلب" چلانے والوں نے شوقین فنکاراؤں کو کی کلب کی راہ دکھلائی ایسی فنکارائیں جو شوقیہ ٹی وی۔ ریڈیو میں کام کرنے آتیں "کی کلب" والے انہیں پھانس لیتے آخر وقت تک "کی کلب" اور عوامی دور حکومت لازم و ملزوم رہے۔

"غلام مصطفیٰ کھر"

غلام مصطفیٰ کھر نے اپنے سیاسی کیریئر کی ابتدا 1964ء میں ایوب خان کے دور میں ممبر قومی اسمبلی بن کر کی۔ اس وقت ان کی عمر ابھی کوئی 25 برس تھی۔ اوائل عمری ہی سے وہ کھلنڈرے مزاج کے نوجوان مشہور تھے۔ عاشق مزاجی جاگیر دار خاندان سے ہونے کی وجہ سے انہیں وراثت میں ملی۔ لڑکیوں سے تعلقات قائم کرنے کے معاملے میں وہ بڑے بدنام تھے اس زمانے میں ایک مشہور سیاسی شخصیت نے کہا تھا کہ "میں کبھی بھی اپنی بیوی اور بیٹی کا تعارف مصطفیٰ کھر سے کرانا پسند نہیں کروں گا" پاکستان کے سب سے بڑے صوبے پنجاب کے گورنر بنے اس زمانے میں کھر صاحب کی عاشقانہ مصروفیات کے باعث گورنر ہاؤس کافی مشہور ہوا۔ کھر سے شرفاء ڈرنے لگے۔ وہ اپنی نوجوان بہنوں اور بیٹیوں کو کالج یونیورسٹی بھیجنے سے ڈرتے اس زمانے میں کھر صاحب کی رنگین مزاجی کو مہمیز کرنے کے لئے ان کے کارندے راہ چلتی کالج کی خوبرو اور نوجوان لڑکیوں کو اٹھا لیا کرتے تھے اور انہیں مجبور"

گورنر ہاؤس کے عیش کدے کی زینت بناتے۔ عیش پرست گورنر ملک غلام مصطفیٰ کھر نے پنجاب کی عزتوں کو سر عام نیلام کیا۔ خوبصورت چہرہ نوجوان مصطفیٰ کھر کی مجبوری تھی۔ جو چہرہ اسے پسند آجاتا وہ زمین کی گہرائی میں بھی نہ چھپ سکتا۔ کھر کے جنسی درندگی کے کارندے اسے تلاش کرنے میں کامیاب ہو جاتے۔

اخلاقی پستی کا اندازہ اس سے لگایئے کہ کھر رفیع مینشن لاہور کی مالکہ کی ایئر ہوسٹس بیٹی صفیہ عرف فردوس کے عشق میں بیمار ہوا اور نوبت شادی تک پہنچی یہ کھر کی دوسری باقاعدہ شادی تھی خفیہ کارروائیوں کا شمار ہی کیا۔ بعد ازاں دونوں میں طلاق ہو گئی اور صفیہ نے مصطفیٰ کھر کے بڑے بھائی مرتضیٰ کھر سے شادی کر لی۔ صفیہ گھاٹ گھاٹ کا پانی پینے کی عادی تھی مصطفیٰ کھر کی طرح اس نے بھی اپنی کارروائیاں جاری رکھیں اور اپنے شوہر کے بڑے بھائی مرتضیٰ کھر کو شکار کیا۔ صفیہ کو طلاق دینے کے بعد مصطفیٰ کھر بازار حسن کا باقاعدگی سے طواف کرتے رہے۔ صفیہ کے قصے کو تہمینہ کھر نے اپنی شہرہ آفاق کتاب مینڈھا سائیں میں لکھا ہے۔

لکھتی ہیں ________ ???

صفیہ کی بے وفائی کے بعد کھر اندر سے ٹوٹ گیا غم غلط کرنے کے لئے اس نے لاہور کے بازار حسن کو اپنا مسکن بنا لیا۔ یہیں اس کی ملاقات معروف رقاصہ نوبہار سے ہوئی۔ عاشق مزاج کھر نے نوبہار کو اپنے جال میں پھنسا لیا اور نوبت شادی پر پہنچ کر ختم ہوئی۔ کھر بازار حسن کی پریوں کو اپنے دام میں پھنسانے میں کامیاب ہو جاتا۔ کنواری لڑکیوں کے بجائے کھر شادی شدہ لڑکیوں سے تعلقات بنانے کو ترجیح دیتا۔

کھر خوبصورت لڑکیوں پر لٹو ہو کر اس کے گرد چکر لگانے لگتا دن رات وہ اپنی جنسی تسکین میں مصروف رہتا۔ گورنری کے زمانے میں غلام مصطفیٰ کھر پنجاب کے راجہ اندر بن گئے۔ ہیروئنوں کو وہ اپنی سرکاری گاڑی میں بٹھا کر گھوما کرتا۔ بازار حسن کی تتلیاں بلا روک ٹوک کے گورنر ہاؤس کے اندر جایا کرتیں۔

کھر اپنی ہوس پرستی میں انتہا درجے کی بے غیرتی کا مظاہرہ کیا کرتا وہ بیک وقت دو بہنوں کو اپنے حرم میں رکھتا اور اپنی ناجائز خواہشات کی تکمیل کرتا اس کی مثال فلم نگری کی دو بہنیں "زمرد" اور "ادا" ہیں وہ ماں بیٹی دونوں کے ساتھ عشق لڑانے سے بھی نہ ڈرتا۔

مشہور زمانہ جنرل رانی اور اس کی بیٹی اس کی مثال ہیں۔

تہمینہ کھر غلام مصطفیٰ کھر کی بیوی ہیں سب سے زیادہ مشہور ہوئی اس کے بقول کھر کی جنسی درندگی سے میری چھوٹی بہن بھی محفوظ نہ رہی۔

غلام مصطفیٰ کھر لڑکیوں سے تعلقات قائم کرنے کے بارے میں اس قدر بدنام ہو چکے ہیں کہ ایک مرتبہ مشہور سیاسی شخصیات نے کہا تھا کہ "میں بھی اپنی بیوی اور اپنی بیٹی کا تعارف مصطفیٰ کھر سے کرانا پسند نہیں کروں گا۔"

غلام مصطفیٰ کھر کی باقی کہانی اس کی محبوب بیگم تہمینہ درانی کی زبانی سنتے ہیں۔

تہمینہ کھر کے انکشافات

"امی کی خواہش تھی کہ رات میں انہیں کے پاس گزاروں۔ ان کے ہاں کچھ اور مہمان بھی ٹھہرے ہوئے تھے۔ ڈرائنگ روم میں ہمارے لئے بستر لگا دیا گیا۔ مجھے فوراً ہی نیند آ گئی۔ بڑی دیر بعد کہیں آدھی رات گئے مجھے لگا کہ کمرے میں کوئی ہے۔ مجھ پر ابھی تک سکون آور دواؤں کا خمار چڑھا ہوا تھا۔ یونہی سا یاد پڑتا ہے کہ مجھے ایک صورت دکھائی دی۔ مصطفیٰ اٹھ کر کمرے سے چلا گیا۔ مجھ پر نیند کا بڑا غلبہ تھا اور مجھے ٹھیک طرح کچھ علم نہ تھا کہ میں ہوں کہاں پر۔ میں دوبارہ سو گئی۔ خاصی دیر بعد میری آنکھ پھر کھلی۔ میں نے جیسے مصطفیٰ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ وہ بستر میں نہ تھا۔ بستر میں وہ جگہ، جہاں وہ لیٹا تھا، ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ مجھے یاد آیا کہ کمرے میں کوئی آیا تھا اور مصطفیٰ اٹھ کر چلا گیا تھا۔ کیوں چلا گیا تھا؟ یہ مجھے معلوم نہ تھا۔ میں گرتی پڑتی بستر سے اٹھی اور کمرے سے باہر نکل آئی۔ میں نے لڑکھڑاتی چال سے کچن کا رخ کیا۔ میرے دیکھتے دیکھتے ایک سایہ دوڑ کر سیڑھیاں چڑھا۔ مصطفیٰ، جس نے پورے کپڑے نہیں پہنے ہوئے تھے، تیزی سے قدم اٹھاتا میری طرف آیا۔ "تم باہر کیوں آ گئیں؟" اس کی آواز واضح طور پر کھسیائی ہوئی معلوم ہو رہی تھی۔ "میں تمہیں ڈھونڈ رہی تھی۔" "جا کے سو جاؤ۔ تمہیں اس حالت میں ادھر ادھر نہیں پھرنا چاہیے۔" میں اتنی تھکی ہوئی تھی کہ اس وقت پر الزام دھرنے کی نیت سے کسی قسم کی پوچھ گچھ نہ کر سکی۔ صبح مجھے زیادہ ہوش تھا۔ "رات کیا ہوا تھا؟ کوئی کمرے میں آیا تھا۔ کون آیا تھا؟" "اوہ وہ تو عدیلہ (تہمینہ کی چھوٹی بہن) آئی تھی۔" "عدیلہ؟" "ہاں" "اسے ایک

مشکل آ پڑی ہے۔ اس کا کسی ایرانی لڑکے سے میل جول ہے۔ اس میل جول کے حوالے سے اسے بعض مسائل کا سامنا ہے۔ اسے کچھ مشورہ چاہیے تھا۔ اس سلسلے میں وہ مجھ سے بات چیت کرنے آئی تھی۔ "اچھا؟" تم سو رہی تھیں۔ میں تمہاری نیند خراب نہ کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے اسے لے کر ناشتے کے کمرے میں چلا گیا۔ "تمہیں اس سے کہیں بات کرنا چاہیے تھی۔ آدھی رات گئے اس سے اکیلے میں باتیں کرنا تمہارے لئے نامناسب تھا۔ فرض کرو اس وقت میرے والد صاحب نیچے آ جاتے۔"

مصطفےٰ اپنی کہانی پر اڑا رہا۔ اس نے مجھے یقین دلا کر چھوڑا کہ عدیلہ کا واقعی کسی ایرانی لڑکے سے میل جول تھا اور وہ اس ضمن میں بات چیت کرنے کی خواہاں تھی۔ وہ مصطفےٰ پر اسے اپنا بڑا بھائی سمجھ کر اعتماد کرتی تھی۔ اور اپنی راز کی باتیں صرف اسی کو بتاتی تھی۔ وہ اسے صحیح مشورے دیتا رہے گا تاکہ عدیلہ کو نہ تو کوئی دکھ یا ضرر پہنچے اور نہ اس سے کوئی احمقانہ حرکت سرزد ہو۔ مصطفےٰ نے اب خاندان کی عزت آبرو کے محافظ کا کردار ادا کرنا شروع کر دیا تھا۔

مجھے تجسس ہوا کہ کمرے میں عدیلہ کی موجودگی پر منو (تہمینہ کھر کا بھائی) کو اعتراض کیوں تھا۔ واپس آ کر میں نے منو کو فون کیا۔ میں بہت گھبرائی ہوئی تھی۔ اس نے بات اگل دی۔ وہ دیکھ چکا تھا کہ مصطفےٰ نے عدیلہ کو سکول سے لیا اور دونوں کار میں بیٹھ کر چلے گئے۔ اسے یہ تو معلوم نہ تھا کہ وہ گئے کہاں تھے لیکن ان کی ملاقات تین گھنٹے جاری رہی تھی۔ میں دم بخود رہ گئی۔ منو نے بات جاری رکھی "جب آپ اور مصطفےٰ بھائی کمرے میں داخل ہوئے تو میں عدیلہ کو غور سے دیکھتی رہی۔ میں اس کا ردعمل دیکھنا چاہتی تھی۔ عدیلہ نے اس وقت جو کیلا لباس خاص طور پر زیب تن کیا تھا اس نے کپڑے تب بدلے تھے جب اسے خبر ملی تھی کہ آپ دونوں آ رہے ہیں۔"

میں فون ہاتھ میں لئے اس طرح کھڑی کی کھڑی رہ گئی جیسے مجھ میں جان ہی نہ ہو۔ میں جا کے مصطفےٰ سے دوبدو ہوئی۔ اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا اور پورے واقعے کی صداقت سے انکار کر دیا۔ کہنے لگا کہ یہ سب منو کے ضرورت سے زیادہ فعال تخیل کا کمال ہے۔ "بالکل فضول بات ہے یہ۔ میں نے کبھی عدیلہ

کو کہیں لے کر نہیں گیا۔" اس کی تردید کے بعد تفتیش کی گنجائش نہ رہی۔ میں پوری طرح قائل تو خیر کیا ہوتی البتہ مکمل بے بسی کے عالم میں اپنا سا منہ لے کر رہ گئی۔

اگلی صبح امی نے بدحواس ہو کر مجھے فون کیا۔ عدیلہ گھر سے بھاگ گئی تھی۔ کسی کو علم نہ تھا کہ وہ کہاں چلی گئی ہے۔ مصطفےٰ اس روز لورپول روانہ ہونے والا تھا۔ امی نے مدد کے لئے اس سے رجوع کیا۔ اس کے سوا وہ کسی پر بھروسہ نہ کر سکتی تھیں۔ وہ سہمی ہوئی تھیں کہ بات بڑھتے بڑھتے کہیں سکینڈل کی شکل اختیار نہ کر لے اور انہوں نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ اپنی بیٹی کی نامعقول حرکت پر پردہ ڈال کر رہیں گی۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں مصطفےٰ سے کہوں کہ وہ عدیلہ کو ڈھونڈنے میں ہاتھ بٹائے۔

مصطفےٰ نے سہ پہر کے وقت فون کیا۔ امی کا ضبط فون سنتے ہی جواب دے گیا۔ انہوں نے مصطفےٰ سے گڑگڑا کر کہا کہ تلاش جاری رکھے۔ یہ ان کے خاندان کی عزت کا سوال ہے۔ خاندان میری شادی کا صدمہ جھیل کر ابھی ابھی سنبھلا تھا کہ یہ نئی آفت ٹوٹ پڑی۔ مصطفےٰ نے ان کی بہت ڈھارس بندھائی۔ کہا کہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ گھر آ رہا ہے۔ اس کے ذہن میں ایک پلان ہے۔

اس نے واپس آ کر اپنے منصوبے سے پردہ اٹھایا۔ کہنے لگا کہ وہ امی کے فون اور ہمارے فون پر ٹیپ لگا دے گا۔ اسے پورا یقین تھا کہ کسی نہ کسی مرحلے پر عدیلہ ہم سے رابطہ کرے گی۔ اس کے فون کرتے ہی ہم اس کا کھوج لگا لیں گے۔ میں نے متعلقہ انتظامیہ سے بات کر لی ہے۔ وہ عدیلہ کی تلاش میں ہماری مدد کرنے پر رضامند ہیں۔ جاتے وقت وہ مجھ سے کہہ گیا کہ میں گھر جا کر فون کے پاس بیٹھی رہوں۔ ہم روانہ ہوئے۔ جب ہم گھر جا رہے تھے تو راہ میں رک کر اس نے ایک آف لائسنس

("خرید و اور ساتھ لے جاؤ") دکان سے دو بوتلیں وائن کی خریدیں۔ مجھے اس کی یہ حرکت بڑی بے تکی معلوم ہوئی۔ میں نے کہا "اس وقت تمہیں وائن کا خیال کیسے آ سکتا ہے؟ سب کچھ تو چوپٹ ہوا پڑا ہے۔ تمہیں وائن کی چسکیاں لگانے کی فرصت کب ملے گی؟" اس نے بڑبڑاتے ہوئے کچھ اس طرح کی بات کی کہ اس کے پاس

urdunovels.net

واثق کا شاک ختم ہو گیا ہے اور اس کا ذہن ٹھیک طرح کام نہیں کر رہا۔ یہ بے سروپا جواب تھا جو دل کو نہیں لگا۔ اس کا طرزِ عمل فریب سے خالی نہ تھا۔ وہ رنگے ہاتھوں پکڑا ہی جانے والا تھا۔ اس لئے فاش غلطیاں سرزد ہو رہی تھیں۔ مجھے گھر اتار کر وہ چلا گیا۔

ہمارے فون بجتے رہے۔ عدیلہ کا کوئی فون نہ آیا تھا۔ ہم دونوں گھر فون کے ذریعے آپس میں رابطہ رکھے ہوئے تھے۔ ابھی نہ ادھر کچھ پتہ چلا تھا نہ ادھر۔ مصطفےٰ بھی غائب تھا۔

میں نے بیل کی آواز سنی، میں انتظار کرتی رہی۔ بیس منٹ بعد مصطفےٰ کا فون آیا۔ کہنے لگا کہ عدیلہ کی کال کا کھوج مل گیا ہے۔ اب وہ کار لے کر عدیلہ کی طرف جا رہا ہے۔ وہاں پہنچ کر وہ مجھے دوبارہ فون کرے گا۔

میں اس وقت پورے دنوں سے تھی۔ واثق عائشہ اور نصیبہ کو ساتھ لے کر میں لیک کر بلنن پہنچی۔ میں نے جو قفتان پہن رکھا تھا وہ زچہ گون کا کام بھی دے رہا تھا۔ مجھے زور آزمائی ترک کرنی پڑی۔ مصطفےٰ تقریباً ہاتھ پر ہاتھ دھرے تماشا دیکھتا رہا۔ ہم نے طے کیا اور عدیلہ نے بھی اپنی رضامندی ظاہر کی کہ ہم رات ہوٹل میں گزاریں گے۔ تاکہ کسی فیصلے پر پہنچ سکیں۔ میں عدیلہ کو رات بھر کے لئے تنہا نہیں چھوڑ سکتی تھی۔

امی جیسے ہی کمرے میں داخل ہوئیں مصطفےٰ باہر چلا گیا۔ جب وہ جانے لگا تو میں نے دیکھا کہ وہ بہت کھسیانا نظر آ رہا ہے جیسے اس کے دل میں چور ہو۔ سارا معمہ حل ہو گیا۔ میرے حواس جاتے رہے لیکن جو کچھ اب مجھ پر آئینہ ہو چکا تھا میں نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

مختلف تصویریں تیزی سے میرے ذہن سے گزر گئیں۔ کس طرح انہوں نے صبح ساتھ گزاری ہوگی۔ واثق کی وہ بوکھلاہٹ۔ عدیلہ کا مجھے فون کرنا۔ جب اس نے فون کیا تو کیا مصطفےٰ اس کے پاس تھا؟ کیا وہ مل کر ہمارا مذاق اڑا رہے تھے؟ یہ کس طرح کا ذہن ہے جو ایسی لمبی چوڑی بوجھ پہیلیوں کا تانا بانا بن سکتا ہے؟ میں ابھی بستر پر سوتی رہی تھی۔ انہیں چادروں پر۔ میرا جی متلانے لگا۔

امی نے کہا کہ میں عدیلہ کو ساتھ لے جاؤں۔ مصطفےٰ دن بھر مزے اڑانے کے بعد 'اور پول جا چکا تھا۔ میں چاہتی تھی کہ عدیلہ سے بات کروں لیکن اس نے خواب آور گولیاں کھا کر ایسی لمبی تانی کہ دن بھر سوئی رہی۔ مجھے اضطراب کے عالم میں نیند کہاں آتی مصطفےٰ اسی شام لوٹ آیا۔ عدیلہ جاگ گئی۔

مصطفےٰ نے آ کر مجھ سے کہا کہ عدیلہ اس کے ساتھ اکیلے میں بات کرنا چاہتی ہے۔ "میرا خیال ہے کہ مجھے اس کی تھوڑی سی خبر لینی چاہیئے۔ اسے کچھ تیز سکھانی پڑے گی۔ اس لئے اگر تھوڑی دیر تم ہمیں تنہا چھوڑ دو تو ہم دو دو باتیں کر لیں۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ میری موجودگی میں بات کیوں نہیں کر سکتی؟ آخر میری بہن ہے۔ اسے ڈر کس بات کا ہے۔" "اسے تم میں سے کسی پر اعتبار نہیں۔ تم اس کے مسائل سے امی ابی کو آگاہ کر دیتا۔ ضروری ہے کہ وہ کسی ایسے آدمی سے بات کرے جس پر اسے اعتبار ہو' جو بڑی عمر کا ہو۔" میں نے حسبِ معمول ہتھیار ڈال دیئے۔ عدیلہ اور مصطفےٰ کو راز و نیاز کے لئے میرے اپنے گھر میں تنہا چھوڑ دیا گیا۔ انہیں تخلیہ فراہم کرنے پر مجبور تھی۔ میں یہ جاننا چاہتی تھی کہ میرے ساتھ دھوکا کیا جا رہا ہے۔ میری سمجھ میں کچھ نہ آ رہا تھا۔ میری سوچنے کی صلاحیت قریب قریب ختم ہو چکی تھی۔ تمام تر مصطفےٰ ہلا رہا تھا۔ میں محسوس کرتی تھی کہ اس نے جان بوجھ کر میرے تمام تار الجھا دیئے ہیں۔ تاکہ میں کسی بے مصرف کٹھ پتلی کی طرح لٹکی رہوں۔

امی' قرآن ہاتھ میں لئے' غصے میں کھولتی ہوئی آئیں۔ انہوں نے مصطفےٰ پر الزام لگایا کہ اس نے ان کی نابالغ لڑکی کو برباد کر دیا ہے۔ "تم مکار اور خبیث آدمی ہو۔ تخریب تمہاری فطرت میں داخل ہے۔ میں تمہیں خبردار کرتی ہوں کہ ہمارے خاندان کی عزت سے مت کھیلو۔ میں چاہتی ہوں کہ تم میری بیٹی کو فی الفور میرے پاس بھیج دو۔ میں اسے تمہارے گھر میں نہیں رہنے دوں گی۔"

مصطفےٰ پر اس بات کا کوئی اثر نہ ہوا کہ اس کے کردار کی ایسی تیسی کی جا رہی ہے۔ "آپ کو کیا پتا؟ میں نے اس خاندان کی عزت کی حفاظت کی ہے۔" منو نے بات کاٹ کر مصطفےٰ پر الزام لگانا شروع کیا کہ وہ ایک نابالغ لڑکی کا اخلاق بگاڑ رہا

ہے۔ منو نے نہایت بدتمیزی سے گفتگو کی۔

میں معلوم کرنا چاہتی تھی کہ حقیقت کیا ہے۔ مجھے اپنے اردگرد صرف فریب کا جال نظر آ رہا تھا۔ میں نے مصطفےٰ کو بٹھا کر بات کی۔ اس کی منت سماجت کی کہ میرے شبہات دور کر دے۔ میں نے اس سے کہا کہ میں اس کا دفاع صرف اسی صورت میں کر سکتی ہوں کہ مجھے حقائق کا علم ہو۔ اس اثناء میں مصطفےٰ ایک نیا سکرپٹ تیار کر چکا تھا۔ اس گھریلو داستان میں، جو ابھی جاری تھی۔ ایک نیا پیچ ڈالا گیا۔ "منو ٹھیک کہتا تھا۔ اس دن میں نے عطیہ کو سکول سے پک کیا تھا۔ منو نے ضرور ہمیں دیکھ لیا ہوگا۔ میں کسی کو بتانا نہ چاہتا تھا کہ میں کس لئے عطیہ کو ساتھ لے جا رہا ہوں۔ اس لئے میں نے منو کی بات جھٹلا دی۔ عطیہ کو حمل ٹھہر گیا تھا۔ اسی ایرانی لڑکے سے۔ میں حمل ضائع کرانے کے لئے اسے ایک کلینک لے گیا تھا۔ میں تمہارے خاندان کی عزت کا تحفظ کر رہا تھا۔ اس کے بدلے مجھے نابالغ لڑکی پھنسانے والے کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ عجیب دنیا ہے جہاں نیکی کرنے کی بھی سزا ملتی ہے۔"

اپنے میاں کی بے گناہی کے اس تازہ ثبوت سے لیس ہو کر میں امی کے پاس پہنچی۔ جو کچھ مصطفےٰ نے کہا تھا ان کے گوش گزار کیا۔ امی کو اس کہانی پر یقین نہ آیا۔ انہوں نے ثبوت طلب کیا۔ کہنے لگیں کہ انہیں اسقاط پر خرچ ہونے والی رقم کی رسید لا کر دکھائی جائے۔ ایسی کوئی رسید مصطفےٰ کے پاس نہ تھی۔ امی نے جاننا چاہا کہ حمل کہاں ضائع کرایا گیا تھا۔ مصطفےٰ نے مجھے بتایا ہی نہ تھا۔ اس کی کہانی میں جھول پڑنے لگے۔ وہ اپنی بے گناہی پر ضرورت سے زیادہ اصرار کر رہا تھا۔ وہ اس وقت تک مجرم تھا جب تک اپنی بے گناہی ثابت نہ کر دے۔ بار ثبوت اس کے ذمے تھا۔ اس کا دفاع بہت کمزور نظر آ رہا تھا۔

ان صبر آزما حالات میں میری بیٹی ثنا پیدا ہوئی۔ ایک بار پھر میں بالکل اکیلی تھی اور عین اس وقت اپنے گھر والوں سے بچھڑ گئی جب مجھے ان کے جذباتی سہارے کی ضرورت تھی۔ مصطفےٰ میرے پاس تھا۔

جب ہم گھر لوٹے تو میں نے مصطفےٰ کو ٹیلی فون پر ہونے والی اس بات چیت

کے بارے میں بتایا جو میرے سننے میں آئی تھی اور یہ بھی کہ کس طرح میں نے اس پر حرف نہ آنے دیا تھا۔ وہ مجھے گھورنے لگا۔ اس کے بعد اس پر سراسر جنون طاری ہو گیا۔ اسے اپنے حواس پر قابو نہ رہا۔ وہ دیوانوں کی سی حرکتیں کرنے لگا۔ اس نے اپنی دونالی بندوق اٹھا کر اس کے کندے سے مجھے مارنا شروع کر دیا۔ میں گر پڑی۔ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے پے در پے مجھ پر ضربیں لگائیں۔ میرے سر میں زخم آ گیا۔ جب خون بہنے لگا تو اس نے ہاتھ روکا۔ غصے سے کانپتے ہوئے اس نے کہا "ابھی اسی لمحے اپنی امی کو فون کرو۔ انہیں بتاؤ کہ تم پاگل ہو۔ انہیں بتاؤ کہ یہ ساری باتیں تم نے دل سے گھڑی ہیں۔ فون اٹھاؤ۔" وہ دہاڑا۔ "میں ------ میں یہ نہیں کر سکتی۔ انہیں میری ہر بات کا ہرگز یقین نہ آئے گا۔ میں اپنا بیان کیسے بدلوں۔ انہیں شبہ ہو جائے گا کہ ------" وہ پھر مجھے مارنے لگا۔ "کھڑی ہو جاؤ کتیا کہیں کی۔" میں بڑی مشکل سے اٹھی۔ "اپنے کپڑے اتار۔ ایک تار بھی بدن پر نہ رہے۔ اتار کپڑے۔" میں کانپنے لگی۔ اس نے میری بانہہ اس طرح مروڑی جیسے بانہہ نہ ہو پیچ کس ہو۔ وہ بیٹھا مجھے کپڑے اتارتے دیکھتا رہا۔ اب میں بالکل ننگ دھڑنگ لونگ روم کے بیچوں بیچ کھڑی تھی۔ میرے زخم سے خون بہہ رہا تھا۔ اس سے بڑی تذلیل کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ دانی اور بلال کمرے کے باہر میری دونوں بچیوں کے ساتھ کھڑے تھے۔

مصطفےٰ نے میرا جائزہ لیا۔ سر سے پاؤں تک نظر ڈالی۔ وہ مجھے ننگا کر کے میرے ذہن میں زبردستی داخل ہونا چاہتا تھا۔ میں خود کو بے بس اور تنہا محسوس کر رہی تھی۔ مجھ پر مکمل مایوسی کا عالم تھا۔ میں جس شکنجے میں گرفتار تھی اس کی وجہ سے میرا یہ احساس دوچند ہو گیا تھا کہ میں باقی دنیا سے کٹ چکی تھی۔ میں خود کو ڈھانپنا چاہتی تھی۔ اس آدمی کے سامنے جس کی زبان "شرم" اور "حیا" کی فضیلت کا پرچار کرتے نہ تھکتی تھی۔ اب اس نے مجھے اپنا نجی تماشا بنا چھوڑا تھا۔ "پلیز، مصطفےٰ مجھے کپڑے تو پہننے دو۔" "فون اٹھاؤ۔ اپنی امی سے بات کرو۔ پھر ہم دیکھیں گے۔" "میں کپڑے پہنے بغیر فون نہیں کر سکتی۔" اس نے مجھے برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ میرے پورے خاندان کو ننگا کر کے رکھ دیا۔ میرے حواس اردگرد پھیلے ہوئے خلا میں گم ہو گئے۔ میں جدھر ہاتھ پھیلاتی کچھ ہاتھ نہ آتا۔

urdunovels.net

مصطفیٰ نے سب سے پہلے اپنے والد کے اصرار پر اپنی رشتے دار "وزیر" سے شادی کی۔ یہ جاگیردارانہ رسموں اور روایتوں کے عین مطابق تھا۔ بیوی کی عمر مصطفیٰ سے کہیں زیادہ تھی۔ مصطفیٰ اس وقت بمشکل سترہ برس کا تھا۔ زناشوئی کا رشتہ قائم ہو گیا اور وزیر کے بطن سے ایک بیٹا پیدا ہوا۔ مصطفیٰ کا دم گھٹنے لگا۔ وہ گاؤں سے بھاگ گیا۔ اصل میں وہ ازدواج سے بچنے کے لئے فرار ہوا تھا۔ بیوی کو چھوڑ کر بھاگ جانے پر اس کے والد نے غیض میں آکر اسے خوب برا بھلا کہا اور عاق کر دینے کی دھمکی دی۔ مصطفیٰ ان پڑھ بیوی کے پاس لوٹنے کو تیار نہ تھا۔ اس میں وزیر کا کوئی قصور نہ تھا۔ انہیں ایک بے لوچ نظام نے بیاہ جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ خود مصطفیٰ بھی کوئی خاص پڑھا لکھا یا باخبر نہیں تھا۔ اس نے جو زندگی گزاری تھی اس میں دوسروں سے ملنے ملانے کے مواقع بہت کم تھے۔ وہ ابھی ایک جگہ ٹک کر گھربار کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے لئے تیار نہ تھا۔ اسے جوانی کے مزوں کا نیا نیا پتہ چلا تھا اور وہ انہیں لوٹنے کے لئے بے تاب ہو رہا تھا۔ وہ بھاگ کر پہلے ملتان آیا اور شہر کو چھان مارا۔ اس کے بعد اس نے لاہور کا رخ کیا۔ لاہور دیکھ کر کوٹ ادو سے آنے والے دیہاتی کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ جب وہ دیکھتا کہ عورتیں "فیشنی انداز میں بال سجائے" کاروں میں سٹیرنگ وہیل سنبھالے پھٹ ڈالی ہوئی ہیں تو بس ہونقوں کی طرح تکتا ہی رہ جاتا۔

مری میں مصطفیٰ کو فردوس مل گئی جو اس کے ایک نئے بنے دوست شفیع کی داشتہ تھی۔ فردوس حاملہ تھی۔ شفیع رفوچکر ہو چکا تھا۔ فردوس سے شادی کرنے کی پکی قسم کھانے کے بعد اب وہ اپنے قول قرار سے منکر ہو گیا تھا۔ صدمے کی وجہ سے لڑکی کی بری حالت تھی۔ اسے کسی کے کندھے کی ضرورت تھی جس پر وہ سر رکھ کر رو سکے۔ مصطفیٰ نے اپنا کندھا پیش کیا۔ وہ فردوس اور اس کی ماں کے پاس ٹھہرا ہوا تھا۔

غلط فہمی کی بنا پر ہمدردی کو محبت سمجھ لیا گیا۔ مصطفیٰ نے اس سے شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ اس طرح کی حرکت تھی جو آدمی جوش میں آکر کر بیٹھتا ہے۔ لڑکی حاملہ تھی۔ اسے بے یارومددگار چھوڑ دیا گیا تھا۔ شکل کی اچھی تھی اور تھوڑی سی پڑھی لکھی بھی تھی۔ وہ نسبتاً زیادہ مہذب تھی۔ مصطفیٰ کے لئے معیاروں کا تعین ابھی

دیہات کی ان عورتوں کے حوالے سے ہوتا تھا جن سے پیچھا چھڑا کر وہ بھاگ آیا تھا۔ مصطفیٰ کو اس بنا پر کچھ پریشانی نہ تھی کہ فردوس شفیع کی داشتہ رہ چکی تھی۔ اسے یہ پروا بھی نہ تھی کہ فردوس کی ماں چھوٹا موٹا سا چکلا چلا رہی ہے۔ اس کی نظر میں فردوس ایسی عورت تھی جس کی آبرو تو لٹ چکی تھی مگر جو تھی دل کی کھری۔ وہ معاشرے کی ستائی ہوئی تھی۔ فردوس نے ایک بچے کو جنم دیا۔ مصطفیٰ نے اس کا نام اپنے نام پر رکھا۔ فردوس جلد ہی دوبارہ حاملہ ہو گئی۔ بلو نے جنم لیا۔ مصطفیٰ ان سب باتوں سے سٹپٹا سا گیا۔ کسی نہ کسی وجہ سے اسے زچگیوں سے چڑ تھی جیسے بچے جننے والی عورت اس کے ساتھ کوئی دشمنی نکال رہی ہو۔ ان مواقع پر اس کی سرشت کا بدترین پہلو سامنے آ جاتا تھا۔ جونہی کوئی عورت اس کے نطفے کو پیٹ میں پالنا شروع کرتی وہ اس سے متنفر ہو جاتا۔ ابھی فردوس ہسپتال میں زچگی کے بعد سنبھالا لے رہی تھی کہ مصطفیٰ نے اسے طلاق کے کاغذات بھجوا دیئے۔ اس نے ایک بار پھر غلط وجہ سے شادی کی تھی۔ رحم اور ترس پروان چڑھ کر محبت کا روپ نہ دھار سکے۔

اس کی نئی محبوبہ لاہور کے ایک کالج کی طالبہ تھی۔ بہت سال بعد مصطفیٰ نے میرے سامنے اعتراف کیا کہ اسے محبت ہوئی تھی تو بس اس لڑکی سے۔ اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ ان کی محبت کی تکمیل نہ ہو سکی۔ مجھے اس وقت تک پتہ چل چکا تھا کہ مصطفیٰ اپنی عورتوں سے اکتا جاتا ہے۔ انہیں ہر وقت ہوا میں تنے ہوئے رسے پر چلنا پڑتا تھا۔ وہ لڑکی بہت سیدھی سادی تھی۔ اس نے مصطفیٰ کے دکھ درد کو جان لیا اور سہارا فراہم کر دیا جس کے لئے وہ بلک رہا تھا۔ علاوہ ازیں اس سے والہانہ محبت بھی کرتی تھی۔

انہوں نے فرار ہونے کی کوشش کی لیکن ملتان جاتے ہوئے اثنائے راہ میں پکڑے گئے۔

قومی اسمبلی کے رکن کے طور پر مصطفیٰ سفر میں رہتا۔ طیاروں کے ذریعے کبھی یہاں کبھی وہاں۔ جلد ہی اس کی صفیہ نامی ایک ایئرہوسٹس سے ملاقات ہو گئی۔ مصطفیٰ قومی اسمبلی کے سیشن میں شرکت کرنے ڈھاکہ جا رہا تھا۔ طیارے پر کھانا پیش کیا جانے لگا۔ مصطفیٰ نے دیکھا کہ دو پیارے پیارے ہاتھ بڑے چمچے سے اس کی پلیٹ

میں کری ڈال رہے ہیں۔ نظر اٹھائی تو سبز رنگ میں ملبوس ایک صورت دکھائی دی جس پر چھلاوے کا گمان ہوا۔ دونوں کی آنکھیں چار ہوئیں۔ مصطفےٰ ساحلی سیڑھی جہاز پر کی طرف گامزن تھا۔ تیس ہزار فٹ خاصی بلندی ہوتی ہے۔ طیارے سے اترتے وقت وہ ترنگ میں آ کر مڑا اور صفیہ سے دریافت کیا کہ کیا دوبارہ ملاقات ہو سکتی ہے۔ صفیہ نے لجا کر اثبات میں سر ہلایا۔ ڈھاکے میں اگلے دو دن صفیہ کے ساتھ گزارے۔

یہ ایک چھوٹا سا رومانی واقعہ تھا اور بس۔ جب امور مملکت اس کی توجہ کے طالب ہوئے تو ظاہر ہے وہ انہیں کو اولیت دیتا۔

اب صفیہ گورنر ہاؤس میں اٹھ آئی۔ اس شادی کی بھی بس راکھ ہی باقی رہ گئی تھی۔ سلگتے انگاروں کو وقت نے کبھی کا بجھا ڈالا تھا۔

مصطفےٰ کے بھائی گورنر ہاؤس اس سے ملنے آگئے۔ اسے بتایا گیا کہ صفیہ نے اس سے بے وفائی کی ہے۔ "اب آپ گورنر ہیں۔ یہ آپ کی عزت کا معاملہ ہے۔ صفیہ نے آپ کے چھوٹے بھائی 'غلام مرتضیٰ' سے ناجائز تعلقات قائم کر لیے تھے۔ ہم اس بات کو آپ سے مزید نہیں چھپا سکتے۔"

مصطفےٰ کی آنکھوں میں دنیا اندھیر ہو گئی۔ زندگی میں یہ پہلی عورت تھی جس نے اس کی عزت میں بٹا لگانے کی جرات کی تھی۔ اسے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا۔ اس سے کوئی فرق نہ پڑتا تھا کہ اس نے صفیہ کی زندگی برباد کر دی تھی یا نوبہار سے شادی کر لی تھی یا پچھلے چھ ماہ کے دوران صرف چند گھنٹے کے لئے اس کے پاس گیا تھا یا اسے صفیہ سے محبت کبھی تھی ہی نہیں۔ جاگیردارانہ قانون کی رو سے مرد کو یہ سب کچھ کرنے کی آزادی ہے۔ عورت اس کے ساتھ بے وفائی نہیں کر سکتی۔ یہ عظیم ترین گناہ ہے۔ اس سے مرد کی مردانگی کو زک پہنچتی ہے۔ اگر مرد کو پتہ نہ ہو کہ اس کی بیوی کسی اور کے ساتھ داد عیش دے رہی ہے تو لوگ اس کی طرف انگلیاں اٹھا کر دبی آواز میں ہنستے اور سرگوشیاں کرتے ہیں۔ مصطفےٰ نے شکستہ دل ہو کر اپنے کمرے کی خلوت میں پناہ لی۔

اس نے صفیہ کو بے دردی سے مارا پیٹا۔ سننے میں آیا ہے کہ اس نے صفیہ

غلام مصطفیٰ کھر کی بیٹی ماڈل آمنہ حق

اور دائی عائشہ دونوں کے اندام میں پسی ہوئی لال مرچیں بھی ٹھونسیں۔ دونوں کو ہسپتال لے جانا پڑا۔ ان کی پسلیاں ٹوٹ گئی تھیں۔ مصطفٰے نے دائی عائشہ کو تقریباً جان سے مار ڈالا جسے اس معاملے کا شروع سے علم تھا۔ اس نے اپنی صفائی میں سیدھی سی بات کی۔ "میں آپ کو بتانے کی جرات کیسے کرتی۔ میری وجہ سے خاندان میں فساد پڑ جاتا۔ آپ کا بھائی مجھے مار ڈالتا۔ وہ میری بوٹیاں ابال کر دوستوں کو کھلا دیتا۔"

جھجک دور ہونے کی دیر تھی کہ مصطفٰے زیادہ بے دھڑک ہو کر مجھ سے پینگ بڑھانے لگا۔ ہم ٹیلی فون پر گھنٹوں باتیں کرتے رہتے۔ اس نے مجھ سے منوا لیا کہ انیس (میرا پہلا خاوند) کے ساتھ میری شادی ختم ہو چکی ہے اور میرا مستقبل اس کی ذات سے وابستہ ہے۔ وہ فون پر بہت اچھی گفتگو کرتا تھا۔ ہم اکثر ملتے اور اپنے جذبات کے وفور کو ہوش و حواس پر حاوی آ جانے دیتے۔ ہم دیوانہ وار محبت میں مبتلا تھے۔ احتیاط' اخلاقیات اور تمیز داری کو بالائے طاق رکھ دیا گیا تھا۔

مصطفٰے کو ہر وقت مجھ سے کوئی نہ کوئی تقاضا رہتا۔ وہ احتیاط کا قائل نہ تھا۔ میں سہمی رہتی تھی کہ کہیں اوروں کو خبر نہ ہو جائے۔ احساس جرم مجھے ڈستا رہتا۔ مصطفٰے مکمل طور پر پرسکون نظر آتا۔ کبھی کبھی تو میں باور کر لیتی کہ وہ چاہتا ہے کہ ہماری خفیہ آشنائی کا بھانڈا بیچ چوراہے میں پھوٹ جائے۔ اس کی خواہش تھی کہ اس معاملے سے متعلق باقی دو لوگوں یعنی شیریں اور انیس کو بھی ہمارے تعلقات کا پتہ لگنا چاہیے۔ وہ چاہتا تھا کہ ہماری شادیوں کا قضیہ ختم ہوتا کہ ہم آزاد ہو کر ساتھ رہ سکیں۔

جو دل میں آ جائے اسے فوراً کر ڈالنے کی عادت۔ مصطفٰے فون کر کے کہتا کہ وہ مجھ سے ملنا چاہتا ہے' ابھی ابھی۔ انیس گھر پر ہے۔ ملنے میں بہت خطرہ ہے۔ مصطفٰے کو کوئی پروا نہ تھی۔ وہ مجھ سے ملنے کا کوئی نہ کوئی طریقہ ڈھونڈ لیتا۔ ہماری ان ملاقاتوں کا ایک مزاحیہ پہلو بھی تھا لیکن اب ان گزری باتوں پر غور سے نظر ڈالتی ہوں تو وہی پہلو بے دردی اور بے حسی کی عبارت معلوم ہوتا ہے۔ ہمارے لئے اب ایک دوسرے سے الگ رہنا ناممکن ہو گیا تھا۔ فیصلہ کرنے کی گھڑی آ پہنچی تھی۔

مصطفٰے نے فون کیا۔ وہ مجھ سے ملنا چاہتا تھا۔ فی الفور۔ کہنے لگا کہ میں تمہاری

طرف آ رہا ہوں۔ "لیکن کیسے؟ انیس گھر پہ ہے۔ تم نہیں آ سکتے۔" "فکر مت کرو۔ میں اسے گھر سے دفان کئے دیتا ہوں۔ چٹکی بجانے میں۔"

دو منٹ بعد فون بجا۔ گورنر ہاؤس سے فون تھا۔ انیس کے لئے۔ میں نے ریسیور اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ وہ سنتا اور سر ہلاتا اور ہوں ہاں کرتا رہا۔ اس نے ریسیور واپس رکھ دیا۔ چہرے پر مسکراہٹ کھیل رہی تھیں۔ "مجھے گورنر ہاؤس جانا ہے۔ مصطفٰے مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔ گورنر کو مجھ سے کوئی بات کرنی ہے۔" وہ چلا گیا۔ اس قدر عجلت کے ساتھ جو زیب نہیں دیتی تھی۔ تھوڑی ہی دیر بعد مصطفٰے آ موجود ہوا۔ "انیس کہاں ہے؟" میں نے سانس روک کر پوچھا۔ "تیر رہا ہے۔" مصطفٰے نے شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

انیس گورنر ہاؤس پہنچا۔ مصطفٰے نے اس سے ملاقات کی۔ پھر اس نے انیس سے کہا کہ وہ وزرا نہانے کے تالاب میں ڈبکی لگائے کیونکہ اسے ایک ضروری کام سے جانا ہے۔ وہ جلد ہی لوٹ آئے گا۔ انیس کو مصطفٰے کے دوست 'رؤف خان' نے نہانے کا جانگیا دیا اور دھکیل دھکیل کر تالاب میں اتار دیا۔ اس کا دل بہلاتے رہے تاکہ وہ تیرتا ہی رہے۔ جب وہ باہر آتا تو رؤف اسے کھینچ کھانچ کر دوبارہ تالاب میں لے جاتا۔ وہاں وہ زبردستی ادھر سے ادھر تیرنے میں مشغول تھا یہاں مصطفٰے اور میں ساتھ تھے۔ فون بجا۔ فون گورنر ہاؤس سے آیا تھا۔ "جناب' ہم اب اسے زیادہ دیر پانی میں ٹھہرنے پر مجبور نہیں کر سکتے۔ وہ تھکن کے مارے بیہوش ہو جائے گا۔ اس کا جسم ٹھنڈا پڑ گیا ہے اور وہ تنگ آ چکا ہے۔" "پانچ منٹ بعد باہر نکال دینا۔ کہنا کہ میرا ابھی ابھی فون آیا تھا۔ میں پندرہ منٹ میں وہاں پہنچ جاؤں گا۔" ہم بے رحمانہ انداز میں ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گئے۔

پنجاب کے اندرون میں واقع کسووال میں میری ایک عزیزہ رہتی تھیں۔ میں نے ان سے رابطہ قائم کیا اور کہا کہ میں آ کر کچھ دیر ان کے پاس رہنا چاہتی ہوں۔ مجھے ایسی جگہ درکار تھی جس تک مصطفٰے کی رسائی نہ ہو سکے۔ میں اس کے بغیر زندگی گزارنے کی کوشش کرنا چاہتی تھی۔ کسووال مثالی مقام تھا۔ نہ سڑکیں' نہ بجلی' نہ ٹیلی فون' میں اپنی شیر خوار بچی' تانیا کو ساتھ لے کر کسووال چلی گئی۔

مصطفےٰ لاہور لوٹا۔ یہ پتہ چلنے پر کہ میں شہر چھوڑ کر چلی گئی ہوں' وہ ششدر رہ گیا۔ اس نے وہی کیا جو فوری طور پر دل نے سمجھایا۔ اس نے گورنر کے طیارے کو حکم دیا کہ اسے اوکاڑہ پہنچایا جائے۔ اپنی سرکاری مرسیڈیز' پانچ سو ایس۔ای۔ایل (S.E.L-500)' اس نے سڑک کے راستے اوکاڑہ بھجوا دی۔ جب وہ اوکاڑہ اترا تو کار اس کی منتظر تھی۔ وہ تاج الملک اور پائلٹ کو ساتھ لے کر کسووال میں وارد ہوا۔

عجیب منظر تھا۔ پنجاب کا گورنر' کسی پیشگی اعلان کے بغیر' پروٹوکول کے بغیر کسووال پہنچا ہوا ہے۔ اس دنیا جہان سے الگ تھلگ' اجڑی پجڑی جگہ کے رہنے والے غریب غرباء حیران بھی ہوئے اور مرعوب بھی۔ مصطفےٰ کسووال کے تنگ گلی کوچوں میں اکٹھے ہونے والے حیرت زدہ ہجوم کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلاتا رہا۔ پی۔پی۔پی کے لئے مزید ووٹ پکے ہو گئے۔ گورنر کو صوبے کے اندرون کا خیال ہے۔ یہ خبر قومی پریس میں آئی۔ یہ کسی کو پتہ نہ تھا کہ اس نے صرف ایک عورت کی خاطر اس ویرانے تک جانے کیلئے قدم اٹھایا تھا۔

شور و غوغا سن کر میں تو حواس باختہ ہو گئی۔ میں نے کار کے آنے کی آواز سنی۔ چک اٹھا کر دیکھا تو وہ سامنے کھڑا تھا۔ "تمہیں لاہور واپس چلنا ہو گا۔ ابھی۔ میں تمہارے بغیر زندگی نہیں گزار سکتا۔"

رشتے داروں کے سامنے بہانے بنانے کے سوا چارہ کیا تھا۔ میں نے کہا کہ پنجاب کا گورنر میرے میاں کا دوست ہے۔ مجھے جانا ہی پڑے گا۔ وہ میرے خوابوں خیالوں پر چھایا ہوا تھا۔ میں نے اپنے عزیز و اقارب کو خدا حافظ کہا جو بہت مرعوب ہو چکے تھے اور ابھی سے اس مشہوری کے خیال سے ہونٹ چاٹ رہے تھے جو گورنر کی آمد سے ان کے حصے میں آنے والی تھی۔

ہم' میری بچی' مصطفےٰ اور میں' ایک ساتھ رخصت ہوئے۔ ہم اوکاڑہ پہنچے۔ میرے لئے اس طرح سفر کرنا ضروری تھا کہ کوئی مجھے پہچان نہ سکے۔ میں نے بستر کی سفید چادر سے کام چلاؤ سا پردہ تیار کیا' ایسی چادر جس میں سے صرف میری آنکھیں

نظر آ رہی تھیں۔ ہم گورنر کے طیارے پر سوار ہوئے اور لاہور روانہ ہو گئے۔

مصطفےٰ طیارے سے اترا' سرکاری کار میں بیٹھا اور سائرنوں کے شور میں موٹر سائیکل سوار' جلوداروں کے ساتھ گھر کا رستہ لیا۔ میں بھیس بدل کر باہر آئی۔ ایک اور کار میں سوار ہوئی جس میں رنگین شیشے لگے تھے اور پیچھے پیچھے چل پڑی۔

میرے شوہر کو مصطفےٰ نے ایک انتہائی خفیہ مشن پر پشاور چلتا کر دیا تھا۔ اسے وہاں ایک اہم "صرف آپ کے پڑھنے کے لئے" خط کسی کو پہنچانا تھا لیکن اسے مکتوب الیہ سے ملانے میں ٹال مٹول سے کام لیا گیا تاکہ وہ پشاور میں مجبوراً رکا رہے۔ مصطفےٰ کا دوست' رؤف خان' اسے ہوائی اڈے پر چھوڑ کر آیا تھا تاکہ اس کی روانگی کے بارے میں کوئی شبہ نہ رہے۔ وہ اپنے مشن مکمل کئے بغیر واپس نہ آ سکتا تھا۔ ادھر مصطفےٰ بدنصیب انیس کو واپس بلانے سے پہلے خود اپنے مشن کو یقینی طور پر تکمیل تک پہنچانے کے لئے تلا بیٹھا تھا۔

ہم گورنر ہاؤس پہنچے۔ میری بچی اور اس کی انا میرے ساتھ تھی۔ ہمیں صدارتی سوئٹ میں ٹھہرایا گیا۔ مصطفےٰ نے ڈنر میرے ساتھ تناول کیا۔ اس کے چہرے پر کمال کی مسکراہٹ تھی۔ شرارت بھری۔ میں گھبرائی ہوئی تھی۔ اگر شیری کو پتہ چل گیا تو؟

مصطفےٰ نے بتایا کہ شیری ہمیں پریشان نہیں کرے گی۔ وہ شیری سے کہہ آیا ہے کہ وہ نیچے کی منزل میں علمائے کرام کی خاطر تواضع میں مصروف ہے۔ علمائے کرام کا مطلب ہے خالص مردانہ محفل۔ مذہبی عالموں کی محفل میں کوئی عورت میزبانی کے فرائض انجام دے' یہ بالکل محال ہے۔ شیری کو اپنے کمرے میں ٹھہرنا ہو گا۔ شیری نے اس من گھڑت پر یقین کر لیا۔

شمعوں کی روشنی میں آمنے سامنے بیٹھ کر کھانا کھاتے ہوئے ہم اپنے باہمی مستقبل کی باتیں کرتے رہے۔

خاصی رات گزر جانے کے بعد مصطفےٰ رخصت ہوا۔ وہ اپنی بیوی کے پاس چلا گیا۔ میں اکیلی پڑی کروٹوں پر کروٹیں بدلتی رہی۔ احساس جرم کا شکار لیکن ساتھ ہی مطمئن کہ کوئی میرا چاہنے والا بھی ہے۔ میری آنکھ صبح سویرے کھل گئی۔ میں نے

urdunovels.net

اپنے زیورات جمع کئے، بچیوں اور ماما کو ساتھ لیا اور گورنر ہاؤس سے چلی گئی۔ اس کے بعد قیامت برپا ہوگئی۔

مصطفیٰ سے شادی کے بعد دو اگست کو جو اس کا یوم پیدائش ہے، میں اس سے ملنے راولپنڈی پہنچی۔ غلام مرتضیٰ کھر اور اس کی بیوی، فرح غلام، علی، بلال، عبدالرحمٰن اور بچے، سب میرے ساتھ تھے۔ سپرنٹنڈنٹ کے دفتر میں ہماری مصطفیٰ سے ملاقات ہوئی۔ مصطفیٰ مجھ سے بہت خفا تھا۔ میں نے اس کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔ میں اتنی تھک چکی تھی کہ اس سے جھگڑنے کا دم بھی نہ رہا تھا۔ دو مہینوں میں دوبارہ آپریشن کرا چکی تھی۔ میں اپنے بچوں کی ماں تو تھی، باپ کا رول بھی مجھے ہی ادا کرنا پڑتا تھا۔ میں ایک دفعہ پھر بے گھر ہوگئی تھی۔ سب کچھ غارت ہو چکا تھا۔

مصطفیٰ سپرنٹنڈنٹ سے خصوصی اجازت حاصل کر کے ہمیں اپنے کمرے میں لے گیا۔ اس کمرے کا دروازہ کواڑوں سے بے نیاز تھا۔ ایک چک لٹکی ہوئی جھول رہی تھی۔ تخلیہ فراہم کرنے کا ایک ڈھیلا ڈھالا معذرت خواہانہ انداز۔ میں اپنا ایک فوٹو اس کے لئے لے گئی تھی۔ وہ ابھی تک روٹھا ہوا تھا۔ کہنے لگا اسے فوٹو نہیں چاہیے۔ میں نے فوٹو واپس بیگ میں رکھ لیا۔ اس نے گھر والوں سے کہا کہ وہ باہر جا کر انتظار کریں۔ وہ سب باہر جا کر چک کے اردگرد پہرے داروں کے پاس جا کھڑے ہوئے۔

مصطفیٰ مجھ سے ہم بستری کرنا چاہتا تھا۔ اس مقصد کے لئے نہ تو وہ جگہ موزوں تھی نہ وقت۔ تخلیہ نام کی کسی چیز کا یہاں وجود نہ تھا۔ باہر کھڑے گھر والوں کی باتیں سنائی دے رہی تھیں۔ اس کے علاوہ میری صحت بھی ٹھیک نہ تھی۔ مجھے میرے ڈاکٹر نے مشورہ دیا تھا کہ ٹانکوں کے ٹھیک ہونے کا انتظار کروں۔ میں بہت خوف زدہ ہوگئی۔ میں نے اسے بتانے کی کوشش کی میری صحت ٹھیک نہیں اور مجھے صحت مند ہونے میں کم از کم چھ ہفتے لگیں گے۔ اس نے ذرہ برابر بھی پرواہ نہ کی۔ میں نے اسے بتایا کہ گھر کے لوگ باہر کھڑے ہیں، پولیس والے باہر کھڑے ہیں۔ یہ وقار سے بہت ہی گری ہوئی بات ہوگی۔ "تمہاری جتنی عمر کو پہنچنے کے بعد لوگ اس طرح کی حرکتیں

نہیں کرتے۔ مجھے بعد میں باہر جا کر ان سے آنکھیں چار کرنی ہیں۔ میرا سر شرم سے نیچا ہو جائے گا۔" مصطفیٰ کوئی بات سننے کو تیار نہ تھا۔

مصطفیٰ نے جیل کی کوٹھڑی میں حضرت علیؓ کی تصویر لگا رکھی تھی۔ اپنی بیچارگی کے تمام عرصے میں وہ حضرت علیؓ کی طرف رجوع کرتا، روتا اور سسکیاں لیتا اور ان کے آگے ہاتھ جوڑتا کہ شفاعت فرمایئے اور جیل سے رہائی دلا دیں۔ وہ مجھے بتاتا رہتا کہ کس طرح حضرت علیؓ کے طفیل اسے وہ طاقت اور قوت برداشت نصیب ہوئی جس نے اسے قید و بند کی ہولناکیاں سہنے کے قابل بنا دیا۔ "اگر حضرت علیؓ کا سہارا نہ ملتا تو میں ہار مان جاتا۔ ان کا سایہ میرے سر پر رہا۔ ان کا اسم گرامی بذات خود قوت کا سرچشمہ ہے۔ انہیں کے نام نے مجھے زندہ رہنے کا حوصلہ عطا کیا۔"

جیل سے چھوٹنے کی دیر تھی کہ مصطفیٰ بھول بھال گیا کہ وہ حضرت علیؓ کا احسان مند ہے۔

اس نے دیکھا تھا کہ میں حضرت علیؓ کے آگے ہاتھ پھیلاتی ہوں۔ اس نے دیکھا تھا کہ حضرت علیؓ نے مجھے شر کا مقابلہ کرنے کے لئے کتنی طاقت عطا کی ہے۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ میرا ایمان وقتی ترنگ نہیں نہ اس میں موقع پرستی کی کوئی لاگ ہے۔ اس نے بے حرمتی کی کارروائی کر کے مجھے ایمان سے محروم کرنا چاہا۔

مصطفیٰ میرے کمرے میں آیا۔ میں حضرت علیؓ کی تصویر تھامے آنسو بہا رہی تھی۔ عدیلہ اور مصطفیٰ کے بارے میں میرے شکوک کی تصدیق ہو چکی تھی۔ میں اپنے ایمان کے سوا کس کا سہارا ڈھونڈتی۔ وہ کھڑا مجھے گھورتا رہا۔ پھر دھمکانے والے انداز میں میری طرف بڑھا اور تصویر میرے ہاتھ سے چھین لی۔ اس نے حقارت بھرے انداز میں تصویر کو گھورا۔ "یہ کیا ہے؟ تمہیں بچائے گی؟ یہ تصویر!"

اس نے تصویر پھاڑ کر پرزے پرزے کر دی۔ میں نے ان مقدس پرزوں کو اٹھا لیا۔ میں روئی اور اللہ کے حضور میں گڑگڑا کر کہا کہ مجھے بخش دیا جائے۔ میں بے جانے بوجھے اس بے حرمتی میں شریک ہوئی تھی۔ اب میں سمجھی کہ مصطفیٰ کے نزدیک مذہب، اس کی عذاب میں مبتلا روح کے لئے تریاق تھا۔ برے وقتوں میں کام آنے والا رفیق۔ وہ بیکاری بن کر لیتی تب اللہ کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ جب اسے

نعمتوں سے نوازا گیا تو فرعون بن بیٹھا۔

کوئی اور ہوتا تو زیادہ احتیاط سے کام لینا شروع کر دیتا۔ لیکن مصطفےٰ سے یہ توقع کہاں۔ اگلی شام وہ ساڑھے سات بجے گھر سے روانہ ہوا۔ کہنے لگا کہ نو بجے تک واپس آ جائے گا۔ میں نے تسنیم کو فون کیا۔ عدیلہ نے اپنی روانگی اور واپسی کا کیا وقت بتایا تھا۔ میں دو دوستوں کو ساتھ لے کر گئی اور ہم نے گاڑی تسنیم کے گھر کے نکڑ پر کھڑی کر دی۔ میں دیکھنا چاہتی تھی کہ عدیلہ کو گھر چھوڑنے کون آتا ہے۔ شاید ساجد ہو یا شاہد مرزا۔ پونے نو بجے ایک کار تسنیم کے گھر کے پھاٹک کے ٹھیک سامنے آ کر رکی۔ عدیلہ اتری اور دوڑ کر اندر چلی گئی۔ کار کو روانہ ہونے سے پہلے ریورس کیا گیا۔ یہ ہماری [illegible] تھی۔ عدیلہ میری سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ مصطفےٰ گاڑی چلا رہا تھا۔ تسنیم اپنی کھڑکی میں پردوں کی اوٹ میں کھڑی تھی۔ ہم بہت تیز ڈرائیو کرتے ہوئے واپس ہوئے اور میں مصطفےٰ کے آنے سے پہلے گھر پہنچ گئی۔ میں مصطفےٰ سے دو بدو نہ ہوئی۔

اس کے باوجود آپ اس کے کہے پر یقین لے آئی ہیں؟ حالانکہ میں نے آپ کو ثبوت بھی فراہم کر دیا تھا۔ میں تو حیران ہو گئی ہوں۔ اس نے چوری چھپے پھر وہی حرکتیں کی ہیں اور ڈھیٹ اتنی ہے کہ کہتی ہے اس نے کچھ کیا ہی نہیں۔ لیکن جس طرح روئی دنیا میں ہم ہی لوگ اسی طرح روتے ہوں گے۔ میرے آنسو تھمنے میں نہ آتے تھے۔ سب نے مجھے روتے دیکھا۔ رونے سے باز رہنا میرے بس میں نہ تھا۔"

میرا اور عدیلہ کا آمنا سامنا ہوا۔ امی کی موجودگی میں۔ میں نے اس سے کہا کہ مجھے سب کچھ معلوم ہے۔ مجال ہے جو وہ ذرا سٹپٹائی ہو۔ اس نے اپنا سر اس طرح جھٹکا جیسے "اونہہ" کہہ رہی ہو۔ "تمہیں پتہ بھی ہے میں نے تمہارے لئے کیا کیا ہے؟ اگر پتہ ہو تو تم مجھے بہن نہ کہو، فرشتہ کہنا شروع کر دو۔ تمہاری شادی کو بچائے رکھنے کی ذمے دار میں ہوں۔"

یہ واضح تھا کہ وہ اشارتاً کیا کہنا چاہ رہی ہے۔ مصطفےٰ جس کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ وہ اس کی بات ماننے کو تیار نہ ہوئی تھی۔ صرف میری خاطر۔ مصطفےٰ اس سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ وہ میرا بسا بسایا گھر اجاڑنا چاہتی تھی۔

کیا یہ سچ ہو سکتا ہے؟ میں نے آئینے میں اپنے پر نظر ڈالی۔ میں نے محسوس کیا کہ مجھے بدلنا پڑے گا۔ مجھے ضرور عدیلہ جیسی نظر آنا چاہیے۔ مجھے ضرور اس جیسے ملبوسات پہننے چاہئیں۔ مجھے ضرور اپنی شخصیت کو بدلنا چاہیے۔ ایک ہی راستہ رہ گیا تھا۔ ایسا ہوا تو شاید میری شادی کامیاب ہو جائے۔ مصطفےٰ عدیلہ کو چاہتا ہے، تمہیں نہیں۔ تم اپنی طرف دیکھو تو سہی۔ یہ تمہارے سفید کپڑے، یہ تمہارے بلند آدرش۔ تم اس کے مطلب کی عورت نہیں۔ عدیلہ ہے۔ اور اس کے باوجود----- اسے تم سے پیار ہے۔ وہ کہتا ہے کہ پیار ہے۔ سارے وقت یہی کہتا رہتا ہے۔ آئینے نے دوبارہ میری طرف دیکھا۔ میں سامنے سے ہٹ گئی۔ اس میں میری شبیہ کے علاوہ بھی کچھ نظر آ رہا تھا۔ اس میں میرے ذہن کا عکس دکھائی دے رہا تھا۔ میں نے مصطفےٰ کی آواز سنی۔ ناہموار آواز۔ "کوئی اور عورت تم جیسی نہیں ہو سکتی لیکن میں چاہتا ہوں کہ تم سولہ سال کی لڑکی بن کر رہو۔ میں تجھ سے رومان کا تمنائی ہوں۔"

مجھے دھکا لگا۔ یہ تو میں نہیں کر سکتی۔ میں سولہ برس کی نہیں۔ پانچ بچوں کی ماں ہوں۔ سینتیس سال کی ہو چکی ہوں۔ اس شخص کے بارے میں رومانی تصورات کیسے رکھ سکتی ہوں جو میری بہن سے عشق فرما رہا ہو؟ کیسے؟

میں مصطفےٰ گھر سے الگ ہونے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ اس بار علیحدہ ہونے کی وجوہ بھی معقول تھیں اور جو وقت چنا گیا تھا وہ بھی موزوں تھا۔ جلد ہی ہمارا دوبارہ مری آنا ہوا۔ میں بہت زیادہ اپنے آپ میں گم تھی۔ ہم بھوربن میں وزیراعلیٰ کے ریسٹ ہاؤس میں ٹھہرے۔

اس رات مصطفےٰ نے مجھ سے ہم بستر ہونا چاہا۔ مجھے اس کے رویے سے پتہ چل گیا تھا کہ وہ انکار سننے کے لئے تیار نہیں۔ جو ہونا تھا میں نے ہونے دیا۔ میں نے اپنی نفرت کو قابو میں رکھا۔ میں نے خود کو مکمل طور پر لاتعلق رکھنا چاہا۔ مصطفےٰ کے کندھے پر سر رکھ کر میں نے اللہ سے دعا مانگی اور منت کرتی رہی کہ مصطفےٰ پر عذاب نازل کیا جائے۔ جو ایسی عورت سے زنا کا مرتکب ہوا تھا جو اس کی بہن کا درجہ رکھتی تھی۔ الٰہی کیا یہ سب تجھ پر عیاں نہیں؟ تو اس کی ممانعت کر چکا ہے۔ تو نے کہا ہے کہ کوئی مرد بیک وقت دو سگی بہنوں سے جنسی تعلقات نہیں رکھ سکتا۔ یہ تیرے

قرآن میں ہے۔ اگر یہ قانون تو نے بنایا ہے اگر یہ ضابطہ تیری طرف سے نافذ ہوا ہے تو پھر تو کبھی یہ اجازت نہیں دے گا کہ میرے ساتھ ایسی بات ہو۔ اس آدمی کو کبھی مجھ پر ہاتھ ڈالنے کا موقع نہ ملنا چاہیے۔ اس آدمی کو کبھی تیری نافرمانی کرنے کی جسارت کا موقع نہ دینا چاہیے۔ میرے اختیار میں کچھ بھی نہیں۔ تو ہی اس بات کو رکوا سکتا ہے۔ اور جب میں یہ دعا مانگ رہی تھی تو میں نے تصور کیا کہ کعبہ شریف میرے سامنے موجود ہے۔ مجھے محسوس ہوا کہ میں کعبے کو ہاتھ لگا سکتی ہوں۔ یہ ایسا وقت نہیں ہوتا جب آدمی کو اللہ کا خیال آئے۔ آدمی خود کو اتنا صاف ستھرا محسوس نہیں کرتا کہ اللہ کے روبرو ہو سکے۔ اللہ کو اس مرد کی آلودگی مجھ سے دور رکھنی تھی جس نے مجھے استعمال کیا تھا مجھ سے ناجائز کام لیا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اسے وہ نحوست، وہ گندگی، وہ غلاظت مجھ سے دور رکھنی ہوتی جو غلام مصطفےٰ کھر نے میرے جسم و جان میں انڈیل دی تھی۔

وہ ایک بار اور مجھ سے ملنے آیا۔ اکیلا۔ اس ملاقات کے دوران جب اس کے اپنے ضمیر، میرے اور اللہ کے سوا کوئی گواہ نہ تھا اس نے سب کچھ پوست کندہ بیان کر دیا۔ اس نے بتایا کہ وہ عدیلہ سے کتنی بار ملا تھا۔ اس میں وہ موقع بھی شامل ہے جب میں نے ان دونوں کو آپس میں باتیں کرتے دیکھ لیا تھا۔ اس نے مان لیا کہ وہ اس سے باتیں کرتا رہا تھا۔ پہلے کی طرح اس بار بھی اس پر شیطان چڑھ گیا تھا اور اسے معصیت پر اکسا رہا تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ شہوت کی وجہ سے اسے اپنے پر قابو نہ رہا تھا اور اس نے میرے ردعمل کا غلط اندازہ لگایا تھا۔ اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ میں اسے چھوڑ کر چلی جاؤں گی۔ یہاں تک کہ میں واقعی اسے چھوڑ گئی۔ وہ رو پڑا اور مجھ سے معافی مانگنے لگا۔ میں نے اسے بتایا کہ میں اسے معاف کر چکی ہوں۔ اس نے میری طرف دیکھا اور فوراً مجھ سے واپس آ جانے کے لئے کہا۔ میں شاید کمزوری دکھا جاتی لیکن اس فوری ردعمل نے مجھے بچا لیا۔ اس طرح کے ردعمل سے مجھے بارہا سابقہ پڑ چکا تھا۔ جب بھی وہ کوئی غلط حرکت کرتا تو بعد میں آ کر میرے قدموں میں لوٹنے لگتا اور میرے جذبہ ترحم کو ابھار کر اپنا کام نکالنا چاہتا۔ جونہی میں اسے معاف کرتی وہ پرانا مصطفےٰ دوبارہ جی اٹھتا۔ جس معاملے پر پہنچی ہوئی تھی

اسے بھلا دیا جاتا۔ اس کی زندگی پرانے ڈھرے پر چلتی رہتی۔ وہ ایسا مرد تھا جو اخلاقی شعور سے محروم تھا۔ اس کی یادداشت تختۂ سیاہ جیسی تھی اور میری معافی بھیگی ہوئی پونچھن۔ میں نے مصطفےٰ پر واضح کر دیا کہ میں نہ تو کبھی لوٹ کر آؤں گی نہ اسے معاف کروں گی نہ ان زیادتیوں کو بھلاؤں گی جو میرے ساتھ روا رکھی گئی تھیں۔ خواہ کچھ ہو جائے۔

اس اثنا میں عدیلہ کے شوہر مطلوب کو اپنی بیوی اور مصطفےٰ کے یارانے کا تھوڑا بہت شبہ ہو گیا۔ جب شبہات نے مطلوب کو زیادہ پریشان کیا تو اس نے ٹیلی فون ٹیپ کرنا شروع کر دیا۔ مصطفےٰ اور عدیلہ کی گھنٹوں لمبی گفتگو مقناطیسی ٹیپ پر منتقل ہو گئی۔ مطلوب روز گھر آ کر کیسٹ نکالتا اسے اپنی کار کے کیسٹ پلیئر میں ڈالتا اور کراچی میں بے مقصد ڈرائیو کرتے ہوئے سنتا رہتا کہ کس طرح وہ دونوں اس کی شادی کو تباہ و برباد کرنے کے منصوبے بنا رہے ہیں۔ سازشیں کر رہے ہیں۔ جب آنسو اس کے رخساروں پر بہہ رہے ہوتے تو اس کے لئے خود کو قابو میں رکھنا مشکل ہو جاتا۔ آنسوؤں کی تپش سے اس کے رخسار سلگ اٹھتے۔ کسی کی بے وفائی پر بہنے والے آنسو ہی اس طرح رخساروں کو جلا سکتے ہیں۔ مطلوب نے مصطفےٰ سے ٹکر لینے کی ٹھان لی۔ اس نے یہ ٹیپیں اپنی بیوی اور میری امی کو سنائیں پھر زناکاری کے ثبوت سے لیس ہو کر لاہور آ گیا۔

اس نے عدالت میں ایف۔ آئی۔ آر درج کرائی۔ پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ زناکاری کے مقدمے میں کوئی جاگیردار کسی دوسرے جاگیردار کو عدالت میں کھینچ لایا ہو۔ یہ بھی پہلی بار تھا کہ حدود آرڈیننس کے تحت زناکاری کا مقدمہ ایسی عورت کے خلاف درج ہوا جو ہمارے طبقے سے تعلق رکھتی تھی۔

مطلوب نے ترقی پسندانہ موقف اختیار کیا تھا۔ اپنی عزت آبرو کی بحالی کے لئے اس نے غصے سے اندھے ہو کر کوئی جرم کرنے کے بجائے عدالت سے رجوع کیا تھا۔ جیسا کہ عموماً ہوتا ہے انصاف کی ترازو طاقتور اور بااثر فریق کے حق میں جھک گئی۔ مصطفےٰ کھر کو داد و تحسین سے نوازا گیا اور پی۔پی۔پی کے کارکن اسے کندھوں پر اٹھا کر عدالت کے کمرے سے باہر لائے۔ پی۔پی۔پی کے رہنما طارق رحیم

واعوان اور سلمان تاثیر اس کے جلو میں تھے۔ مصطفےٰ کی زنا کے مقدمے میں ضمانت ہو گئی تھی۔ پاکستان میں غریب اور سہولیات سے محروم طبقے کے افراد کو اسی طرح کے مقدمات میں فوراً حوالات بھیج دیا جاتا ہے۔ بد قسمتی سے مطلوب نے غلط وقت چنا تھا۔ مصطفےٰ اس وقت پی۔پی۔پی کا اہم ترین رہنما تھا۔ وہ پنجاب میں لاہور حلقہ 99 سے ایک ضمنی الیکشن میں مشغول تھا جس میں ہر فریق یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ اس کا زور زیادہ ہے۔ مصطفےٰ نے یہ عذر دیا کہ مقدمہ اس کے سیاسی حریف، میاں نواز شریف کے اکسانے پر دائر کیا گیا تھا۔ میں نے کہا کہ مطلوب سچ بول رہا ہے۔ میں نے مصطفےٰ اور عدیلہ کی وجہ سے طلاق لی تھی۔ پہلے ان باتوں سے میں اپنی بہن کا گھر اور خاندان کی خاطر انکار کرتی رہی تھی۔ میں نے یہ بھی واضح کر دیا کہ مصطفےٰ نے اپنی سالی سے زنا کر کے نہ صرف قرآن کے احکام کی خلاف ورزی کی ہے بلکہ ازروئے قانون زنا بالجبر کا مرتکب بھی ہوا ہے۔ اس نے عدیلہ سے جنسی تعلقات تیرہ سال پہلے قائم کیے تھے۔ اس وقت میری بہن ابھی بچی تھی۔ میری باتوں کا بہت برا منایا گیا۔ لوگ کہنے لگے کہ مجھے پروقار رویہ اختیار کرنا چاہیے تھا۔ میں نے اپنے معاشرے کی ان لاکھوں عورتوں کی طرح محسوس کیا جن کے ساتھ زبردستی زنا کیا جاتا ہے اور وہ چپکے سے واردات سے الگ ہو کر چلی جاتی ہیں۔ محض اس لیے کہ کسی سے کہیں گی تو جگ ہنسائی ہوگی۔ کسی پاپی کو ہرگز یہ اجازت نہ ملنی چاہیے کہ اس کے جرم پر صرف اس لیے پردہ پڑا رہے کہ معاشرہ بہت نازک مزاج ہے اور ایسی باتیں سننے کی تاب نہیں لا سکتا۔ عورتوں کو چاہیے کہ یا تو آواز بلند کریں یا پھر جوتیاں کھاتی رہیں۔

(میڈا سائیں از تہمینہ کھر)

"میاں شہباز شریف"

میاں شہباز شریف جہاں پنجاب کے بہترین وزیر اعلیٰ کے طور پر یاد رکھے جائیں گے وہیں وہ اپنی ذاتی اور خفیہ زندگی کے حوالے سے بھی ہمیشہ یاد رہیں گے میاں شہباز شریف نے نہایت مختصر سیاسی زندگی میں بے مثال کامیابیاں حاصل کیں۔ گو ان کا سیاسی سفر مختصر ہے البتہ ان کی کامیابیوں کی فہرست طویل ہے۔ لوگوں کے بقول نواز شریف کی کامیاب سیاسی حکمت عملیوں کے پیچھے شہباز شریف کا دماغ تھا۔ نواز شریف کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ دماغ سے کام بہت کم لیا کرتے تھے البتہ وہ اپنے پیٹ کا بہت خیال کرتے۔ نواز شریف اور شہباز شریف میں جو فرق لوگوں نے محسوس کیا وہ یہ تھا کہ نواز شریف ہر معاملے میں اپنے والد میاں شریف سے مشورہ کیا کرتے تھے جبکہ شہباز شریف اپنے دماغ سے کام لیتے بہر حال دونوں بھائی اپنے والد کی بے پناہ عزت کرتے۔

نواز شریف کی وزارت عظمیٰ کے دور میں پنجاب کی ذمہ داریاں شہباز شریف کے ذمے تھیں۔ گو نواز شریف کی وزارت عظمیٰ کے پہلے دور میں غلام حیدر وائیں پنجاب کے وزیر

اعلیٰ تھے مگر لوگوں کے بقول اصلی پاور شہباز شریف کے ہاتھ میں ہی تھی۔ غلام حیدر وائیں شہباز شریف کے فیصلوں پر صرف مہریں لگانے کا کام کرتے۔ دوسرے دور میں شہباز شریف براہ راست پنجاب کے وزیر اعلیٰ تھے۔ انتظامی حوالے سے وہ بہت سخت گیر مشہور تھے۔ وہ پاکستان کے سب سے بڑے صوبے کے وزیر اعلیٰ تھے۔ وہ نہ صرف خود بہت زیادہ کام کرتے بلکہ بیوروکریسی والوں سے بھی کام لینے کا انہیں ہنر آتا تھا۔ وہ پنجاب کا مرد آہن تھا۔ اس جیسا ایڈمنسٹریٹر شاید ہی پنجاب نے کبھی دیکھا ہو۔

میاں شہباز شریف اچھے ایڈمنسٹریٹر تو تھے ہی نجی زندگی میں بھی وہ کچھ کم منتظم نہ تھے۔ وہ اپنی خفیہ اور جنسی کاروائیاں منظم طریقے سے سرانجام دیتے۔ وہ اپنا جنسی کھیل ایک خاص حد تک کھیلتے بات بگڑنے لگتی تو شادی کر لیتے۔ اچھے ایڈمنسٹریٹر کے طور پر انہوں نے غلام مصطفیٰ کھر کو پیچھے چھوڑ دیا تھا۔ عشق و مستی کے کھیل میں وہ مصطفیٰ کھر کی گرد کو بھی نہ پہنچ سکے۔ کوشش بہر حال شہباز شریف نے بھی بہت کی۔ شہباز شریف بطور پنجاب کے وزیر اعلیٰ ان تھک کام کرتے تھک کر چور ہو جاتا تو وہ ریشمی زلفوں کی ٹھنڈی چھاؤں کی تلاش میں نکل پڑتے۔ شہباز کی پرواز کسی نہ کسی پری چہرہ بلکہ پری پیکر کے نشیمن پر جا کر

رک جاتی۔ گداز بدن کے لمس چھونے کے ساتھ ہی اس کی دن بھر کی تھکن اتر جاتی۔ شہباز شریف خوبصورت پریوں کو اپنی جنسی تسکین کے لئے بڑی مہارت اور ہوشیاری سے استعمال میں لاتا یہی وجہ ہے کہ اس کی اخلاقی پستی کے چرچے بہت کم سننے اور پڑھنے کو ملے۔

شہباز شریف نے بظاہر صرف ایک شادی کی ہے حالانکہ اس نے کم از کم چار شادیاں رچائی ہیں۔ تین تو اظہر من الشمس ہیں خفیہ تعلقات کتنی حسیناؤں سے ہیں کے بارے میں اتنا ہی کافی ہے کہ فلمی دنیا کی ہر خوبصورت ہیروئن کا رقص دیکھنا شہباز شریف کو بہت پسند تھا۔ بازار حسن سے مہمانوں کو بھی وہ گانے بجانے رقص دیکھنے کے لئے مدعو کیا کرتا۔ قریبی دوست شہباز شریف کے خراب موڈ کو درست رکھنے کے لئے خاص طور پر رقص و سرور کی محافل کا انعقاد کرتے شہباز شریف جہاں خود نغمے کے شیدا تھے ان کی معشوقائیں بھی نغمے میں انہی جیسی تھیں۔ شہباز شریف کی معشوقہ کے نغمے کا ڈسا ہوا ایک پولیس افسر اپنی ڈائری میں بیان کرتا ہے۔

"جب میں ڈیفنس میں تھا مجھے ڈی ایس پی۔ سی کا فون آیا کہ فلاں نمبر کوٹھی پہنچ جاؤ۔ ڈکیتی کی واردات ہوئی ہے۔ میں وہاں چلا گیا۔ علاقے کا ایس۔ ایچ۔ او پہلے ہی وہاں موجود تھا۔ اندر گیا تو عالیہ نامی خاتون سے سامنا ہوا۔ میں نے واردات سے متعلق معلومات حاصل کیں۔ جائے وقوعہ دیکھا اور واپس دفتر آ گیا۔ تھوڑی دیر بعد پھر ڈی آئی جی کا فون آیا کہ برآمدگی ہو گئی؟ میں نے حیرانگی سے کہا سر! برآمدگی کیسی؟ ابھی تو جائے وقوعہ کا معائنہ کیا ہے۔ انہوں نے مجھے سخت سست کہا اور فون بند کر دیا میں فوراً" اپنے ذرائع حرکت میں لایا۔ عقدہ کھلا کہ محترمہ عالیہ میاں شہباز شریف کی دوسری بیوی ہیں چنانچہ مجھے اپنی پوزیشن کا اندازہ ہو گیا اور چند دنوں بعد میرا تبادلہ ڈیرہ غازی خان کر دیا گیا۔ ان دنوں بلدیاتی انتخابات کا سلسلہ چل رہا تھا۔ چیئرمین کے انتخاب کا مرحلہ آیا تو لاہور سے حکم ملا کہ رفیق میراثی کو چیئرمین بنانا ہے۔ اس کے لئے ممبران اکٹھے کرو۔ میں نے حالات کا جائزہ لیا۔ معلوم ہوا رفیق میراثی کے پاس سوائے اپنے ذاتی ووٹ کے اور کوئی ووٹ نہیں جبکہ مقابلے میں مخدوم خاندان تھا جن کے پاس چالیس ووٹ تھے میرے لئے ایک کو چالیس بنانا ممکن نہیں تھا۔ مخدوم خاندان کا تعلق بھی مسلم لیگ سے تھا۔ میں نے معاملے کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کی تو دھماکہ خیز انکشاف ہوا کہ رفیق میراثی کی بہن شہباز شریف کی منکوحہ ہے

رفیق میراثی کی بہن بہت خوبصورت ہے یہ سننا تھا کہ مجھے اپنی منزل سامنے نظر آنے لگی۔ میں نے اپنے اسسٹنٹ کو ساتھ لیا اور مخدوم صاحب کے پاس چلا گیا اور سارا ماجرا انہیں کہہ سنایا۔ وہ غصہ میں پاگل ہو گئے اور فوری طور پر وزیر اعظم میاں نواز شریف کو فون کیا اور کہا چھوٹے میاں کو کنٹرول کریں وہ میراثیوں کو ہمارے اوپر لانا چاہتا ہے پھر مجھے یہ حکم دیا گیا کہ واپس آ جاؤ۔ میں باہر نکلا تو دفتر کا ایک ملازم میرے تبادلہ کے احکامات لے کر آ چکا تھا" یہ انکشافات یوں شہباز شریف کی خاص مہربانیوں کا شکار پولیس آفیسر نے ایک نجی محفل میں کیا۔

شہباز شریف کی تین شادیاں مختلف ذرائع سے منظر عام پر آ چکی ہیں۔ وہ شادیاں کرنے میں کوئی خاص شہرت نہیں رکھتے تھے البتہ بازار حسن اور فلمی دنیا کے خوبصورت چہروں سے جی بہلانے میں خاصے مشہور تھے۔ ذرائع کے مطابق ریما نے "پہلی ملاقات" کے بعد تحفے میں 70 زمعت بلاک والی کوٹھی لی تھی۔ شہباز شریف کی ریما کو منہ دکھلائی بعد میں بھی

جاری رہی۔

شہباز شریف کی چوتھی بیوی معروف پورٹریٹ شاہد رفیع کی خوبرو مطلقہ نیلو ہے۔ شہباز نے اپنی جنسی خواہش کی تکمیل کے لئے وہی کارنامہ سرانجام دیا جو میاں نواز شریف نے طاہرہ سید اور نعیم بخاری کے بنتے بستے گھر کے ساتھ کیا۔ نیلو کی نہ جانے کون سی ادا شہباز شریف کے دل کو بھا گئی کہ وہ نیلو جو ایک بیٹی اور دو بیٹوں کی ماں تھی کو اپنے حرم میں لے آیا یہ بھی نہ سوچا کہ شاہد رفیع کے بنتے بستے گھرانے پر اس کا کیا اثر پڑے گا۔ عشق پرست شہباز شریف نے نیلو کی زلفوں سے کھیلنے کے لئے اسے اپنے تین بچوں سے دور کر دیا۔

شہباز شریف کی دوسری بیوی عالیہ احمد عرف ہنی نے نصرت شہباز کو چیلنج کیا کہ وہ شہباز شریف کی منکوحہ ہے اور اس کے پاس باقاعدہ نکاح نامہ ہے۔ عالیہ احمد عرف ہنی کے بقول یہ خفیہ نکاح لندن میں ہوا اور تین سال بعد اس نے خدیجہ شہباز کو جنم دیا جس کی شکل مکمل طور پر شہباز شریف سے ملتی ہے۔

شہباز شریف کے پے در پے معاشقوں نے نصرت شہباز کا ذہنی سکون چھین لیا اکثر دونوں کے مابین لڑائی جھگڑا ہوتا رہتا مگر شہباز شریف کو اس سے کیا وہ تو جنسی تسکین چاہتا ہے اور ہر بار نیا چہرہ دیکھنے کا خواہش مند ہے۔

شہباز شریف اس ملک کے وزیر اعلیٰ رہے ہیں جو اسلام کے نام پر قائم کیا گیا۔ وفاقی شرعی عدالت کے چیف جسٹس میاں محبوب احمد، جسٹس فدا احمد اور جسٹس اعجاز یوسف پر مشتمل تین رکنی فل بنچ کا یہ فیصلہ کہ خفیہ نکاح غیر اسلامی ہے کے بارے میں شہباز شریف کیا کہیں گے۔ عدالت نے اپنے فیصلے میں مزید لکھا کہ خفیہ شادی کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں اور یہ فعل قابل سزا ہے۔ شرعی عدالت نے اپنے فیصلے میں مزید یہ لکھا کہ شوہر کی جانب سے بیوی کی اجازت کے بغیر دوسری شادی کرنے پر بیوی اور اس کے والدین شوہر کے خلاف نان نفقے کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔

بظاہر اسلام نافذ کرنے کے دعوے دار دونوں بھائی اسلامی تعلیمات کا کس قدر مذاق اڑاتے تھے ان چند حقائق سے واضح ہو چکا ہے دونوں کے ظاہر و باطن میں کتنا فرق ہے مگر وہ پھر بھی اپنے آپ کو منافق قرار دینے کے خلاف ہیں۔

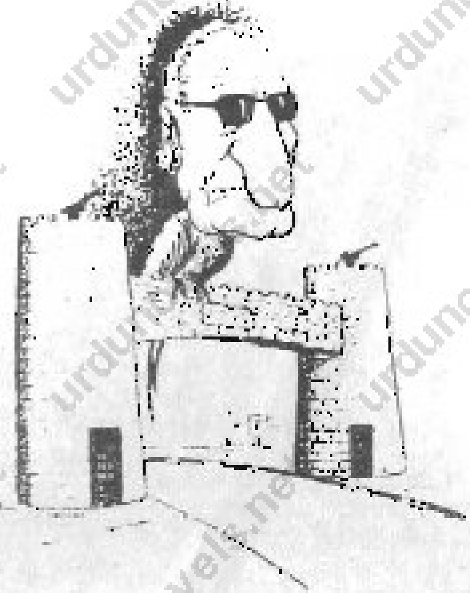

"ولی خان"

پاکستان کے بزرگ سیاستدان ہیں 80 سال کی عمر میں بھی جوانوں کی طرح کام کرتے ہیں۔ مسلم لیگ اور ولی خان ایک دوسرے کی ضد تھی۔ یہ ضد نواز شریف نے ولی خان سے اتحاد کر کے ختم کروائی۔ قومی سیاستدان ہونے کے باوجود علاقائی سیاست کرتے ہیں۔ ذوالفقار علی بھٹو نے نیشنل عوامی پارٹی (نیپ) پر پابندی لگائی تو ان کی بیگم نے میدان سیاست میں اپنا لوہا منوایا۔ بیگم نسیم ولی خان نے جہاں ولی خان کو قید سے رہائی دلوائی وہیں اس نے اپنی خاندانی سیاست کو بھی زندہ رکھا۔ ولی خان صوبہ سرحد کا نام پختونخواہ رکھنا چاہتے ہیں۔ یہیں سے ان کے اور نواز شریف کے اختلافات شروع ہوئے جو نواز شریف کے وزیر اعظم ہاؤس سے اٹک قلعہ تک پہنچنے تک جاری رہے۔ کالا باغ ڈیم کے نام پر سیاست کرتے ہیں۔ کالا باغ ڈیم کو بم سے تباہ کرنے کی دھمکیاں دیتے ہیں۔ غریبوں جیسے یعنی ملیشیا کے کپڑے پہنتے ہیں۔ ان کی پارٹی کے ورکر سرخ لباس پہنتے ہیں۔ صوبہ سرحد میں ان کی جماعت اسلامی سے کبھی نہیں بنی دونوں ایک دوسرے کے ذاتی مخالف ہیں۔ نواز شریف کے کندھے پر سوار ہو کر اپنی مردہ سیاست میں نئی جان ڈالی مگر کالا باغ ڈیم اور

پختونخواہ کے مسئلے پر نواز شریف سے اتحاد کرتے وقت جس مقام پر کھڑے تھے دوبارہ وہیں جا کر کھڑے ہو گئے۔ ہر وقت کلاہ بنگ پہنتے ہیں۔ مولانا فضل الرحمن کی سیاست کو فیوز کرنے کے لئے انہوں نے مسرت شاہین کو پشتو فلموں کی ہیروئین سے سیاست دان بنوایا۔ اسلام اور اس کی مقدس شخصیات کا مذاق اڑانا ولی خان کا پسندیدہ مشغلہ ہے۔ ہفت روزہ زندگی نے اپنی اشاعت میں ولی خان کی اسلام دشمنی کی جو عبرتناک رپورٹ شائع کی ہے اسے پڑھ کر قصہ برابر غیرت رکھنے والے انسان کے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

"ولی خان صوبہ سرحد بلکہ پاکستان کی ایک نامور شخصیت اور سیاست دان ہیں۔ بتایا جاتا ہے کہ ان کے اپنے ایک گھریلو ملازم افسر علی (جب وہ کم عمر تھا) کے ساتھ ناجائز تعلقات تھے۔ بعدازاں جب ان کی بیٹی فلک ناز نے افسر علی سے شادی کرنے کی اجازت طلب کی تو خان صاحب آپے سے باہر ہو گئے اور شادی کی اجازت دینے سے انکار کر دیا تاہم انہوں نے افسر علی کو ملازمت سے برطرف نہ کیا اور وہ ان کی بیٹی سے آزادانہ ملتا رہا۔ جب فلک ناز حاملہ ہو گئی اور دوبارہ اپنے والد سے شادی کی اجازت طلب کی تو خان صاحب نے پھر انکار کر دیا۔ جس کی وجہ سے لڑکا اور لڑکی نے اپنا گاؤں چھوڑ کر کسی دوسرے گاؤں جا کر شادی کر لی اور وہیں بس گئے۔ ولی خان کی خاندانی عزت و شرافت اس بات کا مطالبہ کرتی تھی کہ گھر سے بھاگنے کے جرم میں جوڑے کو قتل کر دیا جائے۔ ولی خان کے خاندان کے لوگ ان کو پکڑ کر اپنے گاؤں لے آئے اور مقامی امام مسجد اور لوگوں کے ہجوم کے سامنے ان دونوں کو ایک درخت سے باندھ کر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ یہ سب کچھ کسی قبائلی علاقے میں نہیں بلکہ صوبہ سرحد کے ضلع مردان کے ایک گاؤں میں واقع ہوا۔

حیرت کی بات ہے کہ ہماری انسانی حقوق کی تنظیمیں اس واقعہ پر بالکل خاموش رہیں جو کہ ایک مجرمانہ فعل ہے چونکہ ولی خان اور ان تنظیموں کے سرکردہ افراد ایک ہی طبقہ (Class) سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے انہوں نے دانستہ طور پر اس اہم واقعہ کو عوام سے چھپایا۔ اگر یہ واقعہ کسی مولوی سے سرزد ہوتا تو یہ تنظیمیں آسمان سر پر اٹھا لیتیں اور پوری دنیا میں اس کا چرچا ہوتا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ

یہ تنظیمیں انسانی حقوق سے متعلق عوام کا شعور بلند کرنے کی بجائے صرف سیمینار اور رپورٹس مرتب کرنے تک محدود ہیں جو پوری دنیا میں لائبریریوں کی زینت بنتی ہیں۔"

(ہفت روزہ زندگی لاہور 15 تا 21 مارچ 1998ء)

روزنامہ خبریں کے چیف ایڈیٹر جناب ضیاء شاہد نے ولی خان اینڈ کمپنی کے بارے میں حیرت انگیز انکشافات کئے ہیں' وہ لکھتے ہیں

"جناب بادشاہ خان صاحب اسلام سے اتنے بیزار تھے کہ 1942ء میں ولی خان کے تایا اور چچا خان کے بھائی ڈاکٹر خان کی بیٹی مریم نے ایک سکھ سردار جسونت سنگھ سے شادی کر لی۔ مسلمانوں کے احتجاج کرنے پر انہوں نے کہا کہ میری بیٹی نے اپنی پسند کی شادی کی ہے 'مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں' میرا آشیرباد اس کے ساتھ ہے' ڈاکٹر خان کے بیٹے سعد اللہ خان نے ایک پارسی لڑکی صوفیہ سوم جی سے شادی کی جبکہ ڈاکٹر خان کی بیوی انگریز عیسائی مذہب سے تعلق رکھتی تھی۔ خود ولی خان کے والد عبدالغفار خان کا بیان ہے کہ انہیں کبھی باقاعدہ مسلمان نہیں کیا گیا۔ انہیں اس کی پوری آزادی حاصل ہے کہ ان کا جو عقیدہ ہو' اس کی پیروی کریں۔"

("ولی خان جواب دیں" از ضیا شاہد)

""حنیف سولجر""

ہفت روزہ پاکیشیا کراچی نے اپنی اشاعت میں حج و مذہبی امور کے صوبائی وزیر حنیف سولجر کے بارے میں خبر دی کہ پاکستان پیپلز پارٹی سٹی ایریا کے نائب صدر کے چھوٹے بھائی نے اپنی دعوت ولیمہ کے سلسلے میں گورنر ہاؤس سے ملحق بارہ دری میں رقص و سرور کی محفل کا انعقاد کیا۔ شہری انتظامیہ نے کھلے عام ناچ گھانے کی اجازت دینے کا حل یہ نکالا کہ حنیف سولجر عشائیے میں خود شریک ہوں کیونکہ شادی والے گھرانے سے ان کے قریبی تعلقات تھے۔ وزیر کے ساتھ گارڈ ہو گی کسی کو مداخلت کی جرات نہ ہو گی۔ یوں رقص و سرور کی محفل بغیر کسی رکاوٹ کے حنیف سولجر کی برکت سے رات بھر جاری رہی۔ وقت مقررہ پر حنیف سولجر رونق محفل بنے رہے۔ انگور کی بیٹی سے شرکاء محفل جی بھر کر لطف اندوز ہوئے۔ حنیف سولجر شریک محفل ہوئے تو انہیں اتنا مزہ آیا کہ رات بھر بیٹھے مدہوش ہوتے رہے اور فجر کی آذان کے وقت پنڈال سے باہر آئے اسی روز بلدیہ ٹاؤن میں ایک دینی مدرسے کا افتتاح کرنا تھا۔ رات بھر لال پری انڈیلنے کے باعث حنیف سولجر اکھڑے ہوئے تھے چنانچہ جب وہ افتتاحی تقریب میں پہنچے تو رات بھر کا خمار ان کے چہرے سے عیاں تھا زبان ان کا ساتھ نہ دے رہی تھی۔ لڑکھڑاتی زبان سے انہوں نے چند رسمی کلمات ادا کئے اور جان چھڑانے ہی میں اپنی عافیت سمجھی۔

حنیف سولجر حج و مذہبی امور کے وزیر تھے۔ انہوں نے بھی اپنے آپ کو پارلیمانی مجرے کے رنگ میں رنگنے کی کوشش کی۔ مذہبی اقدار کی کھلے عام دھجیاں بکھیرنا اسلام کے نام پر قائم پاکستان میں مجرم کا درجہ اختیار کر چکی ہیں۔ جس ملک کا حکمراں طبقہ جشن و سرور کی محفلیں سجا کر جوانی کی بہاریں قطرہ قطرہ لوٹے وہاں شیطان بھی شرماتا ہو گا۔ شیطان کو مات دینے والے عام لوگ اور عام وزیر ہوں تو اتنی حیرت نہ آنے کی جتنی کہ حنیف سولجر جیسے مذہبی امور اور دینی امور سے واقفیت رکھنے والے شخص کے شیطانی کھیل میں شامل ہونے سے ہوئی۔

""گوہر ایوب""

گوہر ایوب خان فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کے ہونہار فرزند ہیں جو قومی اسمبلی کے سپیکر، وزیر خارجہ، وزیر پانی و بجلی رہ چکے ہیں۔ ان کی شہرت بحیثیت سیاست دان کم حسن پرست زیادہ ہے۔ فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کے معاشقے مشہور ہوئے البتہ جو شہرت گوہر ایوب خان کو ان کے معاشقوں کی وجہ سے ملی وہ بہت کم حسن پرستوں کا مقدر رہی۔ فیلڈ مارشل محمد ایوب خان اور گوہر ایوب خان کے معاشقوں میں اگر کسی چیز کا فرق ہے تو وہ وضع داری ہے۔ ایوب خان نے معاشقوں میں وضع داری کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا جبکہ گوہر ایوب خان نے تمام حدود پار کیں۔ گوہر ایوب خان نے میدان عشق ہی میں جھنڈے نہ گھاڑے بلکہ انہوں نے مالیاتی بے ضابطگیوں کے حوالے سے بھی بڑا نام کمایا۔ وہ ہر دو میدان میں اتنے ناسور ہوئے کہ ان کی برابری کی دعوے داری بہت کم لوگوں کو نصیب ہوئی۔ مالیاتی سکینڈلوں کو انہوں نے اپنی سیاست پر حاوی نہ ہونے دیا البتہ ان کے جنسی سکینڈل ان کی وزارت خارجہ کی جڑوں میں بیٹھ گئے۔ انہیں اپنی حسن پرستی کی بدولت وزارت کی قربانی دینی پڑی۔ ان کی حسن پرستی اور دامن کو ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ ان عاشقانہ طبیعت کی بدولت دامن کو پوری دنیا میں مشہور ہوا۔ اس واقعہ کی

تفصیل یوں ہے کہ گوہر ایوب واسن کو جو اسلام آباد میں ایک اہم ادارے کے سینئر افسر کی اہلیہ کے ساتھ بوس و کنار میں مصروف تھے برا یہ ہوا کہ جب گوہر ایوب حسن پرستی کی پوجا کر رہے تھے عین اسی لمحے ایک نامعلوم ڈاکو رنگ میں بھنگ ڈالنے کیلئے آدھمکا بات یہیں ختم ہوتی تب بھی کسی کو کانوں کان پتہ نہ چلتا مگر ڈاکو نے گوہر ایوب جیسے معزز سیاست دان کی شہرت کو چار چاند کرتے ہوئے وزیر صاحب کی شادی شدہ محبوبہ کا ہار، انگوٹھی اور نقد رقم لوٹ لی اور فرار ہو گیا۔ واقعہ کے بعد وزیر کی معشوقہ نے مطالبہ کیا کہ مجھے زیور خرید کر دے دو گھر والوں نے باز پرس کی تو معاملہ بگڑ جائے گا۔ سندھی اخبار کاوش کے مطابق وزیر صاحب نے روایتی کنجوسی کا مظاہرہ کیا چنانچہ وزیر صاحب کی عزت بچانے کے لئے ایک دوست میدان میں آیا اور اپنے دوست کی معشوقہ کو زیورات وغیرہ خرید کر دیئے مگر بات چھپائے نہ چھپی۔ حالانکہ گوہر ایوب نے معاملے کو خلاف حقیقت اور شہرت کو نقصان پہنچانے کی سازش قرار دیا مگر واسن کو میں 24 گھنٹے ڈیوٹی پر موجود اہلکاروں نے گوہر ایوب خان کی رنگین مزاجی کو چھپنے نہ دیا۔

میاں نواز شریف جو خود بھی خفیہ تعلقات کے معاملے میں خاصے مشہور ہیں تک گوہر ایوب خان کا کارنامہ پہنچا تو انہوں نے وزیر موصوف سے استعفیٰ مانگ لیا۔ وہ سرعام خوبصورت شادی شدہ معشوقہ سے بوس و کنار میں مصروف تھے سرونڈ حسینہ کے خوبصورت جسم کو اپنی بانہوں کے ذریعے اور شرابی ہونٹوں کو لبوں کے ذریعے سجدہ کرنے میں مصروف تھے۔ عشق کے پجاری گوہر ایوب نے بہتری وضاحتیں کیں جو ان کے کام نہ آ سکیں۔

یورپ کے تقریباً" تمام ممالک میں جنسی بے راہ روی روز کا معمول ہے یہی نہیں بلکہ ان کے کلچر کا حصہ ہے لیکن اس سب کے باوجود وہاں کے عوام اپنے قائدین کو ہر قسم کی بری عادات سے پاک دیکھنا چاہتے ہیں اگر وہاں کوئی بڑا عہدے دار اس طرح کے کسی سکینڈل میں ملوث ہو تو وہ خود مستعفی ہو جاتا ہے۔ امریکی صدر بل کلنٹن کو اپنی انہی حرکات کی بدولت تحقیقات کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کے برعکس ہمارے ہاں اس قسم کی کوئی روایت موجود نہیں حالانکہ ہمارے مذہب میں اس قسم کی باتوں کی قطعاً" کوئی گنجائش نہیں۔ ہمارے قائدین بظاہر اسلام کا نام لیتے ہیں لیکن ان کا باطن اسلام کی تعلیمات کی کھلم کھلا خلاف ورزی کرتا ہے۔ ہمارے ملک کی بدقسمتی ہے کہ اس میں اونچے طبقات سے تعلق رکھنے والی اکثریت شعائر اسلام کا سرعام مذاق اڑاتی ہے ان میں اتنی اخلاقی جرات نہیں ہوتی کہ وہ یا

تو اپنی اخلاقی حرکات کو درست کریں یا حکومتی عہدہ چھوڑ دیں۔

27 اکتوبر 1989ء ہمارے قومی اخبارات میں گوہر ایوب کی ایک غیر ملکی خاتون کے ساتھ رقص کرتی ہوئی تصویر شائع ہوئی۔ اس وقت گوہر ایوب صاحب سپیکر قومی اسمبلی تھے۔ اس پر عام لوگوں نے نہایت معمولی رد عمل کا اظہار کیا کیونکہ ان کے نزدیک اونچے طبقوں کا روز کا یہ معمول تھا۔ البتہ مذہبی جماعتوں کے قائدین نے بھرپور احتجاج کیا مگر سپیکر قومی اسمبلی نے بجائے اس کے کہ معذرت کرتے انہوں نے گوہر افشانی کی کہ "انڈونیشیا کے سفارت خانے میں ڈانس معمول کی بات تھی۔ یہ ایک اسلامی ملک روایتی رقص تھا۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس میں کوئی برائی ہے اس مسئلہ پر میرا ضمیر مطمئن ہے"۔

گوہر ایوب صاحب نے پتہ نہیں کس قسم کے ضمیر کی بات کی تھی حالانکہ اللہ اور اس کے رسولؐ کا فرمان ہے کہ "بندہ" جب اللہ کی نافرمانی کا راستہ اختیار کرتا ہے تو اس کے دل پر تل کے دانے کے برابر سیاہ دھبہ لگ جاتا ہے اگر بندے کو توبہ کی توفیق مل جائے تو وہ دھبہ دھل جاتا ہے ورنہ ہر گناہ کے ساتھ دھبے بڑھتے چلے جاتے ہیں تا وقتیکہ پورا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ ضمیر مردہ ہو جاتا ہے اور برائی پر ٹوکنے کی بجائے چپ سادھ لیتا ہے۔ جماعت اسلامی کے لیڈر حافظ محمد ادریس صاحب کے بقول فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کے نامور سپوت نے ایک بار پھر ان کی یاد تازہ کر دی۔

"بڑے میاں تو بڑے میاں چھوٹے میاں سبحان اللہ"

رقص و سرور کی محافل میں باقاعدہ شرکت گوہر ایوب کو پسند ہے مخلوط محفلیں، رقص و سرود، شراب و کباب، انہیں مغرب زدہ طبقہ ڈانس کو بطور شغل کے اپناتا ہے۔ گوہر ایوب کے یہ لچھن مغرب زدہ طبقے کی عکاسی کرتے ہیں۔ وزارت کا بیڑہ غرق کرنے کے باوجود ان کے عاشقانہ مزاج کو سکون نہ ملا۔ گوہر ایوب کی متنازعہ حرکات سے پورا ایوان بدنام ہوا۔ مغرب میں فحاشی و عریانی اور بے حیائی کو بری نگاہ سے دیکھا جانے لگا ہے۔ مگر ہمارے ہاں مغرب زدہ طبقہ ان بری اور اخلاق سے گری حرکات کا ارتکاب سرعام کرتا ہے۔ انڈونیشیا کے سفارت خانے میں ان کی رقصاں تصویر سے یوں دکھائی دیتا ہے گوہر ایوب خان ماہر رقاص ہیں، وہ قدم یوں اٹھا رہے تھے جیسے اعضاء کی شاعری کر رہے تھے اگر وہ تھوڑی سی محنت کریں تو اعضاء کی شاعری کا پورا دیوان مرتب کر سکتے ہیں انہیں فقط اپنی ذاتی البم کو سامنے لانا ہو گا۔

"اسلام الدین شیخ"

سابق رکن قومی اسمبلی نے اپنی عیاشی کے لئے اداکارہ خوشبو کے حسین و جمیل چہرے کا انتخاب کیا۔ کچھ عرصہ تک تو وہ رنگ رلیاں دولت کے بل بوتے پر مناتا رہا۔ شراب و شباب کے رسیا اسلام الدین شیخ کو لوگوں نے کئی بار اداکارہ خوشبو کو اپنی کار میں بٹھا کر سیر کراتے ہوئے دیکھا۔ دونوں کے جسمانی تعلقات جب ایک خوبصورت بچی کی صورت میں نکلے تو اسلام الدین شیخ کے لئے اب دو راستے تھے یا تو وہ تھانے کچہری کا سامنا کرتے اس سے جہاں ان کی بے عزتی ہوتی وہیں سیاسی کیریئر بھی تباہ و برباد ہو جاتا چنانچہ حسن پرور اسلام الدین شیخ نے اداکارہ خوشبو سے شادی کر کے دوسرا راستہ منتخب کیا۔

جب اسلام الدین شیخ معطل رکن قومی اسمبلی بنے تو قومی احتساب بیورو والوں نے اداکارہ خوشبو کو اپنی تحویل میں لے کر تفتیش کی جس وقت اداکارہ خوشبو قومی احتساب بیورو والوں کی گرفت میں آئی وہ اس وقت پی آئی اے کی ایک پرواز کے ذریعے کراچی سے لاہور آ رہی تھی۔ اسے الحمرا میں اپنے اسٹیج ڈرامے "بکرا قسطوں پر پارٹ 4" میں شرکت کرنا تھی۔ حساس ادارے کے افسران نے اسے جہاز سے آف لوڈ کر کے اس کے شوہر اسلام الدین شیخ کے بارے میں تفصیلات جاننا چاہیں تو جہاں اداکارہ خوشبو نے اسلام الدین شیخ کو اپنا شوہر تسلیم کیا وہیں پر یہ بھی تسلیم کیا کہ وہ اسلام الدین شیخ کی ایک بچی کی ماں بھی ہے یہی نہیں بلکہ اس نے یہ بھی کہا کہ موصوف اس پر ماہانہ لاکھوں روپے خرچ کرتا رہا ہے تاہم خوشبو نے یہ کہہ کر اپنی جان بچائی کہ وہ اب اسلام الدین شیخ کو چھوڑ چکی ہے پھر دو روز بعد اداکارہ خوشبو لاہور پہنچ گئی۔

مس جیالی خان

"بے نظیر بھٹو کی پولیٹکل سیکرٹری میڈم ناہید خان"

پیپلز پارٹی میں مثلث کار فرما تھی اس مثلث کے دو کونے بے نظیر بھٹو اور آصف علی زرداری تھے تیسرا کونا ناہید خان تھی۔ پیپلز پارٹی میں بے نظیر بھٹو کے بعد ناہید خان کا نام

اور حکم چلتا تھا۔ جس قسم کی شہرت مردوں میں مسلم لیگ کے شیخ رشید احمد کی ہے خواتین میں اس قسم کی شہرت ناہید خان کی ہے۔ ناہید خان تھی تو عورت مگر عورتیں اسے مرد سمجھتیں کیونکہ وہ اس سے پردہ کیا کرتی تھیں۔ میر مرتضیٰ بھٹو پیپلز پارٹی کو ناہید خان سے پردہ کرانا چاہتے تھے کیونکہ ایک بیان میں انہوں نے کہا تھا کہ "پیپلز پارٹی کو ناہید خان اور مشتاق اعوان سے بچانا ہو گا" ان کا بیان بے نظیر بھٹو تک پہنچا تو انہوں نے جہاں ناہید خان پر پہلے سے زیادہ اعتماد کرنا شروع کیا وہیں مشتاق اعوان کو پنجاب میں پارٹی کا صدر نامزد کر دیا۔ پارٹی ورکر بے نظیر بھٹو تک پہنچنے کے لئے ناہید خان کو سیڑھی بنایا کرتے۔ فخر زمان نے بھی پنجاب میں صدر بننے کے لئے ناہید خان کی آشیرباد حاصل کی تھی۔ فخر زمان لطیف و نازک جذبات رکھنے والا ادیب مشہور تھا مگر اندر سے وہ حسن پرست تھا۔ فخر زمان نے ناہید خان کی قربت میں رہ کر بہت کچھ سیکھا اس کا ثبوت یہ ہے کہ موصوف جہاں بھی جاتے شراب و شباب کا تقاضہ کرتے۔ فخر زمان پر اپنی بیوی کے قتل کا الزام بھی لگا جس سے وہ باعزت بری ہوئے۔ ناہید خان پر پارٹی کارکن جہاں مالی بدعنوانی کے الزامات لگاتے نہ تھکتے وہیں وہ یہ بھی الزام لگاتے کہ ناہید خان شراب کے بغیر نہ رہ سکتی۔ نوجوان صحت مند ورکر اس کی مجبوری تھے کارکنوں نے اس طرح کے اور بھی درجنوں الزامات پر مبنی ایک پمفلٹ شائع کیا۔ فخر زمان ناہید خان کے بہت قریب تھے چنانچہ صحت مند کارکنوں کی ناہید خان سے قربت کا الزام براہ راست فخر زمان کے سر لگا چنانچہ پمفلٹ اشاعت کے بعد ذرائع کے مطابق فخر زمان پریشان رہنے لگے۔ ناہید خان کی بہن کا معاشقہ حسین حقانی سے چلا اس زمانے میں حسین حقانی نواز شریف کے قریبی ساتھی تھے۔ نواز شریف کی تمام کمزوریاں اس ذریعے سے ناہید خان تک پہنچا کرتیں۔ ناہید خان پر شراب نوشی کے علاوہ یہ الزام بھی لگا کہ وہ ہر روز کسی نوجوان کا ذکر کیا کرتی۔ بے نظیر بھٹو سے ملاقات کے خواہش مندوں سے وہ سونے کی چوڑیوں کا مطالبہ کرتی۔ خوبرو اور صحت مند لڑکوں سے ملاقاتیں کر کے وہ بہت زیادہ خوش ہوا کرتی تھی۔ نوجوان لڑکوں سے ذکر کرنے والی ناہید خان سابق ڈپٹی سپیکر قومی

اسمبلی ڈاکٹر اشرف عباسی کے بیٹے کی بیوی بن گئی۔ دونوں کا معاشقہ بھی کافی عرصہ چلا۔

"ناہید خان کی شادی"

گزشتہ ہفتے دو خبریں انتہائی اہم تھیں، ایک پیپلز پارٹی والوں کی باجی ناہید خان کی شادی اور دوسری پنجاب کے وزیر اطلاعات و ٹرانسپورٹ جناب شفقت محمود کا استعفیٰ۔ یقین ہی نہیں آتا کہ یہ دونوں واقعات بھی ہو سکتے ہیں۔ ناہید خان ایک عرصے سے کنواری تھی، انہیں بے نظیر بھٹو کے ساتھ اتنی محبت تھی کہ انہوں نے کبھی اپنی شادی کے بارے میں سوچا بھی نہ تھا، مگر بے نظیر بھٹو ایک مدت سے ملک سے باہر ہیں اور پیپلز پارٹی بھی اب ایکٹو نہیں رہی تو ایسی صورت میں ناہید خان کے پاس کرنے کو کچھ تو ہوتا" چنانچہ انہوں نے شادی کر لی۔ کچھ نہ کچھ کرنے سے شادی کرنا بہتر ہے۔ بذریعہ اخبارات یہ بھی پتہ چلا کہ ان کی شادی ان کی بارہ سالہ محبت کا نتیجہ ہے، ساری محبت تو شادی سے پہلے ہو گئی اب شادی کے بعد کیا ہو گا؟؟

بعض لوگ ڈاکٹر ناہید شاہد کی طرح ناہید خان کو بھی مرد سمجھتے تھے اور خیال تھا کہ ان کی شادی کسی عورت کے ساتھ ہوگی، مگر ناہید خان نے ڈاکٹر صفدر عباسی کے ساتھ شادی کر کے ان کو حیران کر دیا۔ جہانگیر بدر سے کسی نے پوچھا کہ کیا آپ ناہید خان کی شادی پر جا رہے ہیں؟؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں تو پشاور جا رہا ہوں۔ جہانگیر بدر پشاور بار بار کیا لینے جاتے ہیں وہ شاید پیپلز پارٹی کو قومی سطح پر ایکٹو کرنا چاہتے ہیں۔ کبھی یہ پارٹی بین الاقوامی سطح پر ایکٹو ہوتی تھی۔

ناہید خان نے پیپلز پارٹی کے لئے بہت ظلم برداشت کئے، پھر پیپلز پارٹی کے دور حکومت میں انہوں نے مزے بھی خوب لوٹے۔ اب موجودہ حکومت میں مزے لوٹنے کا ایک ہی طریقہ تھا۔ ناہید خان نے وہی طریقہ اختیار کیا اور شادی کر لی۔ ناہید خان بینظیر بھٹو کے لئے اسی طرح تھیں، جس طرح نواز شریف کے لئے سیف الرحمٰن، مگر سیف الرحمٰن اور ناہید خان میں ایک فرق ضرور ہے ناہید خان بینظیر کے ساتھ ڈٹ کر کھڑی ہیں جبکہ سیف الرحمٰن نواز شریف کے ساتھ ڈٹ کے بیٹھ چکے ہیں۔ ایک ہمارے مشاہد حسین بھی ہیں جو حکومت کے خاص مہمان ہیں وہ چپ ہیں، لگتا ہے کہ پیچھے سے کوئی کام دکھانے والے ہیں۔ نواز شریف کو ہاتھ دکھانے والے اب حکومت کو اپنے کرتب دکھائیں گے تو بڑا مزا آئے گا۔ غیر منتخب لوگوں پر اعتماد بلکہ اندھا اعتماد کرنے کا انجام نواز شریف اب اپنی آنکھوں سے

دیکھیں گے۔ ناہید خان غیر منتخب ہونے کے باوجود اپنی پارٹی اور پارٹی لیڈر کی ہمیشہ وفادار رہیں اور میرے خیال میں یہ وفاداری شادی کے بعد بھی قائم رہے گی' کیونکہ ان کے شوہر کا تعلق بھی پیپلز پارٹی کے ساتھ ہی ہے اور وہ قومی اسمبلی کی سابق ڈپٹی سپیکر بیگم اشرف عباسی کے بیٹے ہیں۔ اب ناہید خان کے ساتھ ان کی شادی کے بعد پیپلز پارٹی کے ساتھ ان کا تعلق اور بھی گہرا ہو جائے گا۔ بینظیر بھٹو کو اس شادی میں شریک ہونا چاہئے تھا مگر وہ پاکستانی عوام کی محبت میں پاکستانی عوام سے بہت دور بیٹھی ہیں اس لئے وہ اس شادی میں شریک نہیں ہو سکیں البتہ انہوں نے ناہید خان کو ڈھیروں تحائف بھیجے ہیں' ویسے ڈاکٹر صفدر عباسی کے لئے ناہید خان کا تحفہ ہی کافی ہے۔

سنا ہے ڈاکٹر صفدر عباسی پہلے بھی شادی شدہ تھے' یعنی انہوں نے ناہید خان کی محبت سے پہلے بھی ایک شادی کی تھی۔ اب اگر ناہید خان انہیں مزید انتظار کرواتیں تو شاید وہ ان کی محبت میں دوسری شادی بھی کر لیتے" مگر شکر ہے ناہید خان جلدی مان گئیں۔ پیپلز پارٹی کی ناہید خان اور مسلم لیگ کے شیخ رشید دونوں کنوارے تھے۔ شیخ رشید کے حوالے سے تو ایک یہ عورت دعویٰ بھی کرتی رہی ہے کہ وہ ان کی بیوی ہے' مگر شیخ رشید اسے بیوی ماننے کے لئے تیار نہیں۔ ویسے شیخ رشید شادی شدہ کنوارے لگتے ہیں مجھے یقین ہے کہ ناہید خان کی شادی کے بعد اب وہ بھی اپنی شادی کے لئے ضرور سوچیں گے۔ شاید ملک سے باہر بھی وہ اسی مقصد کے لئے گئے ہوں۔ اب دیکھیں کہ وہ باہر رہ کر "میم" کرتے ہیں یا کوئی "گیم" کرتے ہیں۔ ناہید خان پیپلز پارٹی کی ایک ایکٹو خاتون تھیں' اس لئے ہو سکتا ہے کہ ان کی ایکٹویٹی ختم کرنے کے لئے حکومت نے خود ہی ان کی شادی کا اہتمام کیا ہو۔ اب اگر پی پی کی حکومت آئی تو عوام کو دو دو زرداریوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ناہید خان ایک عرصے سے کہہ رہی تھیں کہ ملک میں بہت جلد تبدیلی آنے والی ہے' اُن کی شادی کے بعد پتہ چلا کہ ملک میں کیا تبدیلی آنے والی تھی۔

توفیق بٹ کا کالم "حسب توفیق"

روزنامہ پاکستان اسلام آباد

"گورنر جنرل غلام محمد"

گورنر جنرل غلام محمد ہماری سیاست کے بڑے عجیب و غریب کردار ہیں۔ انہیں پاکستان کا دوسرا گورنر جنرل بننے کا اعزاز حاصل ہے۔ فالج کی حالت میں انہیں کرسی اقتدار پر بٹھایا گیا۔ فالج کے باعث ان کے منہ سے ہر وقت رال بہا کرتی فالج کا مریض پاکستان کے عوام کی تقدیر سے کھیلتا رہا۔ فالج زدہ گورنر جنرل اپنے چونچلوں سے باز نہ آیا اور روتھ بورل نامی خاتون کی زلفوں کا اسیر ہو گیا۔ یہ خاتون گورنر جنرل غلام محمد کے پرائیویٹ سیکرٹری کے طور پر کام کرتی وہ گورنر جنرل کے تمام سیاہ سفید اپنے ہاتھوں سرانجام دیتی۔ تمام کام گورنر جنرل غلام محمد کی معشوقہ اس طرح کرتی جیسے وہی اصل حکمران ہو غلام محمد کی حیثیت ایک مہرے کی ہو۔ وہ شکل و صورت میں نیم امریکن نیم سوئس تھی۔ قیامت خیز حسن کی مالک تھی۔ اگر وہ خاتون ناراض ہو جاتی تو گورنر جنرل ہاؤس کا تمام کاروبار بند ہو جاتا۔ اس خاتون کے تعلقات کو کسی بھی طبقے نے بھی حرف تنقید نہیں بنایا۔ گورنر جنرل تک پہنچنے والے سارے راستے روتھ بورل نامی خاتون سے ہو کر جاتے۔

''انھوں نے (گورنر جنرل غلام محمد) نے مجھے مسہری پر بٹھالیا اور فرش پر پڑی ہوئی فائل کا قصہ سنایا۔ بات یہ ہوئی کہ کل رات انھوں نے مس بورل کو ڈنر پر مدعو کیا تھا۔ وہ حسب معمول اپنی بوڑھی والدہ کو اپنے ساتھ لے کر آئی۔ یہ بات مسٹر غلام محمد کو پسند نہ تھی۔ ان کی خواہش تھی کہ مس بورل ڈنر پر تنہا آیا کرے۔ لیکن مس بورل اکثر ان کی اس آرزو کو پورا نہ کیا کرتی تھی۔ کل رات کے ڈنر کے دوران مسٹر غلام محمد نے مس بورل کی والدہ کے ساتھ بڑی بے رخی کا برتاؤ کیا اور کچھ نازیبا کلمات بھی کہے۔ مس بورل نے اس بات کا بہت برا منایا۔ آج صبح گورنر جنرل نے دسے ایک فائل کے ساتھ اپنے کمرے میں طلب کیا۔ وہ منہ پھلائے ہوئے آئی۔ مسٹر غلام محمد نے اسے حکم دیا کہ وہ صبح سویرے روتی صورت لے کر ان کے کمرے میں نہ آئے، بلکہ مسکراتی ہوئی ان سے ملے۔ مس بورل اسی طرح منہ پھلائے کھڑی رہی۔ گورنر جنرل نے تحکمانہ انداز میں کئی بار اسے مسکرانے کا حکم دیا تو اس نے غصے سے فائل زمین پر دے ماری اور روتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

اب مسٹر غلام محمد نے میرے ذمہ یہ ڈیوٹی سپرد کی کہ میں مس بورل کو سمجھا بجھا کر یہاں واپس لاؤں، وہ مسکراتی ہوئی کمرے میں داخل ہو اور بخوشی فرش پر پڑی ہوئی فائل اٹھا کر گورنر جنرل کے حضور میں پیش کرے۔ میں مس بورل کے پاس گیا، تو وہ غالباً اسی نوعیت کی طلبی کے انتظار میں بیٹھی تھی، وہ بڑی زیرک اور سمجھدار طبیعت کی لڑکی تھی اور مسٹر غلام محمد کی معذوریوں کی وجہ سے اسے ان کے ساتھ ایک خاص قسم کی ہمدردی تھی۔ میں نے اسے تاثر ہیں سمیت سارا واقعہ سنایا تو وہ فوراً میرے ساتھ چلنے پر آمادہ ہوگئی۔ گورنر جنرل کے کمرے میں داخل ہوتے ہی اس نے اپنی مسکراہٹوں کا فوارہ چھوڑا اور فرش پر پڑی ہوئی فائل اٹھا کر اسے بصد ادب و احترام ان کی خدمت میں پیش کیا۔ مسٹر غلام محمد کا چہرہ دودھ پیتے بچے کی طرح کھل اٹھا اور ان کے منہ کے دونوں کونوں سے بے اختیار رالیں ٹپکنے لگیں۔ پھر اچانک ان کی نظر مجھ پر پڑی، ان کی پیشانی پر بل پڑ گئے اور غرا کر بولے۔ تم یہاں کیا کررہے ہو، تمہیں یہاں کس نے بلایا ہے، فوراً میری نظروں سے دور ہو جاؤ۔۔۔۔''

(شہاب نامہ سے ایک اقتباس)

وہ غنویٰ بھٹو''

غنویٰ بھٹو اب پاکستان کی سیاست دان ہے ماضی میں وہ ایک رقاصہ تھی میر مرتضیٰ بھٹو نے جنرل ضیاء الحق کے مارشل لاء میں خود ساختہ جلاوطنی اختیار کی۔ پاکستانی عوام نے غنویٰ کا نام پہلی بار 1984ء میں سنا۔ اس وقت مرتضیٰ بھٹو دمشق میں جلاوطنی کی زندگی گزار رہا تھا۔ مرتضیٰ بھٹو کو اپنی بچی فاطمہ سے انتہا درجے کا پیار تھا۔ وہ اس کی تعلیم و تربیت میں کسی کوتاہی کا مرتکب نہیں ہونا چاہتا تھا۔ مرتضیٰ بھٹو یورپ کی کھلی فضاؤں میں پلا بڑھا تھا وہ تعلیم کے ساتھ ساتھ فاطمہ کو رقص کی تربیت بھی دلوانا چاہتا تھا اس زمانے میں دمشق میں ایک رقاصہ غنویٰ متقاوی کے بہت زیادہ چرچے تھے غنویٰ خود ہی ماہر رقاصہ نہ تھی بلکہ اس نے رقص کی تعلیم دینے کے لئے اعلیٰ پیمانے پر ایک سکول بھی قائم کر رکھا تھا چنانچہ مرتضیٰ بھٹو نے رقص کی تعلیم دلانے کے لئے فاطمہ کو غنویٰ کے سکول میں داخل کرا دیا۔

غنویٰ سے مرتضیٰ بھٹو کی پہلی ملاقات دمشق کے علاقہ مجاہد میں واقع انٹرنیشنل ہوٹل شیرٹن میں ہوئی۔ پہلی ہی ملاقات میں دونوں ایک دوسرے کی شخصیت کے سحر میں گرفتار ہو گئے یہی ملاقات 1989 میں نکاح پر منتج ہوئی۔

مرتضیٰ بھٹو غنویٰ کے عشق میں گرفتار ہو کر اسی کا ہو کر رہ گیا تھا۔ غنویٰ کے سیاست میں ہونے کے باوجود اسے عوام مرتضیٰ بھٹو کی بیوہ اور ذوالفقار علی بھٹو کی بہو کے علاوہ نہیں جانتے۔ غنویٰ ایک مظلوم بیوہ کی حیثیت میں سیاسی افق پر وارد ہوئی اور پھر اس نے مرتضیٰ بھٹو کی سیاسی وراثت کو اپنے نام کرنے میں دیر نہ لگائی۔

لبنان کی رقاصہ غنویٰ کے خواب و خیال میں بھی نہ تھا کہ وہ پاکستان میں رہائش اختیار کر سکے گی۔ یہی نہیں بلکہ پاکستان کی قومی سیاست دان بن جائے گی جنرل ضیاء الحق کی وفات کے بعد پاکستانی سیاسی افق پر بھٹو خاندان کا ستارہ دوبارہ طلوع ہوا مرتضیٰ بھٹو کی بہن بے نظیر بھٹو وزیر اعظم بنیں تو مرتضیٰ بھٹو نے تمام تر وسوسوں اور خدشات کے باوجود پاکستان لوٹنے کا فیصلہ کیا۔ پاکستان میں اس کے خلاف بے شمار مقدمات قائم تھے۔ 1993ء میں مرتضیٰ بھٹو پاکستان آگیا۔ ائیرپورٹ ہی سے اسے گرفتار کر لیا گیا۔ عدالتی مقدمات میں یکے بعد دیگرے مرتضیٰ بھٹو کی ضمانت ہوتی چلی گئی اور وہ ضمانت پر رہائی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ دوسری طرف قسمت دور کھڑی مرتضیٰ پر ہنس رہی تھی۔ عدالت سے رہائی پانے کے

بعد مرتضیٰ بھٹو کو آزاد فضاؤں میں سانس لینا نصیب نہ ہوا کیونکہ 20 ستمبر 1996ء کو ایک پولیس مقابلے میں وہ قتل کر دیا گیا۔ اس پولیس مقابلے کو کئی رنگ دیئے گئے جہاں مرتضیٰ بھٹو کے قتل کے بعد بے نظیر بھٹو کو وزارت عظمیٰ سے ہاتھ دھونے پڑے وہیں اس قتل کا ملزم علی ضیاء را کو ٹھہرایا گیا کیونکہ ذرائع کے مطابق مرتضیٰ بھٹو کے غنویٰ سے قائم تعلقات کا وہ بھی گواہ تھا اور وہ خود بھی غنویٰ کے عشق میں گرفتار تھا چنانچہ قتل میں رقابت شامل تھی۔

غنویٰ کی تعلیم بڑی واجبی سی ہے وہ میٹرک سے آگے تعلیم حاصل نہ کر سکی البتہ فنون لطیفہ میں دلچسپی اور شعری ذوق اسے پیدائشی طور پر ملا ہے ذوالفقار علی بھٹو نے نہ صرف اپنے ملک پر حکمرانی کی بلکہ اس نے تیسری دنیا کے مسائل پر بول کر پوری تیسری دنیا میں اپنا نام و مقام بنایا چنانچہ مرتضیٰ بھٹو کے قتل کے بعد غنویٰ کو مسئلہ درپیش تھا کہ وہ کیا کرے۔ پاکستان کی شہریت اس کے پاس نہ تھی اور وہ لبنان واپس جاتی تو بھٹو خاندان اس سے اپنا اکلوتا وارث چھین لیتا اس مرحلے پر لبنان کا حکمران رفیق حریری غنویٰ کی مدد کو سامنے آیا اور اس نے حکومت پاکستان سے خصوصی طور پر درخواست کی کہ غنویٰ کو پاکستان کی شہریت دی جائے۔ یوں جہاں غنویٰ پاکستانی پاسپورٹ حاصل کرنے میں کامیاب ہوئی وہیں ماضی کی رقاصہ پیپلز پارٹی (ش ب) کی چیئرپرسن بننے میں کامیاب ہوئی۔

غنویٰ مرتضیٰ بھٹو کے اکلوتے بیٹے ذوالفقار علی بھٹو جونیئر کی ماں ہے۔ اس کی خوبصورتی پر مرتضیٰ بھٹو اپنا مرا کہ پھر اسی کا ہو کر رہ گیا۔ 1985ء میں ان کے چھوٹے بھائی شاہنواز بھٹو کو فرانس میں قتل کیا گیا جس کے بعد مرتضیٰ بھٹو کے لئے وارث کی ضرورت دکھائی دی۔ اس کا یہ کام غنویٰ نے سرانجام دیا۔

"جہانگیر بدر"

جہانگیر بدر پیپلز پارٹی کے جیالا کلچر کا چیمپئن ہے وہ جہاں بے نظیر بھٹو کی گاڑی ڈرائیور کیا کرتا تھا وہیں اسے محترمہ سپریم کورٹ کا چیف جسٹس بنانا چاہتی تھی۔ بے نظیر بھٹو نے جہانگیر بدر کو سپریم کورٹ کا چیف جسٹس بنانے کا اعلان کر کے ملکی عدالتوں کے وقار پر تھپڑ رسید کیا تھا۔ عدالتوں کو اپنے طرز عمل سے اس کی تردید کرنی چاہیے مگر لوگوں کے بقول عدالتیں بھی ہمارے معاشرے کا عکس ہیں۔

جہانگیر بدر "تھڑا لیڈر" کی شہرت رکھتے ہیں وہ پیپلز پارٹی کے مرکزی سیکرٹری جنرل۔ وفاقی وزیر اور سینیٹر بنے۔ اس سب کے باوجود وہ بدستور تھڑوں پر بیٹھ کر عام کارکنوں سے گپ شپ لگایا کرتے۔ غریب زادے کے منہ دولت لگتی ہے تو اس کے چونچلے بھی شہزادوں جیسے ہو جاتے ہیں۔ جہانگیر بدر کے پاس بھی دولت اختیار آیا تو انہوں نے وہی کھیل کھیلا جو ہمارے سیاست دان کھیلنے میں مشہور ہیں۔ وہ ملکہ ترنم نور جہاں کی بیٹیوں کے عاشق ہیں یہ

urdunovels.net

راز اس وقت کھلا جب محکمہ انکم ٹیکس کے اہلکاروں نے ٹیکس کی وصولی کے لئے ملکہ ترنم نورجہاں کے گھر چھاپہ مارا تو وہاں جہانگیر بدر پہلے سے موجود تھے۔ انہوں نے اہلکاروں کو ہاتھ ہولا رکھنے کو کہا مگر اہلکاروں نے ان کی بات سنی ان سنی کر دی انہوں نے فوراً "امیر خان کو فون کیا۔ اہلکاروں نے اس سے فون چھین لیا اور ساتھ ہی حنا اور جہانگیر بدر کے خفیہ تعلقات کو افشا کر دیا۔ جہانگیر بدر حیران ہو گئے۔ ملکہ ترنم نورجہاں نے مداخلت کرتے ہوئے کہا "حنا کے عاشقوں کے نام مت لو میں ٹیکس ادا کروں گی"۔

جہانگیر بدر کے بارے میں یہ بھی پتہ چلا کہ وہ نورجہاں کی صاحبزادی ظل ہما کا بھی عاشق تھا وہ اس سے شادی تک کا امیدوار تھا۔ یہ بھی پتہ چلا کہ پیپلز پارٹی کا ایک ورکر اختر جہانگیر بدر کو لڑکیاں سپلائی کیا کرتا تھا۔ جہانگیر بدر باپ ہونے کے باوجود کہتا تیرہ چودہ سال کی لڑکی لانا اس سے زیادہ کی نہ لانا۔ اس لئے اختر کو کلیاں ہی ڈھونڈنی پڑتی تھیں۔

"طاہر سلطان"

طاہر سلطان جھنگ کے معزز خاندان سے ہیں وہ ممبر قومی اسمبلی رہے۔ ان کے پاس بھی دولت اور اختیار کی فراوانی تھی۔ دل پشوری کرنے میں وہ اپنے دوستوں سے پیچھے نہ تھے۔ ان کی بیگم نے ان کی نازیبا حرکات کو عدالت میں ایک رٹ کے ذریعے عام لوگوں کو دکھایا ہے۔ شبانہ جیلانی نے کہا کہ میری شادی 10 مئی 1989ء کو طاہر سلطان سے ہوئی۔ میری ایک بیٹی شرمین سلطان اور ایک بیٹا حیدر سلطان پیدا ہوا۔ کچھ عرصہ تو ہمارے تعلقات بہت اچھے رہے بعد ازاں خرچ نہ دینا اور گھر سے اکثر باہر رہنا طاہر سلطان کا معمول بن گیا۔ وہ گھر تھوڑی دیر کے لئے آتا زیادہ وقت گھر سے باہر رہنے لگے باز پرس پر طاہر سلطان کے جواب سے میری تسلی نہ ہوئی پھر مجھے پتہ چلا کہ میرے شوہر کے غیر عورتوں سے تعلقات ہیں وہ اپنی تمام آمدنی شراب نوشی اور عیاشی پر خرچ کرتا ہے۔ شراب و شباب پر اپنی دولت لٹاتا میرے شوہر نے ایک بدکردار عورت شائلہ سے شادی رچائی ہوئی ہے۔ اس نے مزید بتایا کہ شائلہ مالدار مردوں کی جائیداد ہڑپ کرنے کے لئے شادی کا ڈرامہ کھیلتی ہے۔ شائلہ نے طاہر سلطان کے ساتھ بھی اسی قسم کا کھیل کھیلا اور دو کروڑ سے زائد کی اراضی اپنے نام کرا لی۔ سول جج آغا انعام الرحمٰن جھنگ کی عدالت میں طاہر سلطان کی بیوی نے خرچہ کی وصولی کے لئے دعویٰ دائر کر کے ایک معزز گھرانے کو سرعام رسوا کیا۔

"مخدوم بابر"

سٹیج اور فلم کی اداکارہ علیشاہ ایورنیو سٹوڈیو سے "تیری عاشق ہوں" کا خصوصی شو دیکھنے کے بعد رات 3 بجے سٹوڈیو سے ایک فلمی ہدایت کار اور اپنے سیکرٹری کے ہمراہ نکلی۔ سٹوڈیو سے نکلنے کے بعد انہوں نے تھوڑا فاصلہ ہی طے کیا تھا کہ کالے رنگ کی ایک تیز رفتار کار نے ان کا پیچھا کرنا شروع کر دیا۔ ملتان روڈ پر پہنچ کر کار نے تیزی سے علیشاہ کی گاڑی کو اوور ٹیک کیا اور گاڑی کا راستہ روک دیا ایک نوجوان کار سے اترا علیشاہ کی گاڑی کا پچھلا دروازہ کھول کر کار میں بیٹھ گیا اور ڈرائیور کو فلیٹیز ہوٹل چلنے کو کہا۔ انکار کی صورت میں گولی مارنے کی دھمکی دی۔ ڈرائیور نے بدحواسی کی حالت میں گاڑی چلا دی تھوڑی دور جانے کے بعد اس کو راستہ میں پولیس موبائل دکھائی دی تو اس نے گاڑی کو تیزی سے روک دیا پولیس قریب آئی اور معاملہ پوچھا۔ صورت حال کا پتہ چلنے پر پولیس اہلکاروں نے نوجوان کو گرفتار کرنے کی کوشش کی تو اس نے تلاشی کا آخری پتہ کھیلتے ہوئے فوری طور پر اپنا تعارف کرایا کہ میں وفاقی وزیر کا بیٹا ہوں میرا نام مخدوم بابر۔ جب تعارف سنتے ہی پولیس والوں کے ماتھے پر پسینہ چمکنے لگا اور ان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ بات تھانے پہنچے بغیر ہی ختم ہو گئی پولیس والوں نے مخدوم بابر کو عزت و احترام کے ساتھ رہا کر دیا۔

وفاقی وزیر ہو یا صوبائی حسیناؤں کے وہ خود ہی عاشق نہیں بلکہ اس قسم کے جرائم ان کی اولادوں میں بھی منتقل ہو چکے ہیں۔ بازار حسن کی حسیناؤں پر بڑھ چڑھ کر دولت لٹانا ان کا مشغلہ ہے۔ کبھی کبھار پھنس جائیں تو اپنا تعارف کروا کر صاف نکل جاتے ہیں۔

معاشرے کے نام پر ان بدنما داغوں کو دھونے کی نہ کوئی کوشش کرتا ہے نہ ہی کسی میں ہمت پڑتی ہے کہ وہ ان داغوں کو برا ہی قرار دے ڈالے۔ رقص و سرود کی محفلیں جما کر جوانی کی بہاروں سے لطف اندوز ہونا ان کی مجبوری ہے۔ شراب و شباب کے رسیا بگڑے ہوئے رئیس زادے اپنے کرتوتوں کی وجہ سے نہ تو نادم ہوتے ہیں نہ ہی پشیمان بلکہ سینہ تان کر بتاتے ہیں میں فلاں وفاقی وزیر کا بیٹا ہوں۔

"مختار اعوان"

پیپلز پارٹی غریبوں کا نام لے کر سیاسی افق پر طلوع ہوئی۔ معاشرے کے پسماندہ طبقے کی ترجمانی کرنے کی دعوے دار پارٹی میں جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کا گروہ اپنے مفادات کی حفاظت کرنے میں مصروف رہا۔ بھٹو کا کارنامہ ہے کہ اس نے غریبوں کے منہ میں زبان ڈالی۔ معاشرے کی پسماندہ روایات کو نکھارنے کا کام بھٹو کے حصہ میں آیا۔ افسوس کہ بھٹو کی قائم کردہ روایات کو آگے نہ بڑھایا گیا۔ جاگیرداروں اور سرمایا داروں نے غریبوں کے نام پر قائم کی گئی پارٹی میں گھس کر اپنے مفادات کا تحفظ ہی نہ کیا بلکہ انہوں نے پارٹی کی آڑ میں اپنی عیاشیوں کو پروان چڑھایا۔ عیاش پسندوں کی عیاشیاں دیگر سیاسی پارٹیوں کی طرح پیپلز پارٹی میں بھی خوب پروان چڑھیں۔ ایسے ہی عیاش پسندوں میں ایک چہرہ مختار اعوان کا ہے اپنی عیش پسند طبیعت کی بدولت وہ کئی بار سر عام رسوا ہوئے مگر گل کھلانے سے پھر بھی باز نہ آئے۔ ان کے بارے میں اکثر لوگ یہ کہا کرتے تھے کہ "مختار اعوان کو عشق نے نکما کر دیا ہے"

مختار اعوان کی سی رسوائی کم ہی دوسرے سیاست دانوں کا مقدر بنی کہ بے نظیر بھٹو کے دور حکومت میں اسلام آباد کے فائیو سٹار ہوٹل میں ایک معروف ماڈل گرل سے اپنی جنسی پیاس بجھانے میں مصروف تھے کہ ان کی بیوی نے دونوں کو رنگے ہاتھوں پکڑ لیا اور پھر مختار اعوان کی اپنی بیوی کے ہاتھوں وہ بے عزتی ہوئی کہ بیان سے ہی باہر ہے۔

تفصیل کے مطابق مختار اعوان معروف ماڈل گرل سے اپنی جسمانی تھکن اتارنے میں مصروف تھے کہ کسی ملازم کے ذریعے اطلاع ان کی بیگم تک جا پہنچی۔ موصوفہ نہایت دبدبے اور جلال والی خاتون ہیں۔ فوراً ہوٹل پہنچ گئیں میریٹ ہوٹل اسلام آباد کی لابی تک شوہر نامدار کے ناشائستہ لباس میں گھسیٹتے ہوئے لائیں یہی نہیں بلکہ انہوں نے جوتوں کے ذریعے ان کے سر سے عشق کا بھوت اتارنے کی بھی کوشش کی۔ بیگم کے ہاتھوں ان کی اتنی پٹائی ہوئی کہ موصوف نے ننگے پاؤں بھاگنے میں عافیت سمجھی۔

"شیخ رشید احمد"

شیخ رشید احمد کو لوگ بحیثیت سیاست دان کم اور بحیثیت کنوارے کے زیادہ جانتے ہیں شیخ رشید احمد کی زبان درازی بھی مشہور ہے ایک تقریب میں وہ ایک عورت کے لباس کی تعریف کر رہے تھے کہ بات عورت کی جوتی تک جا پہنچی جس پر عورت نے کہا تو پھر جوتی اتاروں۔ چرب زبان شیخ رشید نے فوراً "انکار" میں جواب دیا کہ تمہاری شلوار بھی تو بہت خوبصورت ہے۔

شیخ رشید احمد کا تعلق کسی بہت بڑے گھرانے سے نہیں بلکہ انہوں نے ایک متوسط گھرانے میں آنکھ کھولی۔ ابھی نابالغ عمر ہی تھے کہ انہوں نے سیاست میں دلچسپی لینی شروع

کر دی۔ طالب علم لیڈر کے طور پر انہوں نے خاص نام کمایا۔ تحریک نظام مصطفیٰ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔ شیخ رشید کے ہاتھ میں اقتدار آیا تو اس نے عیاشیوں میں عرب شہزادوں کو بھی پیچھے چھوڑ دیا۔ دولت جیسے ہی شیخ رشید کے ہاتھ لگی غریب زادے شیخ کو عیاش پرست بننے میں دیر نہ لگی۔ اس کی عیاشی کے چرچے گلیوں بازاروں میں گونجے۔

قیام پاکستان کے بعد سے جنسی سکینڈلوں میں شیخ رشید نے بڑا نام کمایا بڑے بڑے حسن پرست اس کے کارنامے دیکھ کر حیران و پریشان ہوئے فلمی نگری کی خوبصورت ہیروئنیں تو شیخ رشید کے ساتھ منسوب نہ ہو سکیں بلکہ اسلام آباد کی مخصوص محفلوں کو رنگین بنانے والی ہر جسم فروش لڑکی کے ساتھ شیخ رشید کا نام لگا۔ شیخ رشید احمد مجبور لڑکیوں کی مجبوریوں کا فائدہ اٹھایا کرتا۔ جن دنوں وہ وزیر تھا کوئی مجبور لڑکی کسی داد رسی یا حصول ملازمت کے لئے شیخ رشید کے پاس پہنچی تو وہاں سے عزت گنوا کر گھر لوٹی۔

نواز شریف کے پہلے دور اقتدار میں شیخ رشید احمد نے خوب گل چھرے اڑائے اس زمانے میں عام لڑکی ہی نہیں بلکہ اونچے گھرانوں کی خوبصورت حسیناؤں کے ساتھ شیخ رشید کا نام سنائی دیتا۔ عیاشی کے معاملے میں اس زمانے میں شیخ رشید کی پانچوں گھی اور سر کڑاہی میں والی پوزیشن تھی۔ جو لڑکی شیخ رشید کی عیاشی کے چنگل میں کسی لالچ کے عوض بھی نہ پھنستی تو وہ اسے شادی کا لالچ دیتا۔ جنسی کھیل رچا کر بدن کی آگ ٹھنڈی کرتے ہی وہ اپنے وعدے سے مکر جاتا۔

شیخ رشید کا نام عرصہ دراز تک اداکارہ ریما کے ساتھ لیا گیا کئی لوگوں نے یہاں تک بھی بات کی کہ اداکارہ ریما سے شیخ رشید نے شادی کی ہوئی ہے ایسے ہی ایک سوال کے جواب میں انہوں نے جواب دیا "جس شخص کو پینے کے لئے ہر روز تازہ دودھ ملتا ہے بھینس پالنے کی کیا ضرورت ہے" یہ الفاظ اس سیاستدان کے ہیں جو تحریک نظام مصطفیٰ میں اسلام کا نام لے کر چلا گیا اس زمانے میں لوگ ان کی بہت زیادہ تعریف کیا کرتے تھے۔ ان کے کردار کے حوالے دیا جایا کرتے۔ مذکورہ بالا جواب دے کر شیخ رشید نے اپنے آپ کو جسموں کا کاروبار کرنے والا بہت چالاک ثابت کیا۔ ہٹ دھرمی اور ڈھٹائی دیکھئے کہ نہ تو کبھی نادم ہوئے اور نہ ہی اپنے کردار کی اصلاح کی طرف توجہ دی۔

جس طرح بگڑ گھوڑے کو خدا شتر بے مہار دیتا ہے اسی طرح شیخ رشید جیسے بتی چوری خور کی دلی مراد یوں پوری ہوئی کہ وہ وزیر ثقافت بن گئے۔ پھر انہوں نے جی بھر کر حسیناؤں کی گلاب جیسی ہونٹ کی پنکھڑیوں کو عرق گلاب سمجھ کر اپنے منہ میں چوسا۔ اس زمانے میں شیخ رشید احمد کی نظر کرم جس اداکارہ پر بھی پڑتی وہ ملک کی سب سے بڑی اداکارہ بن جاتی۔ حسین و جمیل شکل چہرہ شیخ رشید کی رات کو رنگین بناتا تو انعام میں وہ ملک کا مقبول ترین چہرہ بن جاتا۔ چہروں کا کاروبار کرنے والوں میں اس کی مانگ میں بے پناہ اضافہ ہوتا جو اداکارہ انکاری ہوتی وہ گوشہ گمنامی میں چلی جاتی۔ اس زمانے میں ایک واقعہ اداکارہ انجمن کے ساتھ بھی ہوا شیخ صاحب نے اداکارہ انجمن کو فون کر کے خوشخبری سنائی کہ آپ کو بیسٹ ایکٹریس ایوارڈ دیا جا رہا ہے۔ انجمن فوراً "اسلام آباد پہنچ گئی جس کی خبر شیخ رشید صاحب تک بھی پہنچ گئی۔ عیش و مستیوں کے شوقین شیخ نے رات کو انجمن کو فون کیا کہ وہ ان کے ساتھ جانے پینے کے لئے تشریف لائے ساتھ ہی شرط یہ رکھی تنہا آئے انجمن نے جواب دیا کہ وہ تنہا نہیں آ سکتی۔ شیخ صاحب غصے میں آگ بگولہ ہو گئے۔ شیخ صاحب نے لال حویلی میں مستی و سرور کی ایک محفل کا انعقاد کر رکھا تھا وہ انجمن کے ذریعے محفل کی رونق دوبالا کرنا چاہتے تھے انہوں نے بار بار انجمن کو فون کیا جواب میں انجمن نے ہر بار انکار کیا۔ شیخ رشید نے تنگ آ کر محفل میں رنگ بھرنے کے لئے رنگ رنگیلی اور مست جوانی کی حامل ریما کو مدعو کر لیا۔ ریما نے شیخ صاحب کو مایوس نہ کیا۔ شراب و شباب کی محفل کو ریما نے اپنے خوبصورت جسم کے ذریعے چار چاند لگا دیئے اگلے روز جب بیسٹ ایکٹریس کے ایوارڈ کا اعلان ہوا تو انعام کی حق دار انجمن کی بجائے ریما ٹھہری۔ ریما نے اپنے حسن و جمال کا جادو چلا کر ایوارڈ حاصل کیا۔ یوں شیخ رشید کی چاہنے کی دعوت رد کر کے انجمن کو ایوارڈ سے محروم ہونا پڑا۔

شیخ رشید احمد کی موجودہ رہائش گاہ لال حویلی کی بھی ایک اپنی تاریخ ہے۔ قیام پاکستان سے قبل یہ ایک ہندو ناچنے والی "بدھو بائی" کی ملکیت تھی۔ تقسیم کے بعد بدھو بائی تو یہاں سے چلی گئی البتہ اس کی روایات کو شیخ رشید صاحب نے برقرار رکھا ہوا ہے وہ وہاں باقاعدگی سے محفل ناؤ نوش اور ساز و آواز کا سلسلہ قائم رکھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ ہم شیخ کو تاریخ سے محبت کرنے والا فرد قرار دے سکتے ہیں۔ سابقہ لال حویلی اور موجودہ لال حویلی میں یہ فرق ہے کہ اب شیخ صاحب خود ...

دل اچھلتے رہتے ہیں۔

ریما کو ایوارڈ سے نواز کر شیخ نے حسن پرستی کا ثبوت دیا وہ ایوارڈ انجمن ہی کو دینا چاہتے تھے مگر انجمن نے دعوت ٹھکرا کر ایوارڈ کو بھی ٹھوکر مار دی۔ ریما کو ایوارڈ سے نواز کر انھوں نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنے آپ کو موٹے گوشت کی بجائے چھوٹے گوشت کے لئے وقف کر دیا۔ ریما نے اپنی کافرانہ اداؤں سے شیخ رشید کو ہمیشہ کے لئے اپنی مٹھی میں بند کر لیا۔ ایوارڈ کی تقریب میں ریما ایوارڈ کے لئے سٹیج پر گئی تو سازندوں نے بیک گراؤنڈ میں شادی کی دھن بجانی شروع کر دی۔ اللہ جنت نصیب کرے دلدار پرویز بھٹی مرحوم کو جس نے موقع کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے شیخ رشید کو چٹکی کاٹی کہ "جناب اس کو مائنڈ نہ کریں یہ سازندے بھی ایجنسیوں کے کارندے ہیں"

ریما اور شیخ کی محبت کے تذکرے زبان زد خاص و عام ہوئے۔ ایک روز ریما نے خود جوش جذبات سے مغلوب ہو کر اپنے انٹرویو میں اعتراف کیا کہ شیخ رشید نے مجھے شادی کی آفر بھی کی مگر بات آگے نہ بڑھی۔ ذرائع نے تو یہاں تک بتایا کہ شیخ نے ریما کی ماں کے آگے ہاتھ جوڑ کر منت سماجت کی تھی کہ انھیں "فرزندی" میں قبول کیا جائے۔ بچی کے دھن کی انڈسٹری چلانے والی ماں نے جواب دیا "ریما تمھارے ساتھ بھی بیویوں سے بڑھ کر وقت گزارتی ہے تم باقاعدہ اپنا کام کر لیتے ہو تمھیں شادی کی کیا ضرورت ہے؟"

روزنامہ خبریں نے اپنی 3 مئی 1993ء کی اشاعت میں خبر دی کہ "ایک مرتبہ نواز شریف اپنے ساتھیوں کے ہمراہ لاہور سے کوئٹہ جا رہے تھے۔ طیارے میں موجود لڑکیوں نے نواز شریف سے آٹوگراف لینے شروع کر دیئے۔ نوخیز حسن دیکھ کر شیخ صاحب کا دل مچلنے لگا اور وہ بے قابو ہو گئے۔ انھوں نے آٹوگراف لینے والی لڑکیوں کو گھیر لیا اور ہنسی مذاق کرنے لگے وہ ہر لڑکی کے پاس جاتے اسے اپنا ٹیلی فون نمبر دیتے۔ لڑکیوں نے جواباً انھیں سخت سست کہا اور ریما تک محدود رہنے کا مشورہ دیا۔ وہ حسن کی بے رخی دیکھ کر مچل گئے کہنے لگے میں حسن پرست ہوں۔ میری حیثیت مقناطیس کی سی ہے۔ ہر جگہ حسین لڑکیاں میری طرف کھنچی چلی آتی ہیں" اس پر قریب بیٹھے ایک بزرگ نے انھیں مشورہ دیا کہ آپ خواتین سے گفتگو کرتے وقت کم از کم اپنی پوزیشن کا تو خیال کریں۔ شیخ رشید نے بات کا رخ موڑتے ہوئے کہا حسین لڑکیو! میں سونیا ہوٹل میں قیام کروں گا آپ مجھ سے ملنے آئیں تو مجھے خوشی ہو گی اس پر لڑکیوں نے کہا کہ ہم آپ سے نہیں نواز شریف سے آٹوگراف لینے آئی ہیں

آپ اپنا منہ دھو رکھیں۔ لڑکیوں کے جانے کے بعد شیخ نے عبدالستار ایدھی سے کہا "ایدھی صاحب آپ دیکھ لیں گے کل تک یہ لڑکیاں مجھ سے ملنے ہوٹل ضرور آئیں گی۔" یہ سارا ڈرامہ میاں نواز شریف کی موجودگی میں ہوا لیکن انھوں نے شیخ صاحب کی کوئی سرزنش نہیں کی۔

وہ جہاں بھی جاتے بھنورا بن کر کلیوں سے چمٹنے کی کوشش کرتے۔ پاکستان کے ہر اخبار میں ان کی رنگین مزاجی کے قصے چھپے۔ تیکھے نقوش، دراز قد، سراپا حسن سے مالا مال جسم میں مقناطیسی کشش کی حامل معروف اداکارہ فریال گوہر کو جب ایس ٹی این پر چلنے والے ڈرامے خواہش میں شیخ رشید نے دیکھا تو ان کی رال ٹپکنے لگی۔ شیخ رشید نے فریال گوہر کو دعوت عشق دے ڈالی۔ فریال گوہر نے آزاد عورت ہونے کے باوجود شیخ کے حسن پرست بستر کی زینت بننے سے انکار کر دیا۔ فریال گوہر کا شوہر جمال شاہ مصر تھا کہ اس کی بیوی شیخ کی راتوں کو رنگین بنائے مگر وہ اپنی بیوی کو منانے میں ناکام رہا۔ جمال شاہ بیوی کو شیخ صاحب کی خدمت میں پیش کر کے اپنے مفادات حاصل کرنا چاہتا تھا بعد میں جمال شاہ

اور فریال گوہر میں علیحدگی ہو گئی اور فریال کو اکثر شیخ رشید کے ساتھ دیکھا جانے لگا۔

ایک بار شیخ رشید اور اعتزاز احسن کے درمیان پارلیمنٹ کے فلور پر مڈبھیڑ ہو گئی۔ اعتزاز احسن نے آن دی فلور کہا میں بھی آج وفاقی وزیر کے پول کھولوں گا اور ایوان کو بتاؤں گا کہ شیخ رشید جہاد کشمیر کے نام پر قائم کیے جانے والے کیمپ میں ہوائیں چھوڑتے رہے۔ میرے پاس اپنی بات کو ثابت کرنے کے تصویری ثبوت موجود ہیں جنہیں میں کل ایوان میں پیش کروں گا۔ بعد میں دونوں فریقین میں راضی نامہ ہو گیا۔ شیخ رشید نے بھارت کو سکھوں کی لسٹیں فراہم کرنے کا معاملہ نہ اٹھایا اور اعتزاز احسن جہاد کشمیر کے نام پر قائم کیمپ میں ہوائیں چلانے کا الزام ہونٹوں پر نہ لا سکے۔

شیخ رشید احمد وفاقی وزیر ہونے کے باوجود گندی اور غلیظ زبان استعمال کیا کرتے تھے۔ خواتین کے جلسوں میں وہ ذو معنی باتیں کیا کرتے تھے۔ اپنی تقریر کے دوران ایسی گندی زبان استعمال کرتے کہ خواتین شرم سے پانی پانی ہو جائیں اس موقع پر بجائے اس کے وہ نادم ہوتے الٹا جواب دیتے میں برطانوی حال میں تقریر کرتا ہوں اگر اس کا کوئی غلط مطلب لیتا ہے تو میرا کیا قصور ہے۔ پارلیمنٹ کے اندر وہ وزیر اعظم بے نظیر بھٹو تک کو اپنی گندی اور غلیظ زبان کے ذریعے مخاطب کرتے اور اپنی زبان کے ہاتھوں وہ جیل گئے۔ اخلاق ورا لے کا شکار شیخ رشید سرعام فحش گفتگو کیا کرتے۔

شیخ صاحب اپنے مخصوص مشاغل کی بدولت بڑے مشہور ہوئے وہ مائیکل جیکسن اور میڈونا کے پرستار تھے۔ انہوں نے دونوں کو پاکستان کی دعوت دی۔ عوام اور علماء نے احتجاج کیا تو فرمانے لگے ہم مولویوں سے نہیں ڈرتے۔ مائیکل جیکسن اور میڈونا ضرور پاکستان آئیں گے۔ علماء کا کیا ہے انہوں نے ہوائی جہاز اور لاؤڈ سپیکر کی بھی مخالفت کی تھی اس لئے ایسے لوگوں کی مخالفت کی ہم پرواہ نہیں کرتے یہ شور مچاتے رہیں ہم اپنے معزز مہمانوں کو ضرور بلائیں گے۔

فروری 1998ء ملتان میں تہمینہ دولتانہ نے کھلی کچہری کا انعقاد کیا جس میں مختلف لوگوں نے اپنے مسائل پیش کئے۔ نورین نامی طالبہ آگے بڑھی اور بولی "بیگم صاحبہ" میرا نام نورین ہے میں آپ کی توجہ اپنے اوپر ہونے والے ایک ظلم کی طرف مبذول کروانا چاہتی ہوں۔ مسلم لیگ سٹی کی صدر سلطانہ شاہین نے مجھے نوکری کا جھانسہ دیکر اسلام آباد بلایا اور وہ مجھے ایک وفاقی وزیر کے کمرے میں لے گئی۔ نورین نے گلوگیر آواز میں کہا وفاقی وزیر

نے میری عزت لوٹنے کی کوشش کی میں بمشکل اپنی جان و عزت وہاں سے بچا کر واپس آنے میں کامیاب ہوئی۔ نورین نے اپنی دکھ بھری کہانی ایک ہی سانس میں کہہ سنائی۔ بات کرنے کے بعد اس نے ایک چٹ پر وفاقی وزیر کا نام لکھ کر تہمینہ دولتانہ کی طرف بڑھائی۔ اخبار نویسوں نے وفاقی وزیر کا نام پوچھنا چاہا تو تہمینہ دولتانہ نے بات گول کر دی۔ بعد ازاں بات پورے ملک میں پھیل گئی کہ نورین کو نوکری کا جھانسہ دیکر عزت لوٹنے کی کوشش کرنے والے درندے کا نام وفاقی وزیر شیخ رشید ہے نورین کھلی کچہری میں حصول انصاف کے لئے گئی تھی۔ حکومت کی نمائندہ عورت ہونے کے باوجود تہمینہ دولتانہ اپنی ہم جنس کو انصاف نہ دلوا سکی۔

"میر افضل خان"

میر افضل خان نے صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ کے طور پر خاصی شہرت کمائی۔ انہوں نے جوڑ توڑ کے ذریعے اپنی حکومت برقرار رکھی۔ ان کا تعلق مردان سے تھا۔ ان کی رنگین مزاجی کا ایک قصہ نسیم جان نامی عورت کے ذریعے سامنے آیا۔ نسیم جان ریڈیو پر گایا کرتی تھی کہ 1967ء میں میر افضل خان اس حسینہ پر اپنا دل ہار بیٹھے اس وقت اس کی عمر 13، 14 برس تھی۔ کچی عمر میں وہ قیامت خیز اداؤں کے ساتھ میر افضل خان کے دل میں بس گئی۔ میر صاحب رقص و سرود کی محافل میں شریک ہوا کرتے تھے۔ انہوں نے جب نسیم جان کی آواز میں گانا سنا تو پھر اسی بلبل کے ہو کر رہ گئے۔ انہوں نے کچھ عرصہ عشق نبھایا مگر صوبہ سرحد میں عاشقوں کو گولی کا انعام دیا جاتا ہے چنانچہ عاشق مزاج میر افضل خان نے نسیم جان سے باقاعدہ شادی کا فیصلہ کیا اس شادی میں نسیم جان کے گھر والے بھی شریک ہوئے۔ 16-17 برس کی عمر میں نسیم جان کی آواز ہی میں مقناطیسیت نہ تھی بلکہ اس کے جسم میں بھی مردوں کے لئے کشش تھی۔ پرمیئر شوگر ملز میں ایک منعقد تقریب میں میر افضل خان نے نسیم جان کو بہت قریب سے دیکھا تو وہ اپنے دل پر قابو نہ پا سکے۔ دونوں ایک دوسرے کو دل و جان سے چاہتے تھے۔ نسیم جان سے معاشقہ شروع کرتے وقت میر افضل شادی شدہ تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی سیاسی مجبوری کے باعث شادی کو ڈکلیئر نہ کیا 1980ء میں نسیم جان کی کسی بات سے غصے میں آ کر میر افضل خان نے اسے طلاق دے دی۔ نسیم جان نے طلاق کے بعد آغا نامی سے شادی رچالی۔ میر افضل سے یہ برداشت نہ ہو سکا کہ اس کی معشوق کسی اور کی ہو جائے چنانچہ انہوں نے نسیم جان کو آغا سے طلاق لینے پر راضی کیا اور پھر دوبارہ نسیم جان سے شادی کر لی یہ نکاح مارچ 1988ء میں مولانا کوثر نیازی نے اپنے گھر ایف سکس میں پڑھایا۔ میر افضل خان کے گھر والوں نے نسیم جان کو جائیداد سے محروم کرنے کے لئے اسے بیوی کے طور پر تسلیم نہ کیا چنانچہ اس نے سول جج اسلام آباد چوہدری عبدالمجید کی عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا۔ میر افضل کے انتقال کے بعد نسیم جان نے دعویٰ کیا کہ اعجاز الحق، کوثر نیازی اور حفیظ پیرزادہ اس کی شادی کے گواہان میں سے ہیں۔

"مولانا کوثر نیازی"

مولانا کوثر نیازی بھٹو کابینہ میں وزیر تھے۔ مذہبی امور سے واقفیت رکھتے تھے۔ تعلقات عامہ کے امور کے ماہر تھے۔ معمولی سے عہدے سے وہ وزارت تک پہنچے۔ بھٹو کی رنگینیوں کو پردہ کرائے رکھنا مولانا کوثر نیازی کا خاص کارنامہ تھا۔ انہوں نے نہ صرف خود رنگین طبیعت پائی تھی بلکہ کئی رنگین مزاجوں کو نکاح کے بندھن میں باندھ کر رسوا ہونے سے بھی بچایا تھا۔ سرحد کے سابق وزیر اعلیٰ میر افضل خان ہی کا انہوں نے نکاح پڑھانے کا نیک کام نہیں کیا تھا بلکہ اپنے لیڈر ذوالفقار علی بھٹو کا حسنہ شیخ سے نکاح پڑھایا تھا یہی نہیں بلکہ مشرق وسطیٰ کے ایک ملک کے سربراہ کا وقت کی خوبصورت چھوٹے قد کی ہیروئین سے نکاح پڑھوایا تھا۔ وہ اداکارہ چھوٹے قد کی تھی مگر اس کا حسن "بجلی" تھا۔ مولانا کوثر نیازی خود بھی کئی اداکاراؤں کے عشق میں غرق ہوئے۔ اداکارہ بابرہ شریف پر ان کی خصوصی نظر تھی۔ فلم نگری کی ہر خوبصورت ہیروئین مولانا کوثر نیازی کی خدمت کر کے سکون محسوس کیا کرتی۔ وہ جس طرح کئی کتابوں کے مصنف تھے حسن پر بھی ان کے بڑے

اشتہارات ہیں۔ حسن کو پرموٹ کر کے اسے شہرت کی بلندیوں پر پہنچانا مولانا کوثر نیازی کا اصل کارنامہ تھا۔

ذوالفقار علی بھٹو کو اپنے اس وزیر پر بڑا فخر تھا۔ کوثر نیازی نے اپنے دور اقتدار میں وہ گل کھلائے کہ لوگوں نے منہ میں انگلیاں ڈال لیں۔ لوگوں کے سامنے ان کے کارنامے بیان کئے جاتے تو وہ اتنے فحش ہوتے کہ لوگ کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے۔ مولانا کوثر نیازی کے چہرے پر داڑھی تھی۔ اپنی مخفیہ سرگرمیوں کے باعث انہوں نے داڑھی کو بہت بدنام کیا۔ شراب نوشی کے معاملے میں وہ اتنے مشہور ہوئے کہ ان کا نام "مولانا وسکی" پڑھ گیا۔

شراب و شباب کے معاملے میں وہ بھٹو سے کئی گنا آگے تھے ان کے بارے میں ذرائع نے بتایا کہ وہ ہر رات کھانے کے بعد شراب نوشی کرتے دونوں چیزوں کو ہاضم کرنے کے لئے وہ خوبصورت چہرہ مانگتے ہر رات ان کے ساتھ نیا خوبصورت چہرہ ہوتا۔ یہ مولانا کوثر نیازی کا اصلی چہرہ تھا ان کا سامنے والا چہرہ عالم فاضل اور مذہبی امور کے ماہر کا تھا۔

"اکرام اللہ خان نیازی"

اکرام اللہ خان نیازی معروف مسلم لیگی تھے انہیں 1990ء کے آغاز میں چند مسلح افراد نے گھر میں داخل ہو کر قتل کر دیا۔ اخبارات نے اس قتل کو ذاتی دشمنی اور دیرینہ جھگڑے کا شاخسانہ قرار دیا۔ اس زمانے ہی میں نہیں آج بھی میانوالی کے عوام کے لبوں پر یہ بات ہے کہ اکرام اللہ نیازی کا قتل ذاتی دشمنی نہیں بلکہ ایک "خوبرو" لڑکے کی بدولت ہوا۔ اکرام اللہ نیازی چھوکرے باز تھے۔ خوبرو چھوکرے اس کی مجبوری تھی وہ ایک لڑکے پر دم مارنے لگے اس لڑکے پر دم مارنے والا کوئی اور بھی تھا نیازی صاحب اور اس کے مابین چھوکرے کا حصول وجہ تنازعہ بن گیا جو نیازی صاحب کے قتل پر اختتام پذیر ہوا۔

حضرت لوط کی قوم کا پیروکار بننے والا پاکستانی قوم کا لیڈر تھا۔

"پیر پگاڑا"

پیر صاحب پگاڑا شریف کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ ان کا تعلق سندھ کے روحانی خانوادے سے ہے۔ ان کے والد کی علم کی ترویج و ترقی کے لئے گراں قدر خدمات تاریخ کا حصہ ہیں۔ پیر پگاڑا کے والد گرامی نے علم و ہدایت کے سدابہار گلشن آباد کئے جن کی مہک نے پورے سندھ کو معطر کیا وہیں انہوں نے انگریزوں کے خلاف کھلی جدوجہد کی اور شہادت کا تاج سجا کر اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ سندھ کے روحانی پیشوا ہونے کے باعث پیر پگاڑا کے خلاف بہت کم لوگ ہیں جو لب کشائی کرتے ہیں مگر پھر بھی پیر صاحب کے کرتوت کسی نہ کسی ذریعے عوام تک پہنچتے رہتے ہیں پیر پگاڑا کے مرید جو حر کہلاتے ہیں اپنے پیر کے لئے جان ہتھیلی پر لئے پھرتے ہیں اپنے پیر کے ہلکے سے اشارے پر وہ جان کا نذرانہ اپنے پیر پر نچھاور کر دیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ پیر صاحب کے کالے کرتوت بیان کرتے ہوئے لوگ ڈرتے ہیں چنانچہ یہ نیک کام سرانجام دینے کا اعزاز سب سے پہلے پیر پگاڑا کے فرزند ارجمند پیر محمد علی راشدی کو ملا جس نے اپنے والد گرامی کے کالے کرتوتوں سے پردہ چاک کرتے ہوئے بیان کیا کہ پیر پگاڑا کے اپنی بہو سے ناجائز تعلقات ہیں۔ یہ الزام گھر کی چار دیواری سے ہوتا ہوا گلیوں تک پہنچا تو بازار حسن کی تتلیوں کے منہ میں

بھی پانی بھر گیا اور انہوں نے پیر پگاڑا کو اپنا کاتب بنانے کے لئے تگ و دو شروع کر دی۔
گئی تھیں بلکہ پیر پگاڑا کا گھوڑا شغل عدالت کے کٹہرے تک بھی گیا۔

پیر صاحب کی کشف و کرامات کی گونج اکثر اوقات گونجتی رہتی ہے ان کی روحانی کیفیت نے بہو بیٹی کو بھی نہ بخشا۔ پیر گوہر علی راشدی نے اپنے والد گرامی کے روحانیت سے بھرپور چہرے سے نقاب کشائی کرتے ہوئے بیان کیا جس روز میری شادی آمنہ قمر سے طے پائی اسی دن میری زندگی زہر آلود ہو گئی تھی۔ نوابزادہ افراللہ خان کی بہن اپنی بیٹی سے میری شادی کرانا چاہتی تھی مگر وہ ہماری ہم کلام ہونے کے سبب میری بیوی نہ بن سکی چنانچہ انہوں نے اپنی ہمسائی آمنہ قمر سے میرا رشتہ کر دیا۔ اس رشتے سے بھی میں خوش نہ تھا کیونکہ میں نے اپنی ہونے والی بیوی کی شکل تک نہ دیکھی تھی البتہ اس رشتے سے میرے والدین بہت خوش تھے شادی کی پہلی رات ہی میری بیوی کو دورہ پڑ گیا۔ گھبراہٹ میں کچھ سجھائی نہ دیا آخر بڑی مشکل سے سنبھالا تو اس کو ہوش آیا۔ وہ رات میں نے جاگ کر گزاری۔ اللہ سے دعا کی کہ یہ میرے ساتھ کیا ہوا ہے۔ صبح ہوئی تو والد صاحب کو سارا قصہ سنایا مگر انہوں نے میری ایک نہ سنی اور پھر یہ سلسلہ تواتر کے ساتھ ہوتا رہا۔ میں نے ماں سے شکایت کی کہ انہوں نے مرگی کی مریضہ سے میری شادی کرائی۔ میری ماں نے میری حمایت کرنے کی بجائے میری بیوی ہی کی حمایت کی۔ میری بیوی نے میری شرافت سے ناجائز فائدہ اٹھایا۔ میری بیوی نے مجھے ہمیشہ بے وقوف بنایا وہ میرے پاس گلشن ہاؤس کراچی میں بہت کم عرصہ رہی زیادہ تر وہ لاہور میں رہی۔ علاج کے بجائے وہ زیادہ تر لاہور ہی میں قیام کرتی۔ اس کو وقت بے وقت مرگی کے دورے پڑتے ایک بار ہوائی جہاز کے سفر کے دوران اسے مرگی کا دورہ پڑ گیا چنانچہ وہاں میں نے اسے کندھا دے کر سنبھالا اور وہ ہوش میں آئی اس وقت مجھے بے پناہ شرمندگی اٹھانا پڑی۔ اس کی بیماری سے میں تنگ آ گیا چنانچہ میں نے دوسری شادی کرنے کا فیصلہ کیا آمنہ قمر کا پھر بھی میں نے اتنا خیال کیا کہ ڈیفنس لاہور میں ایک گھر اس کے نام کیا۔ بچوں کے نام جائیداد بھی لکھ دی۔ جائیداد اتنی بھی تھی کہ آمنہ قمر کا پورا خاندان بھی اس کے متعلق سوچ نہ سکتا تھا۔ میرے بڑے بھائی کو بھی اس صورت حال کا علم تھا۔ میری ماں نے نہ تو میری اور نہ ہی بڑے بھائی کی بات کا یقین کیا تاوقتیکہ انہوں نے خود والد صاحب کو رنگے ہاتھوں پکڑ لیا اور سیخ پا ہو کر رہ گئیں بہو رانی کے رنگین کارنامے اپنی آنکھوں سے

دیکھ کر ان کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ پیر پگاڑا کی بہو رانی ماڈلنگ اور فیشن شو کے نام پر لڑکیوں کو اپنے گھر بلایا کرتیں۔ رنگین محفلیں سجاتیں اور پیر پگاڑا کو محظوظ کرتیں۔
پیر پگاڑا سے ان کی بیوی نے احتجاج کیا تو ان کو ہمیشہ کے لئے کاٹ دیا گیا۔

پیر ہمارے معاشرے میں معزز و متبرک ہستی تصور کی جاتی ہے۔ کمزور عقیدہ لوگ اپنی مشکلات کے حل کے لئے پیروں سے رجوع کرتے۔ پیروں میں سے بعض نے تو سچ مچ اپنی معاشرے میں اصلاح احوال کا کردار ادا کیا ان کی زندگی انسانیت کے لئے مینارہ نور ثابت ہوئی لیکن انہی برگزیدہ ہستیوں کی اولاد نے بزرگوں کے نام کو داغ لگانے کی کوشش کی۔ ایسے ایسے خفیہ کارنامے سرانجام دیئے کہ شیطان بھی شرما گیا۔ خوبصورت مریضوں سے جنسی کھیل رچانے میں پیروں کا کوئی ثانی نہیں۔ اولاد نہیں ہو رہی شادی نہیں ہو رہی کے لئے وہ رات بھر وظیفہ کرنا تجویز کرتے ہیں اس مقصد کے لئے وہ تنہا مریضہ کو اپنے پاس رکھتے ہیں اور پھر ساری رات خوبصورت مریضہ کی مراد بر آوری کے لئے پیر صاحب اپنی جنسی تسکین فرما کر وظیفہ کرتے ہیں۔ اس قسم کے وارداتیں چھوٹے موٹے فقیر ہی سرانجام دینے میں مشہور نہیں بلکہ بڑی بڑی گدیوں والے بھی اس نیک کام کو سرانجام دیتے ہیں کہ وہ پیچھے کیوں رہ جائیں۔ پیر پگاڑا کا شمار بھی بڑی گدی والوں میں ہوتا ہے۔ ان کے کالے کرتوت بھی ان کی گدی جیسے ہیں جو بہت بڑے ہیں۔

پیر پگاڑا نے اپنی جنسی تسکین کے ساتھ ساتھ جنسی کرتبوں کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔

ان کی جنسی کوتاہیوں کو عوام نے مذاق میں لینا شروع کیا۔ ان کی جنسی وارداتوں کے باعث
ان کا سیاسی کیریئر "تقریباً" تباہ و برباد ہو چکا ہے۔ پیر صاحب پگاڑا شریف کی ایک شہرت یہ بھی
ہے کہ جو خاتون ان کی آنکھوں اور دل کو بھا جاتی وہ اسے اعلیٰ حکومتی ایوانوں میں پہنچا کر ہی
دم لیتے۔ اس بات کی تصدیق خود پیر صاحب اپنی نجی محفلوں میں کیا کرتے کہ "فلاں عورت
اس وقت اقتدار کے مزے لے رہی ہیں وہ ایک وقت میں ہمارے پاس آتی تھی۔ "سپ
شپ کی کہانا کھایا رتے مہمان تھی' تب اٹھی تو سیاسی کارکن یا ادب کی ٹھیکیدار ہونے کی
دعویدار ایم پی اے' ایم این اے تھی"

خود کے روحانی پیشوا اپنا تعلق جی۔ ایچ۔ کیو سے جوڑا کرتے ہیں عام لوگوں کے ہی
نہیں وہ حکمرانوں کے بھی سیاسی پیر تھے۔ عقیدت مندوں کے نزدیک پیر صاحب کا کسی حسینہ پر
مہربان ہو جانا باعث عزت افتخار ہے۔ پیر پگاڑا سیاسی حلقوں میں "مجلسی و جسٹ" کی حیثیت
سے خاصی شہرت رکھتے ہیں۔ حسیناؤں کی خاطر پیر صاحب نے اپنے بہت سے قریبی دوستوں
کو ناراض کیا اور اپنی پارٹی کو کئی ٹکڑوں میں بانٹا۔ لاہور کی ایک سیاسی خاتون محمودہ بیگم پر
پیر صاحب خاصے مہربان تھے۔ پیر صاحب محمودہ بیگم کو دل دے بیٹھے مگر محمودہ بیگم ایک
دوسرے سیاست دان پر فریفتہ تھیں وہ ملک صاحب ایوب خان کی کابینہ میں اہم عہدے پر
فائض تھے۔ پیر صاحب کی خواہش تھی کہ محمودہ بیگم ان کے حرم میں داخل ہو لیکن محمودہ
ملک صاحب کو دل دے بیٹھی تھی یوں یہ نازک پیر صاحب اور ملک صاحب کے درمیان وجہ
تنازع بن گئی اور ان کی پارٹی میں ملک گروپ بن گیا۔

پیر پگاڑا آتش عشق یا آتش ہوس کی ٹھنڈک کے لئے حسیناؤں پر فریفتہ ہونے میں دیر
نہ لگاتے۔ خواتین کے لئے مخصوص سیٹوں کے الیکشن کے زمانے میں پیر صاحب کی
سرگرمیاں بڑھ جاتیں۔ جو سیاسی وڈیری ایک رات پیر صاحب کے ساتھ گزار کر پیر کو خوش
کرتی اس کے لئے الیکشن جیتنا آسان ہو جاتا۔

پیر صاحب نے پیرانہ سالی کے باوجود ایک ۱۸ سالہ دوشیزہ کلی کو اپنی جنسی ہوس کی تسکین
کے لئے مسل کر رکھ دیا۔ "مجلس خدمت خلق" کے نام پر پیر صاحب نے ۱۸ سالہ لڑکی سے
شادی رچائی۔ پیر صاحب کی جنسی تسکین کے بیج ان کی اولاد میں بھی منتقل ہو چکے ہیں۔
پوتے نے دادا کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کی مگر ناتجربہ کاری کے باعث پکڑا گیا۔ خبر

کے مطابق پیر پگاڑا کا پوتا اور وزیر مملکت مخدوم احمد محمود کا بھانجا اسلام آباد کے ایک ہوٹل
میں رات گزار کر کال گرل اور ۱۳ ہزار روپے کا بل چھوڑ کر بھاگ گیا۔ پوتا حضور نے
عامر نامی دلال کے ذریعے ایک کال گرل منگوائی۔ امیرزادہ ساری رات جنسی کھیل کھیلتا رہا مگر
صبح ہوتے ہی بھاگ گیا۔ وزیر مملکت تک بات پہنچی تو انہوں نے نہ صرف بل ادا کیا بلکہ
اپنے بھانجے کی ضمانت بھی دی کہ وہ آئندہ ایسی حرکت کا ارتکاب نہیں کرے گا۔

پیر صاحب اپنی تمام حرکات سے نادم و پریشان ہونے کی بجائے عشق گریاں کرنے میں
مصروف ہیں۔ جو پیر صاحب کے پاؤں کو چھونا اپنے لئے خوش بختی تصور کرتے ہیں مگر پیر
صاحب حسیناؤں کے خوبصورت لبوں کو چوما کرتے ہیں۔ جھاڑو پھیرنے کی پیش گوئی کرنے
والے پیر نے عزتوں پر بھی جھاڑو پھیرا۔

"شرمیلا فاروقی بنام سیف الرحمٰن"

میاں نواز شریف کے قریبی رنگین مزاج ساتھیوں میں ایک نام سیف الرحمٰن کا ہے
سیف الرحمٰن کو نواز شریف نے بے پناہ اختیارات کے ساتھ متعدد عہدوں سے نوازا۔ وزیر
واضح نہ ہونے کے باوجود بھی وزارت خارجہ میں سیف الرحمٰن ہی کا حکم چلتا تھا۔ نواز شریف
کی ہر طرح کا اصل ذمہ دار یار لوگوں نے سیف الرحمٰن ہی کو ٹھہرایا۔ سیف الرحمٰن کے

چہرے پر سے نقاب عثمان فاروقی پاکستان سٹیل مل کے سابق چیئرمین کی بیٹی نے تار تار کر کے اتارا۔ سیف الرحمن کے لئے شرمیلا فاروقی لوہے کا چنا ثابت ہوئی تھے وہ چبانے کی بھرپور خواہشات کے ساتھ چبا رہے تھے۔ شرمیلا فاروقی نے عدالت کے روبرو انکشاف کیا کہ سیف الرحمن نے اسے اپنی جنسی درندگی کا شکار بنایا۔ اخبار بینی ویلفیئر ٹرسٹ کے چیئرمین برنی بھی موقع پر موجود تھے 4 گھنٹے کے طویل بیان کے دوران عدالت میں موجود ہر شخص کا سر شرم سے جھک گیا۔

شرمیلا فاروقی کو اپنی جنسی خوراک کا حصہ بنانے کے لئے سیف الرحمن نے اسے اسلام آباد بلایا۔ حسینہ نے انکار کیا تو موصوف نے بلیک میل کرتے ہوئے کہا "ہمیں تمہارے خاندان کو عبرت کا نشان بنا دوں گا" اور پھر ایسا ہی ہوا۔ شرمیلا فاروقی نے الزام لگایا کہ سیف الرحمن نے سات مردوں کے ذریعے اسے قابو کر کے اپنی تسکین حاصل کی۔ شرمیلا نے روتے ہوئے کہا "جس ملک میں بیٹیوں کی عزت حکومتی ایوانوں میں لٹ جائے اس ملک کے حکمرانوں کو شریف کہلوانے کا کوئی حق نہیں۔ شریف وزیر اعظم فی الفور اپنے عہدے سے علیحدہ ہو جائیں" وزیر اعظم نواز شریف نے اس بیان کے رد عمل میں نہ تو کوئی بیان دیا نہ ہی سیف الرحمن کی باز پرس کی گویا سب کچھ ان کی پیشگی اجازت کے بعد ہوا ____؟

قبل ازیں سیف الرحمن اور طاہرہ سید کا نام ایک ساتھ لیا گیا۔ طاہرہ سید کی ایک چھوٹی سی فرم تھی لیکن ریڈ کو کنسٹرکشن کی بدولت ملنے والے ٹھیکے اسے بہت بڑی فرم بنانے میں کامیاب ہو گئے۔ طاہرہ سید پر اتنی مہربانی کی آخر کوئی وجہ تو تھی۔

مس جمہوریت "بے نظیر بھٹو"

بے نظیر بھٹو خود کو "دختر مشرق" کہلواتی ہیں۔ حالانکہ پاکستانی قوم کا ان کے بارے میں کہنا ہے کہ وہ ایک شہزادی تھیں۔ دختر مشرق کہلوانے والی شہزادی دو مرتبہ پاکستان کی وزیر اعظم بنی۔ وہ ایک وزیر اعظم باپ کی ذہین بیٹی ہیں۔ اپنی ذہانت کی بدولت مردوں کے معاشرے میں اس نے مردانہ وار حکومت کی۔ وزیر اعظم بنتے ہی ان میں عوام نے یہ تبدیلی دیکھی کہ انہوں نے ہاتھ میں تسبیح اور سر پر دوپٹہ اوڑھ لیا۔ یہ دونوں چیزیں دختر مشرق کا ٹریڈ سمبل بن گئیں۔ ان کے لباس کا یہ انداز پاکستانی عوام میں بے پناہ مقبول ہے۔ دوپٹے کو سر سے ڈھلکنے سے بچاتی ہیں۔ ہاتھ میں پکڑی تسبیح پر کیا پڑتی ہے کے بارے میں پوچھے گئے ایک سوال کے جواب میں انہوں نے یہ کہا کہ "آیۃ الکرسی" اخبار نویسوں کی تسلی نہ ہوئی چنانچہ انہوں نے پوچھا کہ آپ اتنی جلد لمبی آیت کیسے پڑھ لیتی ہیں؟ اس سوال کا وہ کوئی

urdunovels.net

جواب نہ دے سکیں۔ مرتضیٰ بھٹو نے اس کا جواب یہ دیا کہ وہ جلدی میں "کرسی، کرسی" پکارتی ہیں۔

روزنامہ سیاست کی رپورٹ کے مطابق اسلام کے مقدس نام پر اپنی پراگندہ شخصیت کو اجاگر کرنے والے بھٹو کی صاحبزادی بے نظیر بھٹو ذہنی طور پر مادر پدر آزاد معاشرے اور کھلے ڈھلے جنسی تعلقات کی حامی اور داعی ہیں اس کا خیال ہے کہ سوسائٹی میں انسان کو کسی قسم کی پابندی قبول نہیں کرنی چاہیے اسے اپنے سفلی جذبات کی تسکین اور جسمانی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے ہر وقت اور ہر حربہ استعمال کرنے کا حق ہے۔ ان خیالات کا اظہار انہوں نے آکسفورڈ کی ایک محفل مباحثہ میں کیا تھا جس مباحثے کا عنوان تھا "اس ایوان کی رائے میں آزاد معاشرہ اور جنسی تعلقات جائز ہیں"۔ بے نظیر بھٹو نے موضوع کی حمایت میں نہایت گرم جوشی اور بے باکی سے دلائل دیئے تھے۔ بے نظیر بھٹو آکسفورڈ میں مباحثہ کی سوسائٹی کی صدر رہ چکی ہیں۔

آکسفورڈ میں زمانہ طالب علمی میں بی بی نے انتہائی سرگرم لائف گزاری۔ بے نظیر بھٹو نے عشق پرستانہ ماحول میں جوانی بسر کی۔ ان کے ایک کلاس فیلو کولن موینہان نے 15 مارچ 1989ء کو ڈیلی ایکسپریس سے بات کرتے ہوئے بتایا کہ "بی بی دور طالب علمی میں پوری یونیورسٹی میں "Oral Sex" کی ماہر سمجھی جاتی تھی اور مجھے خود بھی اس کا تجربہ ہے"۔ اخبار میں بیان چھپتے ہی ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ بے نظیر بھٹو پاکستان کی وزیر اعظم بن چکی تھیں۔ حکومت نے رد عمل میں اخبار پاکستان میں بین کر دیا۔ اخبار نے اس کا بہت برا منایا ایک کالم نگار جین کا مضمون 15 مارچ 1989ء کی ڈیلی ایکسپریس میں چھپا جس میں لکھا گیا کہ "بے نظیر بھٹو نے اپنے والد کی پھانسی کے بعد سے اسلام کی چادر اوڑھ لی حالانکہ زمانہ آکسفورڈ میں موصوفہ منی سکرٹ اور جین پہنا کرتی تھیں۔ کچھ اور خرافات اس نے اپنے کالم میں بیان کرنے کے بعد لکھا "اب بہت کچھ بدل چکا ہے۔ جوانی کے غیر محتاط دن بدل چکے ہیں اب بے نظیر بھٹو ایک پسماندہ ملک کی سربراہ ہیں"۔

بے نظیر بھٹو کی پرورش مغربی ماحول میں ہوئی۔ بے نظیر بھٹو آکسفورڈ یونیورسٹی کی طالب علم رہی ہیں۔ وہ کرکٹر ماجد خان کے عشق میں گرفتار ہو گئیں۔ عمران خان نے بھی اس کی تصدیق کی۔ بے نظیر بھٹو نے خود بھی اعتراف کیا کہ وہ کرکٹ سٹار ماجد خان کو بچپن سے پسند کرتی تھیں۔ ماجد خان کو عروج کے زمانے میں بے نظیر بھٹو نے پھانسنے کی بہت کوشش

کی مگر ماجد خان نے انہیں لفٹ نہ کروائی۔ بے نظیر بھٹو ماجد خان سے ملاقات کے لئے ماری ماری پھرا کرتی۔ ماجد خان جہاں بھی ہوتا پنکی وہیں اس کے پیچھے پہنچ جاتی۔ ٹیلی فون کر کے وہ ماجد خان سے تنہائی میں ملاقات کا وقت مانگا کرتی۔ بے نظیر اور ماجد خان کے عشق کا ایک قصہ عمران خان سناتے ہیں کہتے ہیں کہ "برطانیہ میں ایک سیریز کے اختتام پر ہمیں پاکستان جانا تھا اور وہاں سے ایک نمائشی میچ کے لئے ہالینڈ روانگی تھی۔ پنکی نے برطانیہ میں ماجد خان کو بہت تنگ کیا۔ پاکستان آئے تو وہ پیچھا کرتی ہوئی پاکستان آ گئی۔ کسی نے بتایا کہ ٹیم اب ہالینڈ جا رہی ہے تو اس نے مزید تفصیلات جانے بغیر ہالینڈ کا رخ اختیار کر لیا لیکن جب وہاں پہنچی تو انہیں معلوم ہوا کہ ماجد خان تو یہاں آئے ہی نہیں۔ بس پھر کیا تھا اس نے رو رو کر برا حال کر لیا اس کی حالت جو اس وقت تھی لفظوں میں بیان نہیں کی جا سکتی"۔

شیخ رشید الیکشن کے زمانے میں بے نظیر بھٹو پر تواتر سے زبانی تیروں کے ذریعے حملہ آور ہوتے اور کہتے بلاول کی شکل فیصل صالح حیات سے اور منظور کی جہانگیر بدر سے ملتی ہے۔ اس اشتعال انگیز بیان کے رد عمل میں پیپلز پارٹی کے جیالوں نے مری روڈ راولپنڈی میں جلوس نکالا اور لیاقت باغ چوک میں شیخ رشید کے خلاف گندی گالیوں پر مشتمل نعرے بازی کی۔

ماجد خان کے عشق ہی میں بے نظیر بھٹو دیوانی نہ ہوئی بلکہ حیات محمد خان شیرپاؤ پر بھی اس نے ڈورے ڈالے۔ حیات محمد خان شیرپاؤ قبول صورت صحت مند نوجوان تھا۔ مردانہ حسن سے وہ مالا مال تھا۔ پگلی ہوئی بے نظیر بھٹو کے لئے یہی کچھ بہت زیادہ تھا۔ بے نظیر بھٹو نے حیات شیرپاؤ کو اپنا شوہر بنانے کی بھرپور کوشش کی مگر اس نے سرد مہری کا مظاہرہ کیا کیونکہ وہ پٹھان روایات پر عمل کرنے والا پٹھان تھا جن کے تحت ایک پٹھان اپنے دوست کی بیٹی کو کبھی بھی بری نگاہ سے نہیں دیکھتا۔ حیات محمد خان شیرپاؤ سرحد کے گورنر بنے تو بے نظیر بھٹو نے انہیں باقاعدہ پرپوز کیا۔ یہ شادی شیرپاؤ کے سیاسی کیریئر کو چار چاند لگا سکتی تھی لیکن اس نوجوان پٹھان نے روایات سے باغی ہونا گوارا نہ کیا۔ بے نظیر بھٹو رنگین مزاج اور ضرورت سے زیادہ آزاد خیال تھی۔ بے نظیر بھٹو آزاد پنچھی تھی جسے ڈال ڈال بیٹھنے کی عادت تھی۔ بے نظیر بھٹو نے اپنی چاہت کا تذکرہ اپنی والدہ سے بھی کیا۔ اس نے اپنی بیٹی کے انتخاب کو سراہا اور ہر ممکن تعاون کا یقین دلایا۔ موقع پا کر اس نے بھٹو سے بات کی۔

urdunovels.net

بھٹو نے بات کو آگے ہی نہ بڑھایا بلکہ دل سے حیات شیرپاؤ کو اپنے داماد کے طور پر قبول کر لیا کیونکہ وہ اسے بیٹا بیٹا کہہ کر پکارنے لگے۔ حیات شیرپاؤ کے گھر والوں نے شادی کی تجویز پر اپنا رد عمل بیان کرتے ہوئے کہا دونوں خاندانوں کی بہتری اس میں ہے کہ یہ شادی نہ ہو کیونکہ دونوں کے خاندانی رسم و رواج اور تہذیب و تمدن میں واضح فرق ہے۔ اس جواب کے بعد پنکی کی حالت دیدنی تھی۔ وہ حیات شیرپاؤ کے عشق میں پاگل ہو چکی تھی اور پھر ہوا یوں کہ ایک روز پشاور یونیورسٹی میں ایک بم دھماکے کے ذریعے حیات شیرپاؤ کو قتل کر دیا گیا۔ قتل کے محرکات بہت زیادہ بیان کئے گئے ایک قصہ یہ بھی مشہور ہوا کہ حیات شیرپاؤ کے قتل کے پیچھے ذوالفقار علی بھٹو کا ہاتھ تھا اور یوں بے نظیر بھٹو کا عشق منوں مٹی تلے دبا دیا گیا۔

آج پنکی شوہر پرست بن چکی ہے تو ہم یہی کہیں گے کہ صبح کا بھولا شام کو گھر لوٹ آئے تو اسے بھولا نہیں کہتے۔ یا پھر ناقدین کی نظر سے دیکھیں تو یہی محاورہ ذہن میں آتا ہے کہ "نو سو چوہے کھا کر بلی حج کو چلی"

معاشقہ بے نظیر کا شیرپاؤ سے

"جیسے ہی بے نظیر بھٹو اور حیات محمد شیرپاؤ کی پہلی ملاقات ہوئی تو اس پہلی ملاقات ہی میں بے نظیر بھٹو نے اپنا دل ہار دیا۔ مبینہ طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ گو حیات محمد شیرپاؤ بھی بے نظیر کو پسند کرنے لگا تھا۔ لیکن یہ سوچ کر بے نظیر کی حوصلہ افزائی کرنے سے قاصر رہا تھا کہ وہ اس کی پارٹی کے چیئرمین کی بیٹی ہے۔ بے نظیر نے شیرپاؤ کی طرف سے سرد مہری کے باوجود اپنی چاہت کی گرمی میں کوئی کمی واقع نہ ہونے دی اور ایسا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیا، جس کے تحت وہ شیرپاؤ سے گفتگو کر سکتی تھی اور اس کی مہمان نوازی کے مزے بھی لوٹ سکتی تھی۔

حیات محمد شیرپاؤ ایک قبول صورت، صحت مند نوجوان تھا۔ بے نظیر بھٹو نے اس پر ڈورے ڈالنے کی بے حد کوشش کی۔ لیکن کامیاب نہ ہو سکی۔ اس کی بڑی وجہ شیرپاؤ کی طرف سے ان روایات کا پاس بھی تھا جو صدیوں سے پٹھانوں میں رائج ہیں اور جن کے تحت ایک سچا پٹھان اپنے دوست کی بیٹی کو کبھی بھی بری نظر سے نہیں دیکھتا۔ شیرپاؤ کی بے توجہی نے جلتی کا کام کیا اور بے نظیر کے دل میں بھڑکی ہوئی نفسانی

تجویز رکھی اور کہا کہ وہ اسے خلوص دل سے چاہتی ہیں' اس لئے اس کے نکاح میں آنے پر تیار ہے۔

یہ ان ایام کا ذکر ہے جب حیات محمد شیرپاؤ سرحد کے گورنر بن چکے تھے' انہوں نے سوچا' وزیراعظم کی بیٹی سے نکاح کر کے وہ وزیراعظم کے داماد کی حیثیت سے مزید سیاسی قوت تو حاصل کر سکتے ہیں' لیکن سرحد کے عوام کے دلوں میں پیدا ہونے والے ان شکوک و شبہات کو دور نہیں کر سکتے جو اس نکاح کے بعد ان کے دلوں میں پیدا ہوں گے اور وہ سوچیں گے کہ ان کے گورنر نے' سرحد کے غیور پٹھانوں کی روایات کو پامال کرتے ہوئے ایک دوست کی لڑکی پر بری نظر ڈالی تھی اور اب اسے پھانس کر اس نے شادی کر رہا ہے۔ اس اندیشے کے علاوہ شیرپاؤ کو بے نظیر سے نکاح کرنے سے جو چیز باز رکھ رہی تھی' وہ بے نظیر بھٹو کی رنگین مزاجی اور ضرورت سے زیادہ آزاد خیالی تھی' پھر شیرپاؤ پر یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں تھی کہ وہ بے نظیر بھٹو کو اپنے رسم و رواج کی پابندی پر مجبور نہ کر سکے گا۔ بے نظیر بھٹو ایک آزاد پنچھی ہے جسے ڈال ڈال پر بیٹھنے کی عادت ہے۔ وہ لاکھ چاہے' بے نظیر کو اپنی عادت ترک کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ ان وجوہات کے تحت جب حیات محمد شیرپاؤ نے بے نظیر بھٹو سے شادی کرنے سے بھی صاف طور پر انکار کر دیا تو بے نظیر نے اپنی چاہت کا حال اپنی ماں نصرت بھٹو سے بیان کیا۔ نصرت بھٹو نے اپنی بیٹی کو یقین دلایا کہ وہ اس کے والد کی وساطت سے شیرپاؤ کو اس سے شادی پر مجبور کر دے گی۔ اس بات چیت کو چند روز گزرے تو نصرت بھٹو نے ایک مناسب موقع پر اپنے شوہر ذوالفقار علی بھٹو کو بتایا کہ بے نظیر' حیات محمد شیرپاؤ کو پسند کرتی ہے اور اس کے ساتھ شادی کرنا چاہتی ہے' یہ سن کر بھٹو نے اپنی بیوی کو اجازت دے دی کہ وہ اس سلسلہ میں گفت و شنید کرے اور یہ شادی طے کرے۔ وہ بخوشی شیرپاؤ کو بحیثیت داماد' قبول کرے گا۔ بھٹو نے اس روز کے بعد شیرپاؤ کو اپنا بیٹا کہنا شروع کر دیا تھا۔ اب بھٹو اٹھتے بیٹھتے شیرپاؤ کو اپنا بیٹا کہتا تھا۔

ذوالفقار علی بھٹو کی اجازت کے بعد نصرت بھٹو نے شیرپاؤ کے بزرگوں سے ربط و ضبط بڑھانا شروع کر دیا اور آخر کار ایک مرحلہ پر حرف مدعا زبان پر لے آئی۔

نصرت بھٹو نے کہا کہ وہ حیات محمد شیرپاؤ کو اپنا "منہ بولا" بیٹا سمجھتی ہے اور چاہتی ہے کہ اس منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹا بنا لے جو اسی طرح ممکن ہے کہ بے نظیر بھٹو اور حیات محمد شیرپاؤ کی شادی ہو جائے اور حیات محمد شیرپاؤ اس کا داماد بن کر اس کے بیٹے کی حیثیت حاصل کرے۔

حیات محمد شیرپاؤ کے بزرگوں نے یہ تجویز سن کر فوری طور پر نہ تو اس تجویز کو منظور کیا اور نہ نامنظور بلکہ اس سلسلے میں غور و فکر کا وعدہ کیا اور یہ بھی کہا کہ شادی چونکہ' شیرپاؤ کی ہو رہی ہے۔ اس لئے اس کی رضامندی بھی حاصل کرنا ضروری ہے۔ شیرپاؤ کے بزرگوں کا موقف درست تھا: اس لئے نصرت بھٹو خاموش ہو گئی۔

ایک ہفتہ بعد نصرت بھٹو ایک بار پھر شیرپاؤ کے بزرگوں سے ملاقات کے لئے پشاور گئی۔ اس ملاقات میں شیرپاؤ کے بزرگوں نے نصرت بھٹو کو بتایا کہ بعض وجوہات کے تحت شیرپاؤ اور بے نظیر کی شادی نہیں ہو سکتی۔ کافی سوچ و بچار کے بعد ہم خود بھی اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ بے نظیر اور حیات محمد شیرپاؤ کی بہتری اسی میں ہے کہ ان کی شادی نہ ہو' کیونکہ دونوں کے خاندانی رسم و رواج اور تہذیب و تمدن میں واضح فرق ہے۔

یہ سن کر نصرت بھٹو مارے غصے کے آپے سے باہر ہو گئی اور شیرپاؤ کے بزرگوں کو برا بھلا کہنے لگی۔ نصرت بھٹو کا کہنا تھا کہ بھٹو صاحب چونکہ حیات محمد شیرپاؤ سے پیار کرتے ہیں' اسے اپنا "بیٹا" کہتے ہیں' اس لئے چاہتے ہیں کہ اس سے رشتہ داری قائم کر کے اسے نہ صرف اثر و رسوخ اور سیاسی طاقت کے لحاظ سے پاکستان کی شخصیت نمبر دو (وزیراعظم بھٹو کے بعد) بنا دیں بلکہ عوامی مقبولیت کے لحاظ سے بھی اس کا نہ صرف پاکستان بھر میں کوئی ثانی نہ ہو' بلکہ بیرون پاکستان بھی شیرپاؤ کو پسندیدگی کی نظروں سے دیکھا جائے۔ نصرت بھٹو کا کہنا تھا کہ اس کی بیٹی بے نظیر بھٹو پاکستان کی ذہین ترین دوشیزہ ہے' حسن و جمال' فہم و فراست اور پختہ سیاسی شعور کی مالک ہے۔ پاکستان کے علاوہ یورپ اور امریکہ میں بھی لوگ اس سے آشنا ہیں اور بعض حلقوں میں اس کے مداحوں کی ایک بڑی تعداد بھی موجود ہے۔

نصرت بھٹو نے اپنی بیٹی بے نظیر بھٹو کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے۔ لیکن شیرپاؤ کے بزرگوں پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا' ہوتا بھی کیسے؟ یہ حقیقت ان پر روز روشن کی طرح عیاں تھی کہ بے نظیر بھٹو ایک آزاد خیال لڑکی ہے جو سرتاپا مغربی تہذیب کے رنگ میں رنگی ہوئی ہے' رقص و سرود کی محفلوں میں شرکت کرنے والی' بوائے فرینڈز بنانے کی شوقین' بے نظیر بھٹو گھونٹ گھونٹ شیمپین پی کر دل بہلانے کی عادت میں بھی مبتلا تھی اور شیرپاؤ کے بزرگوں کو اس کے ان سارے مشاغل سے آگاہی حاصل تھی۔

نصرت بھٹو کی طرف سے بے نظیر اور شیرپاؤ کی شادی کی تحریک سے قبل بے نظیر بھٹو جب بھی پشاور آتی تھی' اس کا قیام صدر پیپلز پارٹی اور گورنر سرحد حیات محمد شیرپاؤ کے ساتھ ہوتا تھا۔ اس طرح شیرپاؤ کے بزرگوں کو اسے قریب دیکھنے کے مواقع مل گئے تھے اور اب یہ ناممکن تھا کہ وہ آنکھوں دیکھی کر مکھی نگل لیں' پھر جہاں تک حیات محمد شیرپاؤ کا تعلق تھا اور اس تعلق کو اس شادی میں بنیادی اہمیت حاصل تھی' اسے بے نظیر بھٹو سے اپنی شادی ناپسند تھی' دراصل وہ بے نظیر بھٹو کی عادات و خصائل سے بخوبی واقف تھا اور ان کی روشنی میں اس حتمی نتیجے پر پہنچ چکا تھا کہ وہ اور بے نظیر بھٹو شادی کر کے پر مسرت زندگی بسر نہیں کر سکتے۔

حیات شیرپاؤ کے بزرگوں کی طرف سے صاف انکار کے بعد نصرت بھٹو پشاور سے اسلام آباد پہنچی تو مارے غصے اور شرمندگی کے اس کی حالت دگرگوں تھی۔ نصرت بھٹو نے اپنے شوہر ذوالفقار علی بھٹو کو شیرپاؤ کے بزرگوں کے صاف انکار سے مطلع کیا اور ساتھ ہی بے نظیر بھٹو کی اس سلسلہ میں بے تابی کا حال بیان کیا تو مسٹر بھٹو کو انتہائی صدمہ ہوا' اور وہ گہرے غور و فکر میں کھو گیا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ بھٹو نے شیرپاؤ کے بے نظیر بھٹو سے شادی کے انکار کو اپنی بے عزتی پر محمول کیا۔ وہ جوں جوں اس مسئلہ پر غور کرتا تھا۔ اس کے غصے کی آگ بھڑکتی جاتی تھی' حتیٰ کہ ایک مرحلہ پر اس کا غصہ شباب پر پہنچ گیا۔ اسے اپنی بیٹی بے نظیر بھٹو عزیز تھی اور اس سے زیادہ اپنی عزت کا پاس تھا۔ وہ ذاتی طور پر ایک آمر تھا اور دوسرے آمروں کی طرح چاہتا تھا کہ اس کی ہر بات کو "حکم شاہی" سمجھا

جائے اور اس کی بے چون و چرا تعمیل کی جائے' شیرپاؤ کے انکار نے اسے انگاروں پر لوٹا رکھا تھا اور وہ مسلسل کئی روز سے اس مسئلہ کو حل کرنے میں کوشاں تھا' لیکن بے نظیر بھٹو اور شیرپاؤ کی شادی کا مسئلہ تھا کہ کسی طرح حل ہی نہ ہو پاتا تھا۔ بھٹو اس مسئلے کو حل کرنے میں کوشاں تھا کہ اس کے شیطانی دماغ میں ایک سکیم ابھری پھر وہ جوں جوں اس سکیم پر غور کرتا' اس پر اس کے مختلف پہلو بے نقاب ہو جاتے اور وہ اسے اپنے لئے زیادہ سے زیادہ سود مند اور مفید مطلب پاتا۔ بمصداق ایک تیر دو نشانے' وہ اپنی اس سکیم سے ایک طرف تو حیات محمد شیرپاؤ سے اپنی بے عزتی کا انتقام لینا چاہتا تھا اور اسے حکم عدولی کی سزا دینا چاہتا تھا اور دوسری طرف اپنے سب سے بڑے دشمن اور اس کی پارٹی کو اپنی راہ سے ہٹانے کا خواہش مند تھا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ذوالفقار علی بھٹو کے شیطانی دماغ نے جو سکیم ترتیب دی تھی' اس کے مختلف پہلوؤں پر گہرے غور و فکر کے بعد اسے عملی جامہ پہنانے کا فیصلہ ہوا' اس سوچے سمجھے منصوبے کے تحت سب سے پہلے تو یہ پروپیگنڈہ شروع ہوا کہ نیشنل عوامی پارٹی کا غیر ملکی طاقتوں سے رابطہ قائم ہے اور اس کے صدر جناب ولی خان پاکستان کے دشمن نمبر اول ہیں اور پاکستان کی تباہی کے درپے ہیں۔

ابھی بھٹو اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے مناسب موقع کی تلاش میں تھا کہ ایک روز بیٹھے بیٹھے اس کے جی میں آئی کہ حیات محمد شیرپاؤ کو ایک آخری موقعہ دیں' وہ اصل میں اس سے اپنی بیٹی بے نظیر بھٹو کی بری حالت دیکھی نہ جاتی تھی جس نے حیات محمد شیرپاؤ کی محبت سے محرومی کے بعد رو رو کر اپنا برا حال بنا لیا تھا۔

بھٹو نے حیات محمد شیرپاؤ کو طلب کیا اور جب شیرپاؤ اس کی خدمت میں حاضر ہوا تو بھٹو نے اسے تحکمانہ لہجہ میں مخاطب کر کے کہا "مسٹر! تم شاید اپنی اصل بھول چکے ہو' تم ایک معمولی پٹھان ہو جسے میں نے زمین سے اٹھا کر آسمان پر بٹھا دیا ہے۔ لیکن اب مجھے یہ محسوس ہو رہا ہے کہ میں تمہیں پہچاننے میں سخت غلطی کا مرتکب ہوا ہوں' تم ایک خاک نشین ہو' اس لئے کبھی عرش نشین نہیں ہو سکتے۔"

"میری غلطی! میرا قصور؟" شیرپاؤ نے نظریں جھکاتے ہوئے نہایت دھیمی آواز میں کہا۔

"تم نے میری بیٹی بے نظیر کا دل توڑ دیا ہے۔ تم نے میری بے عزتی کی ہے۔ میں تمہیں "بیٹا" کہہ کر پکارتا تھا اور اپنا بیٹا بھی سمجھتا تھا' لیکن تم نے میری شفقت اور میری مہربانیوں کا یہ صلہ دیا ہے کہ میری بیٹی ہی کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے اور میری بے عزتی کے مرتکب ہوئے ہو۔"

"سر! بات یہ ہے کہ مس بے نظیر ایک مغرب زدہ ماڈرن گرل ہے' جب کہ میرا گھرانہ ابھی دقیانوسی خیالات کا مالک ہے اور میں خود بھی۔۔۔۔۔"

(سابق بیوروکریٹ اور سیاست دان آصف وردگ نے ایک بار مجھے بتایا کہ دوران طالب علمی اسلامیہ کالج پشاور میں شیرپاؤ کے والد واحد طالبعلم تھے جو کالج میں شرابی اور لوطی مشہور تھے۔ میرے ایک دوست نے ہی عادت بتا کر ان کا مجھ سے تعارف کروایا تھا۔) بھٹو نے حیات محمد شیرپاؤ کو فقرہ پورا نہ کرنے دیا اور چلا کر بولا!

"کیا کہا میری بیٹی مغرب زدہ ہے اور تم دقیانوسی خیالات کے مالک ہو۔ تمہیں غلط بیانی کرتے ہوئے شرم نہیں آتی' میں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں' یہ تم ہی تھے نا' جو شملہ میں میری بیٹی کو ورغلاتے رہے ہو اور اب وہ پوری طرح تمہارے چنگل میں پھنس گئی ہے' تو اس سے آنکھیں چرا رہے ہو' مسٹر' میں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں' تم ایک محسن کش انسان ہو' تم نے میری قربانیوں کا ناجائز فائدہ اٹھایا ہے اور میری بیٹی پر ڈورے ڈالنے کے بعد اسے دھتکار رہے ہو۔"

بھٹو غصے میں پیچ و تاب کھا رہا تھا اور شیرپاؤ کی نظروں کے سامنے وہ سارے مناظر گھوم رہے تھے' جن میں بے نظیر بھٹو اس کے ساتھ شملہ کے مختلف مقامات پر سیر و تفریح میں مصروف نظر آتی تھی' دراصل ہوا یہ تھا کہ جن ایام میں ذوالفقار علی بھٹو' مسز اندرا گاندھی سے مذاکرات کے لئے شملہ گیا تھا اس کے ہمراہ جو پارٹی تھی' اس میں اس کی بیٹی بے نظیر بھٹو اور حیات محمد شیرپاؤ بھی شامل تھے۔

حیات محمد شیرپاؤ مجبوراً سیر و تفریح کے پروگراموں میں بے نظیر بھٹو کے ساتھ شریک تو ضرور ہوتا تھا لیکن اس سیر و تفریح سے لطف اندوز ہونا اس کے بس کی بات نہ تھی' اسے ہر لمحہ یہ فکر دامن گیر رہتی تھی کہ کوئی ایسی بات نہ ہو جائے جو

بے نظیر بھٹو کو ناگوار گذرے' علاوہ ازیں اسے یہ فکر بھی کھائے جا رہی تھی کہ کسی نے بے نظیر بھٹو اور اسے سیر و تفریح میں مصروف دیکھ لیا اور بے نظیر بھٹو کے والد ذوالفقار علی بھٹو کے کان بھر دیئے تو اس کی پوزیشن مشکوک ہو جائے گی' پھر پتہ نہیں چیئرمین بھٹو پر اس کا کیا ردعمل ہو۔ وہ اپنی بیٹی کا اس کی معیت میں گھومنا پھرنا پسند کرے یا نہ کرے۔

اور آخر کار ایک مرحلہ پر وہی ہوا جس کا اندیشہ تھا۔ کسی نے چیئرمین بھٹو سے لگائی بجھائی کی اور اسے ذہن نشین کرا دیا کہ حیات محمد شیرپاؤ اس کی بیٹی پر اپنی محبت کے ڈورے ڈال رہا ہے اور بے نظیر اس کی باتوں پر یقین کر کے اپنا سب کچھ اس پر نچھاور کر چکی ہے' وہ دل و جان سے شیرپاؤ کو چاہتی ہے اور اب یہ معاملہ اس مرحلہ پر پہنچ گیا ہے کہ اگر چیئرمین بھٹو نے اپنی بیٹی اور شیرپاؤ کے درمیان حائل ہونے کی کوشش کی تو اس کی بیٹی اپنے باپ کے مقابلہ میں اپنے محبوب کا ساتھ دے گی۔

ذوالفقار علی بھٹو جو اپنے طبقے کی تہذیب کے مطابق نت نئے ارمانوں کا قائل تھا اور اپنی پسندیدہ عورتوں کے ساتھ ناجائز طور پر رنگ رلیاں منانا جائز خیال کرتا تھا' عشق و محبت کے جذبات اور باقاعدہ شادی وغیرہ کو جھنجھٹ قرار دے کر اس سے دور بھاگتا تھا' اسے جوں ہی اپنی بیٹی کے حیات محمد شیرپاؤ سے رومان کی خبر ہوئی' وہ آپے سے باہر ہو گیا' اس نے بے نظیر کو سخت سست کہا تو بے نظیر نے اسے صاف صاف بتا دیا کہ وہ حیات محمد شیرپاؤ سے محبت کر کے کوئی گناہ نہیں کر رہی' وہ اسے دل و جان سے چاہتی ہے اور اس کے ساتھ شادی کرنا چاہتی ہے۔

ظاہر ہے چیئرمین بھٹو کو اپنی بیٹی کا یہ جواب کسی صورت پسند نہ آ سکتا تھا۔ لیکن صورت احوال کا تقاضا یہ تھا کہ وہ خاموش رہے۔ لیکن اس کی خاموشی وقتی تھی وہ اپنے ملک سے دور شملہ میں مسز اندرا گاندھی سے مذاکرات کے لئے آیا تھا۔ اس کی ساری توجہ اندرا گاندھی سے معاملات طے کرنے پر مرکوز ہونی چاہیے تھی لیکن وہ اس قماش کا انسان تھا کہ بیک وقت چار چار اور آٹھ آٹھ معاملات میں دخل

urdunovels.net

اندازی ضروری سمجھتا تھا۔ شملہ کانفرنس میں مذاکرات کے ساتھ ساتھ وہ اپنی دیگر پسندیدہ دلچسپیوں میں بھی بھرپور حصہ لیا کرتا تھا۔ شراب و کباب سے جی بہلانے والے بھٹو کو اپنی بیٹی اور حیات محمد شیرپاؤ کے مراسم ایک آنکھ نہ بھائے تھے' لیکن مصلحت کے تحت اس نے اپنی بیٹی کو ڈانٹنے ڈپٹنے پر اکتفا کی تھی البتہ وہ حیات محمد شیرپاؤ سے ناراض ناراض رہنے لگا تھا۔"

(جنگ وطن از ایم ایس رانا)

معروف صحافی

جناب مقبول احمد شاہی لودھی اپنے مضمون میں لکھتے ہیں

"جس روز پانچ جج حضرات نے سپریم کورٹ آف پاکستان کے ججوں کی حیثیت سے حلف اٹھایا' اس تقریب کے اختتام پر باہر آتے ہوئے بے نظیر کے سسر حاکم علی زرداری سپریم کورٹ میں داخل ہوئے اور سپریم کورٹ کے استقبالیہ کے قریب میرے واقف سے پرانی واقفیت کی بنا پر ملاقات کی اور بار بار میرے واقف سے کہا کہ "میرے بیٹے کو بچاؤ۔" دوران گفتگو حاکم علی زرداری نے صاف صاف الفاظ میں کہا کہ "میری بہو سنگدل' بگڑی اور بد معاش عورت ہے۔ یہ کرپٹ ہے۔ میرا بیٹا کرپٹ نہیں ہے میرے بیٹے کو بچاؤ۔" ہمارے معاشروں میں سسر اپنی بہو کی عزت کرتا ہے اور آئندہ نسل اسی سے جاری رہتی ہے۔ حاکم علی زرداری کے ان الفاظ سے اندازہ ہوتا ہے کہ بے نظیر صاحبہ اپنے سسر کو کس حد تک ناراض کر چکی ہیں۔"

(ماہنامہ افکار ایشیا اسلام آباد نومبر 1999ء)

یا اللہ یا رسول بے نظیر بے قصور؟

"جام معشوق علی"

جام صادق علی کا نام سندھ کے ممتاز جاگیرداروں میں کیا جاتا ہے وہ شراب و شباب کے بغیر چند لمحے بھی گزارنے کو اپنے لئے موت قرار دیا کرتے تھے۔ وہ سرعام انگور کی بیٹی سے دل بہلانے کا اعتراف کیا کرتے تھے۔ ہاں البتہ موت میں اتنا ضرور کہتے ہیں تو دوا کے طور پر تھوڑی سی پی لیتا ہوں۔ شراب و شباب کے علاوہ وہ جوڑ توڑ کی سیاست کے بے تاج بادشاہ تھے۔ پیپلز پارٹی کی صوبائی اسمبلی میں اکثریت تھی مگر جوڑ توڑ کے بادشاہ نے سندھ کی وزارت اعلیٰ کا تاج مسلم لیگ کو پہنائے رکھا۔ ان کے قریبی لوگ بتاتے کہ جام صادق اکثر یہ مطالبہ کرتے کہ "مجھے اچھی کرسی اور گاڑی چاہئے" نئے ماڈل کی گاڑی کی طرح نت نئے ماڈل کی لڑکیوں کو بھی وہ اپنے ساتھ رکھتے۔ جام صادق علی کے ہونہار بیٹے جام معشوق علی بھی ایسے ہی کارنامے سرانجام دینے میں مشہور ہیں۔ وہ بھی ہر رات نئی لڑکی کے ساتھ بسر کرتے مگر وہ دل سے ریما کو چاہتے تھے۔ ریما کے بارے میں یہ خبر بہت مشہور ہوئی کہ "ریما ایک مرتبہ خلیج میں نجی دعوت میں مدعو تھی وہاں اس نے اپنے رقص کے ذریعے محفل کو رنگین بنانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ ریما بھرپور رقص کرنے میں مصروف تھی کہ ایک عرب شیخ نے ترنگ میں آکر ریما کو آفر کی کہ اگر وہ جسم کے اوپر کے حصے والا لباس اتار کر رقص کرے تو وہ اسے اس کے عوض دو لاکھ دے گا ریما نے ترت جواب دیا یہ آپ نے کیا کہہ دیا اگر آپ مجھے دس لاکھ دیں تو میں مکمل طور پر "فطری" لباس میں ناچنے کو تیار ہوں" ریما کی یہ خواہش اس وقت عرب شیخ کی کنجوسی کی نظر ہو گئی البتہ کچھ ہی عرصے بعد ریما ایک فلم کی شوٹنگ میں مصروف تھی کہ وہاں جام معشوق علی پہنچ گئے انہوں نے ریما کو اپنے ساتھ چلنے کو کہا ریما نے انکار کیا تو جام معشوق علی نے اسے اغواء کرلیا اور پھر اگلی رات ریما رات بھر فطری لباس میں جام معشوق علی کے سامنے ناچتی رہی۔ وہ فطری لباس میں ناچ ناچ کر تھک گئی اور اگلے چند روز اسے ہسپتال میں گزارنے پڑے۔ بے حد ڈانس کے عوض جام معشوق علی نے ریما کو توقع سے بھی بڑھ کر سلامی دی۔ جام معشوق علی بند کمرے میں ریما کا مجرا دیکھنے کے عادی تھے اور انہوں نے متعدد بار اس قسم کا مجرا دیکھا۔

"جنرل فضل حق"

صوبہ سرحد کے سابق گورنر اور مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل فضل حق نہ صرف سخت گیر بلکہ بہترین ایڈمنسٹریٹر تھے۔ بیوروکریسی پر ان کا رعب و دبدبہ ہی نہ تھا بلکہ وہ بے لگام بیوروکریسی سے کام لینے میں خصوصی مہارت رکھتے تھے۔ بیوروکریسی ہی ان سے نہ ڈرتی تھی بلکہ خود جنرل ضیاء الحق بھی ان سے ڈرتا تھا۔ انہوں نے صوبہ سرحد میں پیپلز پارٹی کا ناک میں دم کیے رکھا۔ منشیات کا قلع قمع کرنے کے لئے انہوں نے خیبر ایجنسی کے علاقہ باڑے کو تہس نہس کیا جہاں ان کے ایسے کاموں کی وجہ سے انہیں چاہنے والوں کی کمی نہیں وہیں ان کے ناقدین کی بھی بڑی تعداد ہے۔ انہیں شاہراہیں بنانے کا شوق تھا نوشہرہ سے مردان تک بڑی خوبصورت ڈبل روڈ انہوں نے تعمیر کروائی۔ پشاور سے راولپنڈی تک بھی ڈبل روڈ تعمیر کرانے کا منصوبہ انہوں نے شروع کیا تھا۔ روڈ صرف اٹک پل تک بنی تھی کہ سیاست میں ہلچل مچ گئی۔ انہوں نے صوبہ سرحد کا وزیر اعلیٰ بننے کے لئے ایک سے زائد جگہوں سے کاغذات جمع کرائے آبائی علاقے سے تو وہ نہ جیت سکے البتہ ہزارہ سے الیکشن جیت کر وہ صوبائی اسمبلی میں پہنچ گئے مگر وزیر اعلیٰ نہ بن سکے۔ سیاسی کارناموں کے ساتھ ساتھ ان کی رنگین مزاجی کے قصے بھی بہت کم نہیں۔ ایبٹ آباد سے تعلق رکھنے والی ایک ڈینٹل سرجن کے وہ عاشق تھے۔ وہ اپنی معشوقہ سے ملنے باقاعدگی سے ایبٹ آباد آیا کرتے تھے۔ ڈاکٹر جو اس وقت آرمی میں کرنل کے عہدے پر تعینات ہے نے جنرل فضل حق کو کبھی نظر انداز نہ کیا ذرائع کے مطابق دونوں کے عشق کی کہانی سامنے آنے لگی تو جنرل فضل حق کے ایک دوست پرنسپل ایوب میڈیکل کالج نے حق دوستی نبھاتے ہوئے ڈینٹل سرجن سے شادی کر لی۔

"حامد ناصر چٹھہ"

میاں نواز شریف کے سامنے مضبوطی سے کھڑا رہنے والے شخص کا نام حامد ناصر چٹھہ ہے۔ میاں نواز شریف نے محمد خان جونیجو کی مسلم لیگ پر شب خون مار کر اپنے آپ کو مسلم لیگ کا صدر بنایا محمد خان جونیجو اپنی روایتی شرافت کی وجہ سے نواز شریف کو پاکستان مسلم لیگ کا صدر ماننے پر راضی ہو گئے تھے البتہ حامد ناصر چٹھہ نے جونیجو صاحب کی پارٹی کا نام برقرار رکھا ہوا ہے۔ یہ تو ان کا سیاسی کردار ہے۔ نجی طور پر وہ جنرل یحییٰ خان کی سی شہرت کے مالک ہیں۔ اگر انہیں جدید دور کی ترانی لگی تو وہ اسے "تقوی ترانی" بنا کر ہی دم لیتے جنرل یحییٰ کی محبوبہ اقلیم اختر عرف جنرل رانی کی بیٹی عروسہ عالم سے چوہدری صاحب کی جذباتی ملاقاتیں اکثر و بیشتر ہوا کرتی تھیں۔ عروسہ عالم کے عشق میں چوہدری صاحب بڑے جذباتی تھے۔ پیپلز پارٹی کے دور اقتدار میں مسلم لیگ جونیجو کے پاس بہت کم سیٹیں تھیں مگر بے نظیر بھٹو کو بلیک میل کر کے ان کی پارٹی نے نہ صرف پنجاب کی وزارت اعلیٰ حاصل کی بلکہ اور بھی کئی مراعات حاصل کیں۔ چوہدری صاحب کی سفارش پر ڈپٹی کمشنر گوجرانوالہ نے جنرل رانی کے بیٹے محمد بلال شاہین کو دس کنال کی اراضی قواعد و ضوابط سے ہٹ کر الاٹ کی تھی یہ الاٹمنٹ حامد ناصر چٹھہ نے عروسہ عالم سے حق دوستی نبھاتے ہوئے کی۔ جگہ ہائی وے کی زمین ننانوے سال کی لیز پر دی گئی۔ اس کی مارکیٹ ویلیو کم از کم 15 لاکھ روپے فی کنال تھی مگر چوہدری صاحب کے اثر و رسوخ کے باعث 5250 روپے فی کنال کے حساب سے عروسہ عالم کی زلفوں کے صدقے میں بلال شاہین کو دی گئی۔ جہاں وہ پیٹرول پمپ قائم کرے گی۔ بے نظیر بھٹو کو بلیک میل کرنے والا حامد ناصر چٹھہ عروسہ عالم کی زلفوں کا اسیر ہی نہ تھا بلکہ وہ اس کی گھنی زلفوں کی چھاؤں میں راحت و سکون بھی محسوس کرتا۔

"بوسہ لیگ"

مسلم لیگ کے مرکزی قائدین کے کرتوت دیکھ کر ایک سینیٹر نے 13 اکتوبر 1997ء کو اپنے بیان کے ذریعے مسلم لیگ کو "بوسہ لیگ" کے اعزاز سے نوازا۔ بوسہ لیگ کے مرکزی قائدین میں شیخ رشید احمد المعروف شیخ ریما والے ہی شامل نہیں بلکہ خود نواز شریف اس کی قیادت کرتے ہیں انہوں نے معروف گلوکارہ طاہرہ سید کی بدولت اپنے جوہروں کو جلا بخشی اور پھر عارفہ صدیقی تو کبھی شمشاد بیگم کے ذریعے اپنی بوسہ لیگ کو افرادی قوت فراہم کی۔ سپیکر قومی اسمبلی الٰہی بخش سومرو تک جب یہ بات پہنچی تو اس نے ایک معصومہ کو سرعام "سینے سے لگ جا ٹھاہ کر کے" اپنے آپ کو بوسہ لیگ سے وابستہ ثابت کیا۔ الٰہی بخش سومرو نے معصومہ افشاں شعیب کو اپنے سینے کے ساتھ لگا کر جہاں اپنی دیرینہ خواہش کی سرعام تکمیل کی وہیں یہ بھی ثابت کیا کہ وہ میدان عشق میں اپنے جوہر سرعام دکھانے کے ماہر ہیں۔ ڈرنے والے نہیں اور شرمانا تو ان کے قریب سے بھی ہو کر نہیں گزرا۔ الٰہی بخش سومرو نے افشاں شعیب سے بوس کنار کی تو دنیا حیرت میں ڈوبی نواز شریف اور شہباز شریف دونوں بھائی بہت زیادہ خوش ہوئے انہوں نے دل ہی دل میں یہ بھی کہا کہ ان کی قائم کردہ بوسہ لیگ دن دوگنی رات چوگنی ترقی کرنے میں مصروف ہے۔ شہباز شریف نے بوسہ لیگ کے لئے رفیق میراثی کی بہن کو بطور افرادی قوت کے منتخب کیا مشاہد حسین نے سوچا وہ کیوں پیچھے رہ جائے چنانچہ اس نے 'ریما' 'روپ' مدیحہ شاہ کو بوسہ لیگ میں شامل کیا۔ سینیٹر حافظ حسین احمد نے آخر میں کہا "ابھی تو سورج کی روشنی میں الٰہی بخش سومرو کی ایک جھلک اخبارات میں شائع ہوئی ہے نیم تاریک کمروں میں کیا ہوتا ہو گا عوام خود اندازہ لگائیں۔" بوسہ لیگ قائم کر کے مسلم لیگ نے اسلامی اخلاقیات کی کھلے عام خلاف ورزی کی۔ عوام کو بے وقوف بنانے کے لئے وہ اپنے چہرے پر ماسک چڑھا کر اسلامی نظام نافذ کرنے کا اعلان کرتے ہیں۔

"الطاف حسین"

الطاف حسین کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ کرتب دکھانے میں الطاف حسین کا کوئی ثانی نہیں۔ اس کا نام بحیثیت متنازعہ سیاست دان گونجتا ہے۔ تقریر و تحریر کے فن میں الطاف حسین کو عبور حاصل ہے۔ ایم کیو ایم نہ صرف قائم کی بلکہ اسے منظم جماعت ثابت کیا۔ الطاف حسین کی سیاست نے سب سے زیادہ نقصان جماعت اسلامی کو پہنچایا البتہ پاکستان پیپلز پارٹی بھی ان سے خائف رہتی ہے۔ ایم کیو ایم اور الطاف حسین ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ ان کی پارٹی ورکر انہیں چندہ ہی نہیں دیتے بلکہ اپنا خون تک دینے پر تیار ہیں۔ انہوں نے اپنے سیاسی سفر کا آغاز کراچی یونیورسٹی کے یونین الیکشن سے کیا۔ طالب علم لیڈر کے طور پر ابھرنے والا نوجوان جلد ہی قومی سیاست دان کے طور پر چھانے لگا۔ طویل عرصے کے دوران ان کی پارٹی پر گرفت بدستور قائم ہے وہ کراچی میں تھے تب بھی ایم کیو ایم میں انہی کا سکہ اور حکم چلتا تھا لندن جلاوطن ہوئے تب بھی یہی صورت حال برقرار رہی۔ لندن میں ان کی پارٹی کے ورکر ان کے خرچے کے لئے باقاعدہ چندہ بھیجتے ہیں۔ کافی عرصہ تک ہماری سیاست میں کنوارے سیاست دان کے طور پر مشہور رہے۔ شیخ رشید نے تو اپنی شادی بلکہ شادیوں کو ڈکلیئر نہیں کیا جبکہ الطاف حسین نے اپنی شادی کی خبر تصویر کے

ساتھ رنگ رلیاں کیں۔

عرصہ دراز تک کنوارے لیڈر کے طور پر لیڈری کرنے میں مصروف رہے لیڈر کا دامن بے شمار حسیناؤں کی عزتوں کے خون سے داغدار ہے وہ جب تک کراچی میں قیام پذیر رہے خوبصورت حسینائیں ان کے نام سے بھی دہل جاتی تھیں چنانچہ الطاف حسین لندن جلاوطن ہوا تو شریف و باناز حسیناؤں نے سکھ کا سانس لیا۔ الطاف حسین کی زندگی کے خفیہ گوشے ان کے ساتھیوں ہی نے بے نقاب کئے۔

ایم کیو ایم الطاف حسین کے باغی گروپ کے لیڈر نے انکشاف کرتے ہوئے بتایا کہ سلیم شہزاد اور عمران فاروق الطاف کو لڑکیاں سپلائی کیا کرتے تھے۔ الطاف حسین کے دیوانے اپنے قائد کے لئے ملک بھر سے حسین چہرے تلاش کر کے ان کی خدمت میں پیش کرتے۔ دونوں کو ایک بار حکم ملا کہ قائد کی سالگرہ پر ریما کو پیش کیا جائے۔ حکم ملتے ہی انقلابی تحریک کے دو کارکن لاہور پہنچ گئے۔ ریما نے پہلے تو جانے سے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا کہ ایم کیو ایم والے لڑکیوں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتے مگر پھر اس یقین دہانی پر وہ جانے کے لئے راضی ہو گئی کہ اس کے "مجرے" کے وقت نہ تو فلم بنے گی نہ ہی کوئی تصویر اتارے گا اور عام لوگوں کو بھی اس میں شریک نہیں کیا جائے گا۔ ریما نے ایک لاکھ ایڈوانس لے کر قائد تحریک کی سالگرہ پر یادگار مجرا کیا اس تقریب میں وزیر اعلیٰ سمیت کئی ممتاز شخصیات شریک ہوئیں۔ تقریب کے شرکاء نے ریما کو سونے سے تول دیا۔ ریما آج بھی نجی محفلوں میں اس مجرے کا فخریہ انداز سے ذکر کرتے ہوئے کہتی ہے کہ الطاف حسین کی سالگرہ پر مجرا کر کے میں نے لاکھوں روپے کمائے تھے۔

ایم کیو ایم سے تعلق رکھنے والی ایک خوبرو لڑکی نے یہ ہوشربا انکشاف کیا کہ جس لڑکی کو ایم کیو ایم میں داخل کیا جاتا اسے قائد انقلاب کے سامنے پیش کیا جاتا۔ قائد سے وفاداری کے حلف اٹھانے کے بعد پوچھا جاتا تم اپنے قائد کے لئے کیا کر سکتی ہو۔ نووارد و جوشیلی ورکر شدت جذبات سے مغلوب ہو کر کہتی "جان بھی قربان کر سکتی ہوں" حکم ملتا پھر اپنی قمیض اتار دو۔ ورکر عمل کرتی تو پھر باقی لباس بھی آہستہ آہستہ اترتا چلا جاتا یہیں نہیں بلکہ قائد تحریک کیٹ واک کی فرمائش بھی کرتے اگر کوئی لڑکی انکار کر دیتی تو الطاف حسین خوشی سے تالی بجاتا اور ورکر کو داد دیتے ہوئے کہتا پارٹی کو ایسی ہی باناز لڑکیوں کی ضرورت ہے۔

ایم کیو ایم کے ایک رہنما خالد ندیم کے بقول الطاف حسین نہ صرف ایک سفاک اور خطرناک انسان ہے بلکہ اس نے لاتعداد عورتوں کو اپنے جنسی تشدد کا نشانہ بنایا۔ اس کے ظلم کا شکار ہونے والی لڑکیاں قائد کے خوف سے زبان نہ کھولتیں۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ وہ متعدد پیشہ ور عورتوں کو خود بھی الطاف حسین کی خدمت میں پیش کرتا رہا۔ کراچی کی معروف پیشہ ور عورتوں نائیہ' شہناز' سلطانہ اور ثریا وغیرہ کو خود الطاف حسین کے لئے لاتا تھا۔ خالد ندیم کے بقول اسلام نبی کے گھر میں کراچی کی حسین و جمیل لڑکیاں الطاف حسین کی جنسی تسکین کے لئے پیش کی جاتی تھیں خالد ندیم ہی کے بقول ایم کیو ایم کے کارکن شعیب عرف شعبی کا صرف اتنا قصور تھا کہ اس نے الطاف حسین کو کراچی کی ایک معروف پاپ گلوکارہ کے ساتھ قابل اعتراض حالت میں دیکھ لیا تھا۔ شعیب کا یہ وہ قصور تھا جو اس کے لئے موت کا پیغام بن گیا۔

ایم کیو ایم کے قائدین کے بارے میں یہ بھی پتہ چلا کہ غیر معروف لڑکیوں کے اچانک مشہور ہو جانے کی وجہ وہ تھے۔ وہ اس طرح کہ الطاف حسین جو حسن و فن کے دلدادہ تھے کسی کو پروموٹ کرنا چاہتے تو ان کے حکم پر اخبارات والے ان کی خبریں اور انٹرویو لگانا شروع کر دیتے یوں وہ میڈیا کی بدولت راتوں رات شہرت کے ساتویں آسمان تک پہنچ جاتیں۔ کئی لڑکیاں ایم کیو ایم کے قائدین کے سامنے رقص پیش کیا کرتیں۔ جب ایم کیو ایم کے خلاف آپریشن کا آغاز ہوا تو کراچی کی ڈانسر کال گرلز زیر زمین چلی گئیں۔ اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ ان کے تعلقات ایم کیو ایم والوں سے گہرے تھے۔

الطاف حسین نے کئی عصمتوں کا خون کیا۔ وہ مجرے دیکھنے کا شوقین ہے اس کے خاص دوست اس کی خواہش کی تکمیل کے لئے ہر وقت مصروف رہتے۔ الطاف حسین نے کارکنوں پر اپنی وحشت طاری رکھی تھی کسی میں بھی ہمت نہ تھی کہ وہ قائد تحریک کے خلاف لب کشائی کرتے کیونکہ انہیں اس صورت میں اپنی موت سامنے دکھائی دیتی یہی ان کی جماعت کا معروف ترین نعرہ ہے۔

"جو قائد کا غدار ہے وہ موت کا حقدار ہے۔"

urdunovels.net

"ایوب تنولی"

سرحد کے سابق صوبائی وزیر ایوب تنولی کے کارنامے یاد رکھنے کے قابل ہیں انہوں نے جہاں ہزارہ ڈویژن میں مولا سیاست کو پروان چڑھایا وہیں اپنے ذاتی مفادات کے حصول کے لئے بھی دن رات محنت کی۔ ان کا تعلق ایک معمولی سے گھرانے سے تھا مگر دولت آتے ہی وہ حسیناؤں کے آگے پیچھے منڈلانے لگے۔ دولت جب کسی غریب آدمی کے منہ کو لگتی ہے تو وہ بڑے بڑے عیاشی پرستوں کو پیچھے چھوڑ دیتا ہے۔ ایوب تنولی نے وزارت میں رہ کر جہاں مالی فوائد حاصل کئے وہاں ذرائع کے مطابق انہوں نے جنسی سکون کے فوائد بھی سمیٹے۔ پشاور کا شاہی مہمان خانہ ہو یا گورنر ہاؤس نتھیا گلی ہر جگہ ایوب تنولی نے بڑی گراں قدر گل افشانیاں کیں۔ جو گل گل منڈلانے والا بھنورا تھا۔ شراب و شباب کا بے پناہ رسیا تھا۔ ذرائع کے مطابق وہ اپنی جنسی تسکین کے لئے بڑی عمر کی لڑکیوں کی بجائے نوخیز حسیناؤں کو ترجیح دیتا چنانچہ ان کے قریبی اس کے لئے نازک کلیوں کا بندوبست کرتے جنہیں وہ اپنی جنسی تسکین کے لئے پھول بننے سے قبل ہی مسل دیتا۔ شراب پی کر وہ ایسا غل غپاڑہ کرتا کہ لوگ اپنی آنکھیں بند کر لیتے۔ ذرائع کے مطابق یاسمین نامی لڑکی سے وہ پشاور کے شاہی مہمان خانہ میں اپنی رات کو رنگین کرنے میں مصروف تھے کہ جوش جذبات میں یکدم ہی اپنے کمرے سے باہر نکل آئے چنانچہ ملازموں نے بڑی مشکل سے انہیں واپس کمرے میں دھکیلا۔ ان کا گورنر ہاؤس نتھیا گلی کا "عشقیہ" کارنامہ ابھی لوگ نہیں بھولے جہاں وہ کمرے سے باہر نکل کر زور زور سے پکار رہا تھا "یاسمین تم کہاں ہو" ایوب تنولی کی ایک بیٹی ماڈلنگ اور اداکاری کے میدان میں جوہر دکھانے میں مصروف ہے۔

"تہمینہ دولتانہ"

تہمینہ دولتانہ کا شمار مسلم لیگ کے صف اول کے لیڈروں میں ہوتا ہے ان کا تعلق پنجاب کے ایک جاگیردار خاندان سے ہے۔ نواز شریف کی حکومت جنرل مشرف نے برطرف کی تو خاتون ہونے کے باوجود شریف فیملی کا ساتھ دیا۔ انہوں نے [illegible] نواز شریف کا ساتھ نہ چھوڑا۔ مسلم لیگی مرد رہنماؤں کو تہمینہ دولتانہ کی بہادری سے شرم بالکل نہ آئی ہاں البتہ انہوں نے اپنے طرز عمل سے ثابت کیا کہ وہ چوری کھانے والے مجنوں ہیں۔ نواز شریف کے برے وقت میں تہمینہ دولتانہ نے مرد بن کر ساتھ دیا۔ تہمینہ دولتانہ کا شمار ان خواتین میں ہوتا ہے جو "بولڈ" کہلانے کی حق دار ہیں۔ وہ سیاسی میدان ہی میں بولڈ نہیں بلکہ نجی زندگی میں ضرورت سے زیادہ بولڈ ہیں اس کا ثبوت انہوں نے اس طرح دیا کہ 23 سالہ ازدواجی رفاقت کو بھلا کر دوسری شادی رچالی۔

لاہور کے پوش ایریا میں وہ انگلش میڈیم سکول کی مالک ہیں۔ وہ وفاقی وزیر بھی رہ چکی

ہیں۔ مری مٹر، ہاتھ واقف کرانے پر جتھا کر ان کی آمدن بھی حاصل کر رہی ہیں۔ موضع مدن میں اپنے آبائی رقبہ کے باغات سے بھی خطیر آمدن حاصل کرتی ہیں۔ 1988ء میں قومی سیاست میں کودیں۔ تھوڑے ہی عرصے میں انہوں نے بڑا نام کمایا۔ انہیں 1993ء میں مسلم لیگ کا ٹکٹ ملا جس پر انہوں نے وہاڑی سے قومی اسمبلی کا الیکشن لڑا۔ اس الیکشن میں ایک نام زاہد واہلہ تہمینہ دولتانہ کے ساتھ اتنا زیادہ گونجا کہ پہلے سے شادی شدہ دونوں کو شادی کرنی پڑی۔

زاہد واہلہ چودھری شجاعت حسین کے ایک ادارے کے منیجر کے بیٹے ہیں۔ ضلع وہاڑی کی ضلع کونسل کے بھی وہ ممبر رہے۔ زاہد واہلہ سے عشق کی پینگیں تہمینہ دولتانہ کی دوسری شادی کی صورت میں برآمد ہوئیں۔ زاہد واہلہ نے تہمینہ کی الیکشن مہم کو محبت کی مہم میں بدلا اور دونوں میں مرتجرہ ہوا۔ زاہد واہلہ شادی شدہ مرد تھا اور تین بچوں کا باپ مگر تہمینہ کا ایسا عاشق ہوا کہ سب کچھ بھول گیا۔ آگ یکطرفہ نہ لگی تھی بلکہ معاملہ دو طرفہ تھا کیونکہ تہمینہ نے بھی زاہد واہلہ کی محبت کی آگ کی تپش سے شوکت عقیل کے ساتھ 23 سالہ پرانی رفاقت کو جلا دیا۔ تہمینہ ابھی شوکت عقیل کی منکوحہ تھی کہ یہ رات گئے تک زاہد واہلہ کے ساتھ بیٹھی رہتی۔ شوکت عقیل نے شور کیا تو تہمینہ غصے سے پاگل ہوگئی اور شوکت عقیل سے علیحدگی کا مطالبہ کر دیا۔ تہمینہ نے اپنے گھر سے شوہر اور بچوں کو نکال دیا۔ بات اگر صرف شادی کی ہوتی تو قابل قبول تھی کیونکہ اونچی کلاس میں یہ معمول کی بات ہے۔ لیکن یہاں معاملہ یہ مختلف تھا کیونکہ شوکت عقیل نے عدالت میں دعویٰ دائر کیا تھا کہ تہمینہ نے نکاح پر نکاح کیا ہے اس نے مجھ سے طلاق نہیں لی۔ اس دعویٰ کی تصدیق تہمینہ کی والدہ بیگم عقیلہ دولتانہ نے بھی کی۔ تہمینہ دولتانہ ایک جاگیردار کی بیٹی ہی نہ تھی بلکہ ممبر قومی اسمبلی بھی تھی لہٰذا نکاح پر نکاح کرنے کے دعویٰ کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا ویسے بھی قانون اندھا ہوتا ہے جسے طاقتور صرف انگلی پکڑ کر چلاتا ہے بلکہ جس طرف چاہے لے بھی جاتا ہے۔

اس سکینڈل کے منظر عام پر آنے کے بعد تہمینہ نے موقف اختیار کیا کہ میں نے شرعاً اور قانوناً طلاق لے کر زاہد واہلہ سے شادی کی تھی۔ اس کے بقول میاں شوکت عقیل نے مجھے طلاق کا حق تفویض کیا تھا اس لئے مجھے تنسیخ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ ان ہی دنوں وہاڑی میں اخبار نویسوں سے بات کرتے ہوئے تہمینہ نے کہا تھا "میری دوسری شادی

ملک کی 52 فیصد خواتین کے حقوق کی تحفظ کی جنگ ہے"

ہمارے معاشرے میں خواتین قتل ہو جانا پسند کرتی ہیں مگر سروں سے دوپٹہ نہیں اتارتیں تہمینہ دولتانہ نے ایوان کے فلور پر اپنے سر سے چادر اتار کر صدر (فاروق لغاری) کی طرف پھینکی تھی۔ قومی اسمبلی کی رکن تہمینہ دولتانہ کو ان کی ماں بیگم عقیلہ دولتانہ نے عاق کرنے کا نوٹس بھی جاری کیا تھا۔ نوٹس پڑھ کر پوری پاکستانی قوم ورطہ حیرت میں ڈوب گئی۔ تہمینہ کی نکاح پر نکاح کے سکینڈل سے اسلامی قوانین کا سرعام مذاق اڑایا گیا اگر تہمینہ نے شوکت عقیل کو طلاق دی تھی تو پھر عدت کی مدت کیوں نہ گزاری یہ وہ سوال ہے جس کا جواب تہمینہ دولتانہ کے پاس نہیں۔

"بازار حسن اور سیاست"

شاید ہی کوئی سیاستدان ایسا ہو گا جو کبھی بازار حسن نہ گیا ہو بلکہ کسی ظالم نے تو یہاں تک لکھا کہ "عصر حاضر میں مقتدر اور حکمران طبقات کے شاہی محلات تک جانے والے اکثر راستے شاہی محلے سے ہو کر گزرتے ہیں" آپ کو راجہ اندر کے اکھاڑے، عیاش سلاطین کی رزم سرائیں، محمد شاہ رنگیلا کا قلعہ معلی نہیں بھولا ہو گا حالانکہ سیاست دانوں اور رئیس زادوں نے اپنی کوشش سے ان کے کارناموں کو چھپانے کی کوشش کی۔ جدید دور کے رنگیلے سیاست دانوں نے فلمی ہیروئنوں اور بازار حسن کی ہر تتلی کو اپنے نوٹوں کے بل بوتے پر ناچتا ہوا دیکھا۔ ملکہ ترنم نورجہاں سے لے کر ریما تک شوبز کی تقریباً تمام پریاں حکمران طبقے سے تعلق رکھنے والے شرفاء کے اشاروں پر ناچتی رہی ہیں۔ اپنے جرائم پر وہ کبھی خفیہ شادی کے ذریعے تو کبھی دولت کے ذریعے پردہ ڈالتے رہے ہیں۔ دولت کا انبار دیکھ کر نازنینیں اپنے لبوں کو سی لیتیں۔ بازار حسن کی تتلیاں بڑے بڑے سیاست دانوں کو اپنا شکار کرتیں یوں ان کی مارکیٹ ویلیوں میں بے پناہ اضافہ ہوتا۔

"ممتاز علی بھٹو"

ممتاز علی بھٹو جاگیرداروں کی عیاش نسل کا نمائندہ فرد ہے۔ ذوالفقار علی بھٹو کے دور اقتدار میں ان کا طوطی بولتا تھا۔ بھٹو مرحوم انھیں اپنا ٹیلنٹڈ کزن کہا کرتے۔ وہ سندھ کے سیاہ و سفید کے مالک تھے۔ سندھ کا وزیر اعلیٰ بن کر انھوں نے بڑے گراں قدر کارنامے سر انجام دیئے تھے۔ جن میں سے سرفہرست چیف منسٹر ہاؤس میں بلیو فلموں کا دیکھا جانا تھا۔ شراب و شباب کے حوالے سے ممتاز علی بھٹو وڈیروں کی دنیا میں ممتاز نام و مقام کے مالک تھے۔ صنف نازک کی اداؤں پر مرمٹنا اور ان کے تھرکتے جسموں کو سجدہ کرنا وڈیروں کی خوبی شمار کی جاتی۔ اس روایت کو ممتاز علی بھٹو نے خوب پروان چڑھایا۔ ممتاز بھٹو کی شرمناک سرمستیوں پر سے کراچی ڈویژن کے اعلیٰ افسر نے قسم اٹھا کر پردہ اٹھایا اور کہا "سندھ کے ایک ریسٹ ہاؤس میں میری موجودگی میں عبدالحفیظ پیرزادہ اور ممتاز بھٹو دو لڑکیوں کو لے کر

آئے وہ سینٹ جوزف کالج کی یونیفارم پہنے ہوئے تھیں کتابیں ان کے ہاتھوں میں تھیں۔ مگر جلد ہی انھیں اس بوجھ سے نجات مل گئی۔

سیاسی طور پر ممتاز علی بھٹو نہایت متعصب قسم کے قوم پرست لیڈر کی شناخت رکھتے ہیں۔ انھی کے دور میں سندھ میں پہلی بار لسانی فسادات پھوٹے۔ پھر یہ آگ ایسی لگی کہ بجھائے نہ بجھی۔ ذاتی زندگی میں وہ ایک عیش پسند شخص تھے۔ پنجابیوں کی عزت پامال کرنے کے لئے وہ پنجاب جایا کرتے۔ پنجابیوں کو سرعام گالی دیتے اور کہتے "پنجابی بے غیرت ہوتے ہیں" ایک موقع پر انھوں اس قسم کی زہر افشانی کی کہ سامنے ایک مزدور پنجابی لیڈر بیٹھا تھا۔ سندھی وڈیرے سے اپنے بارے میں توہین الفاظ سنے تو وہ غصے میں لال پیلا ہو گیا اور مطالبہ کیا کہ "بھٹو صاحب اپنے الفاظ واپس لو" ممتاز بھٹو نے الفاظ تو کیا واپس لینے تھے مزید بکنے لگے کہ "پنجابی عہدہ حاصل کرنے کے لئے اپنی عزیز ترین لڑکیاں لوگوں کے بستروں کی زینت بناتے ہیں" ممتاز بھٹو کے زہر آلود الفاظ سے پنجابی مزدور لیڈر نے غصے میں ممتاز بھٹو کے منہ پر تھپڑ مارے۔ ممتاز بھٹو اپنی توہین برداشت نہ کر سکا جس کا بدلہ اس نے رات کو پنجابی افسر کی طرف سے فراہم کردہ خاتون کی عزت سے کھیل کر اپنا غم غلط کیا دوسری طرف ممتاز بھٹو کی پولیس مزدور لیڈر کے ناخن کھینچ رہی تھی۔ اس مزدور لیڈر کو سندھی وڈیرے کے آگے زبان چلانے کی گستاخی پر کئی ماہ جیل میں دال روٹی کھانی پڑی۔

ذوالفقار علی بھٹو کی مداخلت پر اسے رہائی نصیب ہوئی۔ رہائی کے بعد مزدور لیڈر نے جب ذوالفقار علی بھٹو کو اپنی رام کہانی سنائی تو بھٹو نے کہا اصل بے غیرت تو تم اور سندھی وڈیرہ تھے۔ اس میں سندھیوں اور پنجابیوں کا کوئی جرم نہیں یہ اتفاقی وضاحت پنجابی مزدور لیڈر کے دل کو بھا گئی اور وہ بدستور سرکاری جماعت سے منسلک رہا۔ جب اقتدار ختم ہوا تو سندھی وڈیرا اور مزدور لیڈر دونوں بھٹو سے الگ ہو گئے کیونکہ ان کی وفاداریاں اقتدار اور عیاشی کے ساتھ وابستہ تھیں۔

ممتاز بھٹو اپنی راتوں کو رنگین بنانے کے لئے بڑا اہتمام کیا کرتے۔ وہ شراب پی کر گھناؤنا کھیل شروع کرتا اور حسینہ کے جسم کو ناخنوں اور دانتوں سے لہولہان کر دیتا۔ اس نے اپنی عیاشی کے لئے لاڑکانہ میں ایک عالی شان کمرہ بنا رکھا تھا۔ ممتاز بھٹو اپنی شہوانی سرگرمیوں کو کسی بھی صورت میں ماند نہ پڑنے دیتے۔ عیاش عورتوں کا رسیا ہونا سندھ کے وڈیروں کی

ایک خاص خوبی ہے۔ پنجاب کے ایک چیف سیکرٹری کی بیوی کی خوبصورتی کے چرچے اونچی محفلوں میں گونجے تو ممتاز بھٹو اپنے آپ پر قابو نہ پا سکا ممتاز بھٹو اس کے سحر میں گرفتار ہو گیا۔ بھٹو کا یہ لینڈ لارڈ کزن اپنا زیادہ وقت نازک اندام سرو قد حسینہ کے ساتھ گزارنا پسند کرتا۔ ممتاز بھٹو کی خواہشات پوری کرنے کے لئے خوبصورت بیویوں کے بے غیرت شوہروں کے درمیان ممتاز بھٹو کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے مقابلہ جاری رہتا۔ یہی نہیں بلکہ افسران اس کے لئے نوخیز جسم فروش لڑکیوں کی تلاش میں رہتے اپنے مقصد کے لئے وہ فائیو سٹار ہوٹلوں میں گوشت کی منڈی لگاتے۔

ممتاز بھٹو نے سندھ میں لسانی فسادات کو ہوا دی۔ وہ پہلے سندھ کا وزیر اعلیٰ پھر وفاقی وزیر بلدیات بنا اس تمام عرصے میں اس کے عاشق دل کو چین نصیب نہ ہوا وہ تتلیوں کی تلاش میں لاڑکانہ، کراچی، لاہور اور اسلام آباد مارا مارا پھرا۔

"فیصل صالح حیات"

بے نظیر بھٹو کے سب سے زیادہ قریب رہا کرتے تھے۔ نوجوان ہی نہ تھے مردانہ حسن سے بھی مالا مال تھے۔ محترمہ بے نظیر بھٹو کے بہت زیادہ قریب ہونے کی وجہ سے ان کے اور بے نظیر بھٹو کے بارے میں بہت سی باتیں سامنے آگئیں۔ فیصل صالح حیات بے نظیر بھٹو کے مابین لڑائی جھگڑے کی خبریں پاکستانی عوام کو پڑھنے اور سننے کو ملیں۔ وہ بے نظیر

بھٹو کی ہاں میں ہاں ملانے میں خصوصی مہارت رکھتے تھے۔ بے نظیر بھٹو کی تعریف کرنے میں انہیں کبھی دقت پیش نہ آئی۔ وہ بے نظیر بھٹو کے ساتھ ہر وقت دیکھے جانے لگے تھے بلکہ بے نظیر بھٹو ان سے مشورہ کئے بغیر کوئی کام اور کے نہ کرتیں حالانکہ بے نظیر بھٹو کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ مشورہ کرنے کی بجائے اپنا فیصلہ دیا کرتی تھیں۔ بے نظیر بھٹو اور فیصل صالح حیات کی یہی قربت لوگوں کو دونوں کی شادی کی افواہیں اڑانے میں مددگار ثابت ہوئی ذرائع کے مطابق بات 91% فیصد درست تھی مگر بے نظیر بھٹو کو فیصل صالح حیات سے اس وجہ سے شادی کرنے سے انکار کرنا پڑا کہ ان کے نام میں لفظ حیات آتا تھا اور وہ ایک حیات سے ناکام عشق کر چکی تھیں دوسرے حیات سے وہ اس قسم کا عشق افورڈ نہ کر سکتی تھیں۔

فیصل صالح حیات کا ایک اور معاشقہ معروف اداکارہ خالدہ ریاست سے چلا۔ خالدہ ریاست نے ایک عرصہ تک صالح حیات کے دل پر حکمرانی کی۔ خالدہ اسے دل سے چاہتی تھی لیکن دوسری طرف ایک جاگیردار تھا چنانچہ یہ عشق منڈھے نہ چڑھ سکا۔ خالدہ ریاست پر فیصل صالح حیات کی بے وفائی کا اتنا اثر ہوا کہ وہ کینسر جیسے موذی مرض میں گرفتار ہو گئیں ایک جاگیردار کے ہاتھوں ستائی ہوئی پڑھی لکھی خاتون کربناک موت کا شکار ہو گئیں۔ بعد میں لوگوں نے خالدہ ریاست کی تمام تکلیف کا ذمہ دار کھلم کھلا فیصل صالح حیات کو ٹھہرایا۔

"احمد کمال"

سیاست دانوں کی طرح بیرون ملک تعینات سفارت کار بھی پیچھے نہ تھے اس سلسلے میں اقوام متحدہ میں پاکستان کے مستقل مندوب نے خاصا نام کمایا وہ اپنی سرکاری رہائش گاہ پر باقاعدگی سے فحش فلمیں دیکھا کرتے تھے یہی نہیں بلکہ وہ اس کا بل قومی خزانے سے ادا کرتے۔ 18 نومبر 1996ء کو سیکرٹری خارجہ نجم الدین شیخ افغانستان کے حوالے سے ایک کانفرنس میں شرکت کے لئے امریکہ تشریف لے کر گئے جہاں انہوں نے احمد کمال کے گھر میں رہائش رکھی۔ ان کے قیام کے دوران فحش فلموں والے کیبل ٹی وی چینل "پلے بوائے" کے ذریعے دو انتہائی فحش اور جنسی فلمیں دیکھی گئیں جن کا بل 9 ڈالر 90 سینٹ پاکستان مشن کے اکاؤنٹ سے ادا کیا گیا۔

"یوسف رضا گیلانی"

یوسف رضا گیلانی بحیثیت سپیکر قومی اسمبلی کس تکی کی اشتثنیاں کیا کرتے تھے ملاحظہ فرمایئے اور پھر دل پر ہاتھ رکھ کر فرمائے کیا اس قبیل کے لوگ ہماری قیادت کرنے کے اہل تھے۔ بحیثیت سپیکر قومی اسمبلی یوسف رضا گیلانی کیڈٹ کالج میں تقریب تقسیم انعامات میں بحیثیت مہمان خصوصی کے شریک ہوئے۔ وہاں انعام دیتے وقت ایک خوبصورت ہونہار و خوبرو طالبہ پر ایسے لٹو ہوئے کہ اسے قومی اسمبلی میں ملازمت دینے کی آفر کر دی وہ لڑکی بیگم رمضان نامی طالبہ تھی جس نے کالج کے مقابلوں میں پہلی پوزیشن حاصل کی۔ صرف گریجویشن کے بل پر قومی اسمبلی سیکرٹیریٹ میں ملازمت ملی بیگم رمضان کو ایک خواب لگا وہ قومی اسمبلی سیکرٹریٹ پہنچی تو اسے فوراً سترہویں سکیل میں ملازمت کا لیٹر مل گیا۔ بیگم رمضان نے کچھ عرصہ ملازمت کی اور پھر مزید تعلیم کا کہہ کر گیلانی صاحب کے ذریعے ایک سال کی چھٹیاں لے کر دوبارہ لاہور آ گئی اور یونیورسٹی میں داخل ہو گئی حالانکہ رولز ریگولیشن کے مطابق دو سال سے کم عرصہ کی ملازمت پر چار ماہ سے زیادہ کی یک وقت چھٹی نہیں مل سکتی۔ گیلانی صاحب کی اس قسم کی نوازشات سے معروف شاعر شبنم شکیل کی صاحبزادی صباحت احمد بھی مستفید ہو چکی ہیں۔ موصوفہ کو پہلے تو گریڈ 16 میں تعینات کیا گیا ریسرچ آفیسر گریڈ 16 تھی جبکہ اس نے تھوڑے ہی دنوں بعد گیلانی صاحب سے گزارش کی کہ ان کا منگیتر گریڈ 17 کا افسر ہے لہٰذا مجھے اس کے ہم پلہ گریڈ دیں۔ گیلانی صاحب نے صباحت احمد کی درخواست فی الفور قبول کر لی بغیر کسی قانون و ضابطے کو دیکھے۔ علاوہ ازیں گیلانی صاحب مہمان نوازی میں بھی بڑی شہرت رکھتے تھے ان کی زیادہ تر مہمان لڑکیاں ہوا کرتیں۔ ایک مرتبہ اس قسم کی مہمان نوازی کا بل گیلانی صاحب نے 2187 روپے کی رقم ادا کر کے کیا۔ تفصیل کے مطابق ہالی ڈے ان ہوٹل میں تسکین فرحت نامی حسینہ ٹھہری ہوٹل کے کارڈ پر حسینہ کے بجائے یوسف رضا گیلانی کے دستخط تھے۔ چند روز موصوفہ نے ہوٹل میں قیام کیا اور پھر چپکے سے غائب ہو گئی اس زمانے میں گیلانی صاحب محکمہ ہاؤسنگ کے وزیر تھے۔ مہمان کا اس طرح غائب ہو جانا لوگوں کے لئے حیرانی کا باعث بنا مگر بات عام نہ ہوئی کیونکہ گیلانی صاحب اس وقت وزیر تھے۔ وزیر صاحب خاتون صحافیوں کی مہمان نوازی فرمانے میں خاصے مشہور تھے۔ ان سے خواتین کا چھٹی لینا یا ترقی حاصل کرنا معمولی کام تھا۔

"عبدالحفیظ پیرزادہ"

عبدالحفیظ پیرزادہ بھٹو کے قریب ترین ساتھیوں میں سے تھے وہ بھٹو کی کابینہ میں سب سے زیادہ خوبصورت ہینڈسم اور جاذب نظر وزیر تھے۔ ان میں بڑی کشش تھی۔ خواتین کی محفلوں میں ان کا ذکر اہتمام سے لیا جاتا۔ حفیظ پیرزادہ بھٹو کے لاڈلے وزیر تھے۔ بھٹو کی نوازشات نے پیرزادہ کو مغرور و متکبر بنا دیا۔ کوریا کے دورے سے واپس آئے تو انہوں نے جسمانی تربیت اور جمناسٹک کے ایک قومی پروگرام کا اعلان کیا۔ یوں نیشنل یوتھ آرگنائزیشن قائم کی گئی۔ چونکہ یہ شعبہ نوجوان نسل سے تھا چنانچہ وفاقی وزیر برائے تعلیم و ثقافت جناب عبدالحفیظ پیرزادہ کو اس کا سربراہ مقرر کیا گیا۔ بھٹو کے اس وزیر نے اس تنظیم کو اپنی رنگین طبع مزاجی کے لئے استعمال کیا اس زمانے میں اس سے کئی رنگینیاں منسوب ہوئیں۔

حفیظ پیرزادہ سب سے پہلے ایک جرمن خاتون کے عشق میں مبتلا ہو کر اس کے شوہر بنے۔ سعدیہ ان کی دوسری بیوی بنی۔ سعدیہ' پیرزادہ کی بیوی بننے سے قبل ہارون جعفری کی بیوی تھی۔ ہارون جعفر' حفیظ پیرزادہ کا قریبی دوست تھا دونوں کا ایک دوسرے کے پاس آنا

چاند معصوں کا حصہ تھا اسی اثناء میں حفیظ پیرزادہ اور سعدیہ دونوں کی آنکھیں چار ہو گئیں دونوں نے اپنا دل ایک دوسرے کے نام کر دیا۔ سعدیہ اور حفیظ پیرزادہ ایک روز موقع پا کر رنگ رلیاں منانے کے لئے گھر سے نکل گئے چنانچہ شادی سے قبل دونوں نے ہنی مون منایا۔ فرار کے عرصے میں سعدیہ حمل سے ہو گئی جس پر ہارون جعفر نے اسے اپنے ہاں رکھنے سے انکار کر دیا۔ سعدیہ نے طلاق کا مطالبہ کر دیا جو اسے اس شرط پر ملی کہ وہ تمام زیورات اور اس کے نام جو مکان ہے وہ واپس کر دے سعدیہ نے مطالبات مان کر ہارون جعفر سے طلاق حاصل کر لی اور اس نے حفیظ پیرزادہ سے شادی کر لی۔ سعدیہ اپنی نجی زندگی میں بڑی بے باک اور کھلی ڈھلی عورت کے طور پر مشہور تھی۔ سعدیہ کو اپنی خوبصورتی پر ناز تھا وہ حفیظ پیرزادہ ہی نہیں اور بھی کئی افراد کو اپنی زلفوں کے سایہ میں پناہ دیتی رہی۔ وہ خوبصورت زیورات پہننے اور نئی گاڑیوں کی شوقین تھیں۔ ایک بار گوری تھیں اور نہایت انہیں ایک کار پسند آگئی تھی وہ ڈرائیو کر کے گھر لے آئیں چنانچہ ڈپٹی کلکٹر فیض محمد نے مودبانہ گزارش کی کہ "گاڑی واپس کر دیجئے ابھی تو کلیئر بھی نہیں ہوئی اگر آپ لینا چاہتی ہیں تو اس کے مالک سے بات کر لیجئے" یہ الفاظ سعدیہ کی طبع نازک پر گراں گزرے اس نے نہایت غصے میں جواب دیا "تمہاری یہ جرات کہ تم اس طرح مجھ سے بات کرو" وہیں سے فیض محمد کی بدقسمتی کا آغاز ہوا اور اسے سخت تعزیری کارروائیوں کا سامنا کرنا پڑا اور اسے اپنی نوکری سے ہاتھ دھونا پڑا۔

پیرزادہ کی رنگینیوں کے قصے فلم نگری کی پریوں سے بھی جڑے ہوئے ہیں۔ وزارت ملنے کے فوراً بعد عاشق مزاج پیرزادہ کراچی کے بازار حسن کی طرف نکل گئے وہاں انہوں نے بابرہ شریف سے راز و نیاز کے انداز میں ملاقات کی ان کی اس حرکت سے بھٹو سخت ناراض ہوئے اور انہوں نے پیرزادہ کو ڈانٹا۔

پیرزادہ کی رنگین مزاجی سے منسوب ایک نام ثمینہ کا بھی ہے جو اپنی خوبصورت رنگت اور دلربا اداؤں کے باعث حفیظ پیرزادہ اپنے سے کبھی بھی الگ جدا کرنے کو تیار نہ ہوتا۔ اپنے غلیظ کھیل کے لئے وہ دوستوں کے گھروں کو استعمال میں لاتا۔ مسز مجتبیٰ کا گھر دونوں کی ملاقاتوں کے لئے مخصوص تھا ثمینہ اور حفیظ پیرزادہ کے تعلقات کی خبر سعدیہ تک پہنچی تو سعدیہ نے گوارا نہ کیا کہ حفیظ پیرزادہ ثمینہ کا شوہر بنے اس مقصد کے لئے اس نے ذوالفقار

علی بھٹو کو استعمال کیا کیونکہ سعدیہ بیوی تو حفیظ پیرزادہ کی تھی مگر اس کے تعلقات بھٹو سے بھی تھے بھٹو حسین زلفوں سے کھیلنے کا جہاں عادی تھا وہیں وہ حسیناؤں کے مطالبے رد نہ کرنے میں بھی مشہور تھا چنانچہ ثمینہ اور حفیظ پیرزادہ کے عشق کی بیل منڈھے نہ چڑھ سکی۔

حفیظ پیرزادہ نجی محفلوں میں اکثر یہ شعر گنگناتا۔

بدنام ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا۔

"غلام مصطفیٰ جتوئی"

غلام مصطفیٰ جتوئی کو ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں کافی شہرت ملی وہ دوستیوں کو نبھانے میں مشہور ہیں۔ غلام مصطفیٰ کھر ان کے ذاتی دوست ہیں۔ مصطفیٰ کھر نے حق دوستی ادا کرتے ہوئے انہیں پنجاب سے الیکشن جتوا کر قومی اسمبلی تک پہنچایا تھا۔ وفاقی وزیر اور سندھ کے وزیر اعلیٰ رہے۔ عبوری وزیر اعظم کے عہدے پر فائز رہے۔ جنرل ضیاء الحق کے مارشل لاء میں طویل عرصہ جیل کی سلاخوں کے پیچھے رہے۔ بے نظیر بھٹو نے انکلوں سے جان چھڑانے کی پالیسی پر عمل کرتے ہوئے غلام مصطفیٰ جتوئی سے بھی پیچھا چھڑایا۔ مصطفیٰ جتوئی نے ذاتی پارٹی بنائی مگر انہیں کامیابی حاصل نہ ہوئی سیاسی میدان میں کارنامے سر انجام دینے والے جتوئی کا ذاتی کردار بھی کارناموں سے بھرپور ہے۔ انہوں نے بطور وزیر اعلیٰ سندھ بہت رنگین دور گزارا اس زمانے میں وہ رنگین اور زندہ دل عاشق تھے اس زمانے

urdunovels.net

میں وہ نسرین مہناس نامی خاتون پر لٹو ہوئے اور پھر اپنی جنسی تسکین حاصل کرنے کے عوض وہ نسرین مہناس پر نوازشات کی بارش برساتے رہے۔ ان کی اونچی حویلی سے معلوم نسوانی آوازیں ٹکرا ٹکرا کر نکلنا چور ہو جاتیں۔ جتوئی سے دوستی کا اگر کسی نے سب سے زیادہ فائدہ اٹھایا ہے تو وہ معروف پاپ سنگر نازیہ اور زوہیب کی والدہ منزہ ہے وہ عبوری وزیر اعظم مقرر ہوئے تو اپنی عاشقانہ طبیعت کے ہاتھوں مجبور ہو کر منزہ کو اقوام متحدہ میں پاکستان کی نمائندہ بنایا۔ ذرائع کے مطابق وہ اقوام متحدہ میں عیاش حکمرانوں کی خفیہ ثقافت کی نمائندگی کرتی تھیں۔

"سید بیدار شاہ"

صوبہ سرحد کے سابق وزیر اعلیٰ آفتاب شیرپاؤ کے قریبی ساتھیوں میں ان کا شمار کیا جاتا ہے۔ سرحد ہی کے ایک سابق وزیر اعلیٰ راجہ سکندر زمان کی نوازشات کی بدولت وہ نہ صرف صوبہ سرحد کی صوبائی اسمبلی کا ممبر بنا بلکہ اپنی رنگین طبع کو بھی خوب نکھارا۔

ہری پور سے خان پور تک بنائی جانے والی روڈ پر معمولی سی ملازمت کرنے والے شخص کے پاس دولت آئی تو اس نے انگور کی بیٹی سے نکاح پڑھوا لیا۔ انگور کی بیٹی سے دل بہلا کر وہ خاص طور پر سرور محسوس کیا کرتا۔ نشے میں وہ قریب ترین دوستوں کو بھی بھلا دیتا۔ جن دنوں صوبائی اسمبلی کا اجلاس جاری ہوتا وہ پشاور کے شاہی مہمان خانے میں رہائش اختیار کرتا وہاں اس کی تواضع شراب و شباب سے کی جاتی۔ اس قسم کی ایک محفل میں وہ شریک تھا کہ ایک ڈاکٹر اپنے کسی کام کے لئے اس کے کمرے تک گیا تو دیکھتا ہے وہاں دو حسین و جمیل لڑکیاں سید بیدار شاہ کی خدمت میں مصروف ہیں نشے میں وہ دروازہ بند کرنا بھول گیا اس وقت جہاں موصوف شاہ صاحب فطری لباس میں وہاں موجود تھے خوبصورت نازنین بھی فطری لباس میں وہاں موجود تھے خوبصورت نازنین فطری لباس میں داد عیش دینے میں مصروف تھیں۔ وی سی آر پر عریاں فلم چل رہی تھی ڈاکٹر صاحب آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر الٹے پاؤں واپس پلٹ آئے۔ جنسی کارنامے کے علاوہ بیدار شاہ کا ذرائع نے ایک کارنامہ یہ بھی بتایا کہ انہوں نے ٹیکسلا میوزیم سے اصلی نوادرات نکال کر مہنگے داموں فروخت کر دیں اور ان کی جگہ دو نمبر نوادرات رکھ دیں۔

"یحییٰ خان"

یحییٰ خان کا نام بطور رنگین مزاج حکمران کے ہماری تاریخ کے ماتھے پر سیاہ داغ ہے۔ ان کی حیوانی جبلت اور رنگین مزاجی سے ایک زمانہ واقف تھا۔ پاکستان کے رومان پرست حکمران تھے۔ بحیثیت حاکم اعلیٰ ان کا ایک ہی کام تھا کہ رومان پالنا اور انہیں جوان کرنا۔ وہ میدان عشق میں آزاد پنچھی کے طور پر مشہور تھے چنانچہ وہ ڈال ڈال اڑتے رہے۔ اپنی حرکات کی بدولت یحییٰ خان نے حسیناؤں میں خوب نام کمایا وہ شراب و شباب دونوں کے رسیا تھے۔ ان کے دور اقتدار کو تجزیہ نگار رنگیلے بادشاہ کا دور قرار دیتے ہیں۔ یحییٰ خان کی بدنام زمانہ حرکات نے انہیں پاکستان کے اندر ہی نہیں دنیا بھر میں بدنام کر دیا تھا۔ ان کے عہد اقتدار کی مثال دیتے ہوئے دشمنان اسلام مذاق اڑایا کرتے تھے۔ ان کے دور میں بری شہرت کی حامل خواتین بغیر کسی رکاوٹ کے ایوان صدر کے اندر آتی جاتی تھیں۔ وہ پاکستان کی مسلح افواج کا کمانڈر تھا مگر رندی اور کنجری کی محفلوں کو لیڈ کرنے میں خاصی شہرت رکھتا تھا۔ اس کے زمانے میں ایک عورت کا نام ایوان اقتدار میں صبح شام گونجا کرتا تھا اس عورت کو لوگ جنرل رانی کہتے حالانکہ اس کا اصلی نام اقلیم اختر تھا مگر جنرل رانی کے نام سے اسے شہرت ملی وہ گجرات کے ایک تھانیدار کی بیوی تھی 1964ء میں اس کی رسائی جنرل یحییٰ خان تک ہوئی۔ خوبصورت و گداز بدن رنگیلے بادشاہ کی کمزوری تھا۔ خوبصورت، تر و تازہ اور بھرا ہوا جسم دیکھتے ہی جنرل صاحب کے منہ میں رال ٹپکنا شروع ہو جاتی۔ اس

زمانے رانی پر جوانی کی بہار تھی۔ اس کے جسم میں جوانی کی کونپلیں پھوٹی ہوئی تھیں۔ حسن ٹوٹ کر برس رہا تھا جو رانی کو ایک بار دیکھتا بار بار دیکھنے کی دعا مانگنے لگتا ایسے میں وہ جنرل یحییٰ خان کی نظروں کے سامنے گئی تو پھر اسی کی ہو کر رہ گئی۔ وہ نہ صرف خود رنگیلے بادشاہ کی راتوں کو رنگین بنانے لگی بلکہ منہ کا ذائقہ بدلنے کے لئے اپنے ساتھ نئی اور تازہ جوانیوں کی کھیپ بھی ایوان صدر لانے لگی۔ مغل بادشاہ رنگیلا کے بارے میں ایک قصہ مشہور ہے کہ وہ سیڑھیاں دوشیزاؤں کی چھاتیوں کے سہارے چڑھا کرتا تھا جنرل صاحب نے اس کی ریت کو نہ صرف آگے بڑھایا بلکہ اس میں نئی جدت اور نکھار پیدا کی۔ جنرل رانی محفلوں میں اکثر کہا کرتی کہ وہ دنیا بھر کا کام جنرل یحییٰ سے کروا سکتی ہے۔ جنرل یحییٰ کے بارے میں اس کے ریمارکس یہ تھے کہ اس میں خود غرضی اور منافقت انتہا درجے کی تھی۔

اس کی رگوں میں خون کی جگہ شراب گردش کرتی۔ مجھے وہ تمام گر معلوم ہیں جس سے اس کی خواہشات کی تکمیل کی جا سکتی ہے۔ مردوں کے دلوں پر راج کرنے کے تمام گروں سے واقف اس دلربا حسینہ نے جو اپنے حلقے میں بلیک بیوٹی کے نام سے مشہور تھی عرصہ دراز تک یحییٰ خان کو اپنا گرویدہ بنائے رکھا۔ یحییٰ خان اور جنرل رانی کا ایک قصہ بہت مشہور ہوا۔ 1965ء کی جنگ کے بعد ایک تقریب میں جنرل رانی نے بہت بڑا کیک کاٹا۔ اس موقع پر اس نے نیم عریاں لباس پہن کر رقص کیا۔ ساتھ ہی پنجابی گانا اونچی آواز میں سنایا جنرل یحییٰ کے دور میں جنرل رانی اور اس کے گھر والوں کو سرکاری پروٹوکول حاصل تھا۔

جنرل یحییٰ کا نام ایک دوسری حسینہ کے ساتھ بھی بہت مشہور ہوا وہ اداکارہ ترانہ تھی جسے لوگوں نے "قومی ترانہ" قرار دے رکھا تھا جنرل صاحب کی محفلوں کو گرمانا اس کے خاص فرائض میں شامل تھا۔ اس کا حسن قیامت خیز تھا اس حسینہ کے گلے کے نیچے ایک تھوڑا سا حلقہ تھا جس میں شباب پرست جنرل یحییٰ شراب انڈیل کا لطف اندوز ہوا کرتا۔

یحییٰ خان کی شخصیت پر مختلف افراد نے تبصرے لکھے معطلی جرائد نے شباب پرست کے بارے میں لکھا "ہر شخص مختلف طریقے سے ناشتہ کرتا ہے۔ انگریز انڈے اور سور پسند کرتا ہے۔ جرمن ساس پسند کرتے ہیں مگر یحییٰ خان زنا پسند کرتے ہیں" جس قوم میں زنا پھیل جائے ذلت و رسوائی اس کا مقدر بن جاتی ہے 1971ء کی ذلت آمیز شکست ایک زانی حکمران کے کرتوتوں کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا عذاب ہے۔

یحییٰ خان کو شراب و شباب کے سوا کسی چیز کا ہوش نہ تھا پاکستان میں اس کا نام جہاں سیاسی طور پر متنازعہ ہے وہیں پریوں اور حسیناؤں کی وجہ سے تاریخ میں یاد رہے گا چند حسیناؤں کا جنرل یحییٰ پر اتنا جادو تھا کہ امریکی جریدے نیوز ویک کو اپنی ایک رپورٹ میں لکھنا پڑا کہ "یحییٰ خان کے دور میں اصل حکمران 12 عورتیں تھیں"۔

اداکارہ عندلیب کے بارے میں پتہ چلا ہے کہ وہ یحییٰ خان کی ناجائز اولاد ہے خیال رہے یہ وہی اداکارہ عندلیب ہے جس پر اس کے عاشق حنیف گمن نے تیزاب پھینکا تھا۔ عندلیب کی والدہ جنرل رانی کے گروپ کی سرکردہ نازنینوں میں سے ہے۔ جنرل رانی نے مسز آغا اپنی بہن کہتی تھی کے توسط سے اس کے تعلقات یحییٰ خان سے استوار ہوئے۔ دونوں کے رنگین جسمانی تعلقات کے نتیجے میں "عندلیب" پیدا ہوئی۔ مسز آغا کھلم کھلا کہا کرتی تھی کہ میرا سب کچھ صرف اور صرف یحییٰ خان ہے۔

امریکی جریدے نیوز ویک نے جنرل یحییٰ خان اور دوسری عورتوں کے ساتھ چند غیر مہذب تصاویر بھی شائع کیں۔ غصے میں جنرل یحییٰ نے رسالے کی پاکستان میں فروخت رکوا دی جس پر رسالے نے رد عمل کے طور پر جنرل یحییٰ کے دل پر حکمرانی کرنے والی تمام نازنینوں کی تفصیل چھاپ دی۔ جن میں جنرل رانی' بلقیس خانم' جنرل رانی کی دو خوبصورت مسز کے حسین' گلوکارہ نورجہاں' پشاور کی ایک رقاصہ اور فلمی اداکارئیں شامل تھیں۔ رسالے نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ مذکورہ خواتین جنرل یحییٰ خان سے تعلقات کی آڑ میں بھارتی خفیہ ایجنسی "را" اور "سی آئی اے" کے لئے کام کرتی رہیں۔

جنرل یحییٰ خان کے رنگیلے مزاج کے باعث پاکستانی افواج ہی نہیں اسلام کو بھی اسلام دشمن افراد کو بدنام کرنے کا موقع ملا۔

جنرل رانی سے ایک محفل میں یحییٰ خان نے قبل از وقت کہا تھا کہ میں ایوب خان سے اقتدار لوں گا اور پھر اس نے اپنی بات ثابت کی۔ قدرت اللہ شہاب اپنی مشہور زمانہ سوانح عمری "شہاب نامہ" میں رقم طراز ہیں "جن دنوں کشمیر کا جہاد زوروں پر تھا۔ میں آزاد کشمیر حکومت کا سیکرٹری جنرل تھا۔ پلندری اور تراڑ کھل کے درمیان ایک پہاڑی جو نچول میں ہمارا سیکرٹریٹ واقع تھا۔ یہاں پر چند کچے مکان تھے۔ جن میں آزاد کشمیر کے صدر' وزراء اور دوسرے ملازمین کی رہائش گاہیں اور دفاتر تھے۔

دن کے وقت سیکرٹریٹ کا کام انہی درختوں کے سائے میں ہوتا تھا۔ کسی کے پاس لوہے کی کرسی تھی۔ کسی کے پاس چوبی اسٹول۔ کوئی پتھروں کا چبوترہ بنا کر بیٹھتا تھا۔ کوئی گھاس پر نیم دراز ہو کر قلم چلاتا تھا۔ دن میں کئی بار ہندوستان کے بمبار طیارے ہمارے اوپر سے گزرتے تھے۔ کبھی کبھی ان کی پرواز اس قدر نیچی ہوتی تھی کہ پائلٹ کا چہرہ نظر آنے لگتا تھا۔ ایک روز ہم میٹنگ کر رہے تھے کہ ایک گول مٹول سا افسر جیپ سے اتر کر ہمارے پاس آیا۔ چہرے پر سوجن اور آنکھوں میں گندے انڈے کی ابلی ہوئی زردی سی تھی۔ اس کے ایک ہاتھ میں بید کی چھڑی اور دوسرے میں چمڑے کا گول تھیلا تھا۔ آتے ہی اس نے اپنی چھڑی میری ناک کے عین سامنے گھمائی اور قدرے ڈانٹ کر پوچھا "یہاں کیا تماشا ہو رہا ہے؟"

"میں نے عرض کیا کہ یہ آزاد جموں و کشمیر کا سیکرٹریٹ ہے۔"

یہ سن کر اس کی توند تسلے میں پڑی ہوئی اوجھڑی کی طرح گدگدائی۔ اور گلے سے غوں غاں کی کچھ دھندلی ہوئی آوازیں برآمد ہوئیں۔ یہ اس بات کی دلیل تھی کہ جنرل یحییٰ خان ازراہ تمسخر قہقہہ فرما رہے ہیں۔ ہمارے سیکرٹریٹ کی اینٹ کنڈالی پر چند تحقیری اور تمسخر آمیز پھبتیاں کسنے کے بعد آغا صاحب بور ہو گئے اور کچھ دور پرے جا کر درختوں کی اوٹ میں ایک چٹان پر بیٹھ گئے۔ اپنا تھیلا کھول کر انہوں نے کچھ سینڈوچ نوش فرمائے۔ اور پھر پیاس بجھانے کے لئے غالباً بیئر کی بوتل نکالی۔ ماہ رمضان کے دن تھے۔ یہ دیکھ کر میرا اردلی جلال میں آگیا اور اس نے دور ہی دور سے انہیں للکارا۔ "خبردار صاحب۔ یہ حرام بند کرو۔ ابھی ابھی مینڈھر کی وادی ہمارے ہاتھ سے نکل کر ہندوستان کے قبضے میں چلی گئی ہے۔ اب خدا کے غضب کو اور نہ بلاؤ۔ بوتل توڑ دو۔ ورنہ خون خراب ہو جائے گا۔"

یحییٰ خان نے بوتل تو نہ توڑی۔ لیکن جلدی جلدی سامان سمیٹ کر زیر لب بڑبڑاتا ہوا نو دو گیارہ ہو گیا۔

قدرت اللہ شہاب یحییٰ خان کا شخصی تعارف کروانے کے بعد آگے ایک جگہ لکھتے ہیں:

"کئی برس بعد مجھے یحییٰ خان کی زیارت ایک اور رنگ میں نصیب ہوئی۔

جب پاکستان کا دارالخلافہ راولپنڈی اور اسلام آباد منتقل ہو رہا تھا۔ تو ارباب پنڈی کلب نے کراچی سے تازہ واردان بساط ہوائے دل کی خیرسگالی کے لئے ایک زبردست محفل ناؤ نوش منعقد کی۔ مارشل لاء کا بول بالا تھا کئی سول سرونٹ چند کلیدی فوجی حکام کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔ کچھ بیگمات بھی اس مہم پر اپنے خاوندوں کا ہاتھ بٹانے کے لئے بج دھج کر شریک محفل تھیں۔ اس انجمن میں یحییٰ خان چہک چہک کر، پھدک پھدک کر کبھی ایک بیگم اور کبھی دوسری بیگم سے ٹکراتا تھا۔ بڑی محنت و مشقت کے بعد اس نے ایک طرحدار خاتون کو پھانسا۔ اور اسے گھیر گھار کر باہر لان میں لے گیا۔ کچھ دیر آنکھ مچولی کا کھیل ہوتا رہا۔ بدمستی کے عالم میں یحییٰ خان کی بہیمانہ جسامت اور طرحدار خاتون کے نرم و نازک قہقہے اندر بیٹھے ہوئے دوسرے امیدواروں کی چھاتی پر مونگ دلتے رہے۔ پھر زور کا دھماکا ہوا۔ اور سب لوگ بھاگ کر باہر آ گئے۔ خاتون تو ایک میز پر ٹانگیں لٹکائے بڑے آرام سے شیمپین پی رہی تھی۔ لیکن غریب یحییٰ خان کسی کرسی سے لڑھک کر ادھ موئے بھینسے کی طرح زمین پر چاروں شانے چت گرا پڑا تھا۔ چند لوگوں نے دھکیل دھکال کر اسے اٹھایا۔ وہ حنوط شدہ اکڑی ہوئی لاش کی طرح بے حس و حرکت کھڑا ہو گیا۔ اور کسی نے اس کی پتلون اوپر کھینچ کر توند کے نشیب پر از سر نو فٹ کی۔"

معروف صحافی منیر احمد "جنرل یحییٰ خان، شراب، عورت اور ٹوٹتا بنتا پاکستان" کے عنوان سے لکھتے ہیں:

"جنرل یحییٰ خان شراب پیتے تھے مگر وہ بھٹو اور شیخ مجیب الرحمان دونوں کو کبھی کبھار ساتھ بٹھا کر بھی پی لیا کرتے تھے۔ چونکہ ذوالفقار علی بھٹو کو معلوم تھا کہ یحییٰ کے شوق کس قسم کے ہیں اس لئے وہ لاڑکانہ میں یحییٰ خان کو شکار کھلوانے کے ساتھ ساتھ دوسرے لوازمات سے بھی ان کی تواضع کیا کرتے تھے۔ یہ ذکر اس دور کا ہے جب شراب کھلے عام فروخت ہوتی تھی، قحبہ خانے کھلے عام چلتے تھے، ہوٹلوں میں گانے بجانے اور جسم فروشی کا کاروبار کھلے عام ہوتا تھا اور یہ درست ہے کہ اسلام ان تمام برائیوں کی ممانعت کرتا ہے مگر شراب فروخت کرنے اور خریدنے والوں کو

ممکن ہے رشوت لینے کے لئے تو پکڑ لیا جاتا ہو مگر انہیں اس لئے بہت ہی کم پکڑا جاتا تھا کہ وہ قانون کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ اس طرح عیاشی 1960ء کی دہائی میں ہمارے کلچر کا حصہ بن چکی تھی اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ حکمران طبقہ غیر محسوس انداز میں پاکستان کو Sex Free Society کی طرف لے کر جا رہا ہے۔

ذوالفقار علی بھٹو مرحوم نے اسلامی قوانین اس لئے نافذ نہیں کئے تھے کہ ان پر راتوں رات اسلام کی رحمتیں نازل ہو گئی تھیں بلکہ ایسا انہوں نے محض اقتدار بچانے اور مولوی حضرات کو خوش کرنے کے لئے کیا تھا۔ بھٹو مرحوم نے شراب پر تو پابندی لگا دی لیکن شراب کی خرید و فروخت کا سلسلہ جاری رہا۔ ذوالفقار علی بھٹو اور ان کی کابینہ کے اکثر ارکان شراب پیتے تھے اور صرف سیاست دانوں پر ہی کیا موقوف، بڑی تعداد میں سول اور ملٹری بیوروکریسی سے تعلق رکھنے والے افراد بھی یہی شغل فرماتے تھے لیکن ان تمام افراد کی مے نوشی کے قصے اس لئے زبان زد عام نہ ہوئے کہ انہیں پینے کا سلیقہ آتا تھا۔ سوائے چند ایک نوجوان حضرات کے جن میں غلام مصطفیٰ کھر بھی شامل تھے، جب غلام مصطفیٰ کھر گورنر بنے تو وہ شراب پی کر لاہور میں گورنر ہاؤس کے کمروں اور وسیع و عریض سبزہ زار میں غل غپاڑہ مچایا کرتے تھے" اور وہ حسین و جمیل خواتین کے ساتھ کس طرح تفریحی لمحات گزارتے تھے وہ اپنی جگہ ایک حقیقت اور تاریخ کا حصہ ہے۔ اسی طرح سندھ کے سابق وزیر اعلیٰ جام صادق شراب نوشی کے حوالے سے بدنام اس لئے ہو گئے کہ وہ سب کے سامنے پیتے تھے اور کہتے تھے کہ "میں شرابی ہوں منافق نہیں---- ہاں میں پیتا ہوں اور ڈٹ کر پیتا ہوں۔" یہی کچھ حال جنرل یحییٰ خان کا بھی تھا جو پیتے تھے اور ڈٹ کر پیتے تھے وہ شراب پیتے نہیں تھے بلکہ شراب میں نہاتے تھے اور ان کی یہی حرکت نہ صرف ان کے اپنے لئے بلکہ ان کے خاندان کے لئے بھی رسوائی کا سبب بنی۔ ایک مرتبہ موصوف نے ایک غیر ملکی دورے کے دوران اس قدر شراب پی لی کہ ایوان صدر کے عملے کو جہاز دو گھنٹے تک محض اس لئے فضا میں رکھنا پڑا کہ صدر محترم کا نشہ اتر جائے۔

"عمران خان"

بحیثیت کرکٹر جو شہرت عمران خان کا مقدر بنی بہت کم کھلاڑیوں کو نصیب ہوئی اس کے کھیل کی نمایاں خوبی مہارت تھی۔ اس نے کرکٹ کی آڑ میں جنسی کھیل کھیلے۔ کرکٹر کی حیثیت سے اس نے شہرت کی بلندیوں کو چھوا۔ سیاستدان بنتے ہی اس نے ماضی سے توبہ کرنے کا وعدہ کیا حالانکہ تحریک انصاف میں عرصہ دراز تک کام کرنے والے ایک عہدے دار نے بتایا کہ ہم نے عمران خان کا نام "پانچ منٹی" رکھا ہوا تھا۔ اس نے دعوے سے بات کی کہ تحریک انصاف میں بیشتر خواتین عمران خان کے دیدار کی خاطر آتیں اور وہ سب کو وقت دیتا۔

"پلے بوائے" کی شہرت کے حامل عمران خان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ شادی

کے بعد وہ پارسا ہو چکا ہے حالانکہ شراب اور زن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ دونوں اگر زاہدوں کے منہ کو بھی ایک بار لگ جائیں تو بڑی مشکل سے اترتی ہیں۔ میڈیا میں عمران خان کے بارے میں اتنا کچھ چھپ چکا ہے کہ اب کچھ مزید لکھنے کی گنجائش بھی نہیں تاہم تاریخ کا قرض اتارنے کی غرض سے تمام حقائق کو ہم یکجا کر رہے ہیں۔

عمران خان نے جس قسم کے سکینڈلز میں اپنی جوانی گزاری اس طرح اور اتنی تعداد کے سکینڈلز سے کسی اور کا واسطہ نہیں پڑا کرکٹ کی دنیا کے کئی کھلاڑی اس بات کے گواہ ہیں کہ کئی بھارتی اداکارائیں شارجہ میں عمران خان کے ساتھ راتیں گزارا کرتی تھیں کئی خوبرو کافرانہ اداؤں کی مالک حسینائیں "جیون ساتھی" بننے کی آرزو کے تحت عمران خان کی جنسی خواہشات کے آگے اپنا جسم بچھا دیتیں۔ جن اداکاروں کے نام تواتر کے ساتھ لئے گئے ان میں حسینہ عالم ایشوریہ رائے بھی شامل ہے۔ عمران خان کی اس میں دلچسپی کا اندازہ اس سے لگائیے کہ اس نے اسے مقابلہ حسن میں شریک ہونے سے منع کیا تھا۔ عمران خان اگر ایشوریا رائے کو اپنا دل نہ دیتے تو شاید ہی وہ حسینہ عالم بنتی کیونکہ مقابلے میں سفارش کو کلیدی اہمیت حاصل ہے جبکہ عمران خان کے تعلقات کی ایک دنیا معترف ہے۔

اپنی مارکیٹ ویلیو کو برقرار رکھنے کے لئے اس نے کسی کے ساتھ بھی شادی نہ کرنے کا پختہ عہد کر رکھا تھا۔ عمران خان کی راہ میں آنکھیں بچھانے والیوں میں بھارت کی صف اول کی ہیروئنیں پوجا بھٹ اور سری دیوی بھی شامل ہیں۔ عمران خان کی مردانہ وجاہت پہ

مر مٹنے والا ایک نام بھارتی اداکارہ "ریکھا" بھی ہے۔ سانولی سلونی رنگت اور تیکھے نقوش کی مالک سدا بہار ہیروئین ریکھا نے ایک بار اپنے اور عمران خان کے تعلقات ایک بیان کے ذریعے از خود طشت ازبام کئے۔ ریکھا نے اخلاقی جرات کا مظاہرہ کیا مگر عمران خان نے ناک بھوں چڑھائیں کیونکہ بیان کے بعد عمران خان کی حسیناؤں میں مارکیٹ ویلیو خاصی متاثر ہوئی ریکھا نے متعدد مواقع پہ عمران خان کی خدمت کی شوکت خانم کینسر ہسپتال کے قیام کے لئے منعقدہ شو میں ریکھا نے بے باکی سے اپنے فن کا اظہار کیا جس میں عمران خان کو خطیر رقم ملی۔ ریکھا کے ساتھ بیتے لمحے عمران خان کی ہوس پرستانہ زندگی کا قیمتی سرمایہ ہیں۔

زینت امان بھارتی فلم نگری کا وہ نام ہے جس کے بارے میں بھارتی میڈیا نے کئی بار دعوے سے خبر اڑائی کہ عمران خان جلد ہی زینت امان سے شادی کرنے والے ہیں۔ زینت

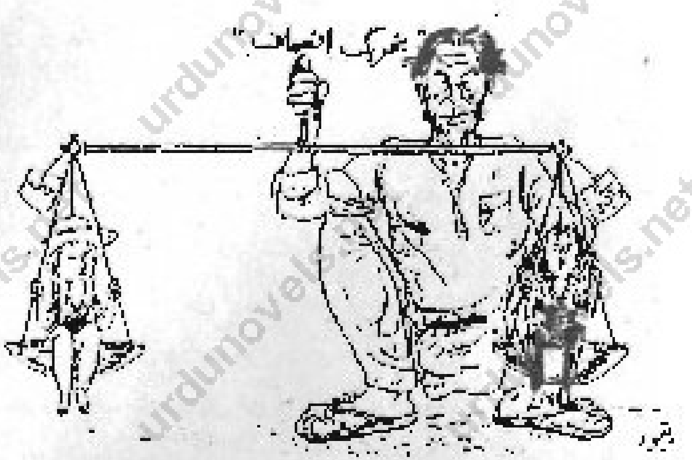

اور عمران خان کی تصویری ملاقاتیں اخبارات نے ایک سے زائد بار شائع کیں۔ 80 کی دہائی میں پاکستان کی کرکٹ ٹیم نے بھارت کا دورہ کیا اس وقت بھارتی کرکٹر عمران خان کی تیز باؤلنگ سے خائف تھے۔ عمران خان نے اپنی شہرت کو خوب کیش کروایا اور بھارتی فلم انڈسٹری کی خوبصورت ہیروئنیں ان کے دل کی دھڑکن بن گئیں۔ اسی زمانے میں عمران خان کے ساتھ زینت امان کا نام لیا گیا۔ عمران خان زینت امان کی امان میں جا کر سکون و راحت محسوس کرتے۔ زینت امان سے اپنی راتیں رنگین کرنے کے لئے وہ کرکٹ سے چھٹی جانے کے بہانے چھٹی کیا کرتے۔

ایک دفعہ پاکستان اور بھارت کے مابین ٹیسٹ سیریز جاری تھی بھارت میزبانی کر رہا تھا ایک میچ کے دوران سنیل گواسکر اور عمران خان کو روم میٹ بنا دیا گیا۔ عمران خان کمرے سے باہر تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی سنیل گواسکر نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف نسوانی آواز تھی۔ سنیل گواسکر نے لڑکی کا پیغام نوٹ کر لیا پھر کیا تھا۔ ٹیلی فون کی لائنیں لگ گئی ہر بار ٹیلی فون کرنے والی نئی لڑکی تھی۔ یہی نہیں کبھی دروازہ ناک ہوتا تو باہر حسینہ کھڑی ہوتی جو عمران خان کے عطر دیدار سے محظوظ ہونے کے لئے آتی گواسکر اس صورت حال کی وجہ سے پھٹ پڑا کہ تمہاری چاہنے والیاں بہت زیادہ ہیں میں تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتا"

عمران خان اس زمانے میں دیو مالائی کہانیوں کے شہزادے کی سی حیثیت رکھتا تھا۔ عمران خان کی پرستاروں میں ہر ملک کی لڑکی شامل تھی عمران خان حسن کے پرستار ہی نہ بلکہ قدردان بھی تھے اس کی کوشش ہوتی کہ کوئی بھی لڑکی شامل تھی عمران خان حسن کے پرستار ہی نہ

بلکہ قدردان بھی تھے اس کی کوشش ہوتی کہ ہر لڑکی اس سے اپنے دل کی مراد پا کر ہی لوٹے چنانچہ اس کی کوشش ہوتی کہ وہ ہر لڑکی کو وقت ضرور دیتا۔ لڑکیوں کو تیزی اور پھرتی سے نمٹانے کی وجہ سے اس کا نام "پانچ منٹی شہزادہ" پڑ گیا۔

عمران خان کے مردانہ حسن کے آگے سجدہ ریز ہونے والی ایک حسینہ کا نام سیتا وائٹ ہے۔ یہ واحد خاتون ہے جس کی وجہ سے عمران خان مضطرب ہوئے کیونکہ اس نے عمران خان کی بیٹی کی ماں ہونے کا دعویٰ کیا۔ ان دونوں کے درمیان باقاعدہ نکاح نہ ہوا تھا۔ اپنی رنگ رنگیلی عاشق مزاجی کی بدولت سیاسی کیریئر کے آغاز ہی میں عمران کو سیتا وائٹ کی بلیک میلنگ کا شکار ہونا پڑا۔ سیاست میں ان کی ناکامی کے پیچھے جہاں ناتجربہ کاری کا ہاتھ تھا وہیں اس کی ذمہ دار سیتا وائٹ بھی تھی جس نے عین انتخابات کے دوران عمران خان کو عدالت میں گھسیٹ لیا اور مطالبہ کیا کہ وہ اپنی ناجائز بیٹی "ٹیریان" کو اپنی بیٹی تسلیم کرے۔ سیتا کے حوالے سے اخبار نے رپورٹ شائع کر کے پاکستان ہی نہیں پوری دنیا کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔ لاس اینجلس سے شائع ہونے والے اخبار "پاکستان لنک" میں مذکورہ سکینڈل کی جزئیات سیتا وائٹ نے اپنے ایک انٹرویو کے ذریعے بیان کیں۔ اس نے بیان کیا "ٹیریان میرے اور عمران خان کے رنگین اور سنگین جسمانی تعلقات کا خوبصورت نتیجہ ہے" میدان سیاست میں کودنے سے پہلے عمران خان نے ٹیریان کے اپنی بیٹی ہونے کے دعویٰ کی کبھی تردید نہ کی۔ سیتا کہتی ہے "میں پاکستانی عوام کو عمران خان کا اصلی چہرہ دکھانے کے ساتھ ساتھ اپنی بیٹی ٹیریان کی مدد کرنا چاہتی ہوں تاکہ وہ کل اپنے باپ کے بارے میں لاعلم نہ ہو۔ اس نے اس بات کا بھی اعتراف کیا کہ میں عمران کے زمان پارک لاہور کے گھر میں چار ماہ تک رہی وہاں سے ہم مری گئے ہمارے ساتھ یوسف صلاح الدین بھی تھے جہاں ہم نے دوسرے شکار کھیلا وہیں عمران خان نے میرے ساتھ جنسی شکار بھی کھیلا یوسف صلاح الدین اپنے ساتھ اس مقصد کے لئے ایک عورت "گڈی" کو ساتھ لے کر گیا تھا" اس موقع پر عمران خان کے ساتھ اپنی اور یوسف صلاح الدین کی رنگین تصاویر بھی اس نے اخبار نویسوں کو دکھائیں۔

عمران خان جہاں یورپ کی حسیناؤں کا دل جانی تھا وہیں پاکستانی فلم انڈسٹری کی بابرہ شریف اور ریشم بھی عمران خان کے تنہائیوں کی ساتھی تھیں۔ گلوکارہ ناہید اختر شادی کر کے گلوکاری کو ترک کر چکی ہیں مگر ایک عرصہ تک اس کا نام بھی عمران خان کے ساتھ لیا

جاتا رہا۔

ہانگ کانگ، آسٹریلیا اور ارجنٹائن کی خوبصورت دوشیزاؤں کے ساتھ بھی عمران خان کا نام لیا جاتا رہا۔ یورپ کی گوریاں اپنا دل ہاتھوں میں لئے عمران خان کے پیچھے چکر لگایا کرتیں اور بالآخر وہ جمائما کا ہو کر رہ گیا عمران خان کی ماں کو نصیحت تھی کہ کسی گوری کو اپنی بیوی نہ بنانا ماں کی وفات کے بعد عمران خان نے جمائما سے شادی کا فیصلہ کیا وہ ایک بہت بڑے لارڈ کی بیٹی ہے۔ جمائما کو اپنا کر عمران خان کے ہاتھ حسن کی دیوی بھی آئی اور ایک خطیر رقم بھی۔ جمائما سے شادی کر کے جہاں عمران خان کو بہت کچھ حاصل ہوا وہیں اسے سامراجی اور یہودیوں کا آلہ کار بننے کے الزامات بھی ملے اگر عمران خان ماں کی نصیحت پر عمل کرتا تو اسے اس طرح کے حالات سے دوچار نہ ہونا پڑتا۔

عمران خان اپنی پاکبازی کا دعویٰ کرتے ہیں حالانکہ حقائق اس کے برعکس تصویر پیش کرتے ہیں۔ عمران خان کے سبز باغوں کا شکار ہونے والیوں کی طویل فہرست ہے۔ سرمئی کولڈ حسنہ کا دلدادہ بن کر عمران خان نے اپنی سیاست کے لئے بیرونی امداد حاصل کی۔

"پیر اللہ یار"

پیر اللہ یار کا تعلق پاک پتن سے ہے جب 1997ء کے انتخابات کے لئے کاغذات نامزدگی جمع کرانے کا سلسلہ مکمل ہو چکا تھا۔ کاغذات نامزدگی پر اعتراضات کا مرحلہ آیا تو پنجاب صوبائی اسمبلی کے حلقہ پی پی 189 کے امیدوار رانا محمد احسن نے آئین پاکستان کی دفعہ 62/63 کے تحت عدالت میں رٹ دائر کرتے ہوئے موقف اختیار کیا کہ پیر اللہ یار آئین پاکستان کی دفعات 62/63 کے تحت انتخاب لڑنے کا اہل نہیں۔ اپنی درخواست میں انہوں نے عدالت سے استدعا کی کہ پیر اللہ یار 15 اپریل 1987ء کو زیادتی کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑے گئے تھے۔ پیر اللہ یار اس وقت ممبر صوبائی اسمبلی تھے اور ان کے خلاف شہر بھر میں ہڑتال بھی کی گئی تھی۔ پیر اللہ یار کو تھانے لایا گیا تو پیر اللہ یار نے صرف دھوتی پہن رکھی تھی۔ رانا محمد احسن نے یہ بھی بتایا کہ ان کے خلاف مقدمہ ابھی تک زیر سماعت ہے۔ اس کے باوجود وہ دوبارہ انتخابات میں حصہ لے رہے ہیں۔ اعتراضات کے باوجود پیر اللہ یار کے کاغذات نامزدگی منظور کر لیے گئے تھے۔ رانا محمد احسن نے مزید کہا پیر اللہ یار نے پاکپتن میں عیاشی کے لئے مختلف مقامات پر کمرے بنا رکھے ہیں تاکہ جہاں موقع ملے وہیں رات کو رنگین بنا لیا جائے۔

"نواب صادق خان عباسی"

نواب صادق خان عباسی بہاولپور کی ریاست کے آخری حکمران تھے تذکرہ حکمرانوں کی سرمستیوں کا ہو تو ریاستوں کے نواب زادوں کا تذکرہ نہ کرنا بات ادھوری چھوڑنے کے مترادف تھا۔ 1954ء میں ریاست بہاولپور کا پاکستان میں انضمام ہوا تو نواب صادق خان عباسی برطانیہ ہجرت کر گئے اور مرتے دم تک وہیں قیام کیا۔ نواب صادق خان عباسی کے بارے میں انگریزی زبان کے معروف مصنف وی ایس نیپال نے پاکستان کے بارے میں ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام تھا "Beyond Belief" "ناقابل یقین" اس کتاب سے ایک اقتباس ملاحظہ کیجئے اور نواب صادق خان عباسی کا چہرہ دیکھئے

1954ء میں ریاست کے پاکستان میں ضم ہو جانے تک انہوں نے بہاولپور پر حکومت کی اس کے بعد وہ برطانیہ چلے گئے اور اپنی موت تک وہیں قیام کیا۔ نواب صاحب کا رنگ کالا تھا وہ گوری عورتوں کے بہت شوقین تھے ان کی شدید خواہش تھی کہ ان کے بچے گورے رنگ کے ہوں۔ بہاولپور کے ایک صحافی نے جس کی رسائی بہاولپور کے حرم تک بھی تھی مجھے بتایا کہ محل میں انگریز عورتوں اور بچوں کے لئے الگ عمارت مخصوص تھی۔ ہندوستانی بیویاں تو انگریز بیویوں کے بارے میں آگاہ تھیں جبکہ انگریز بیویوں کو ہندوستانی بیویوں کے بارے میں کچھ علم نہ تھا۔ ہندوستانی بیویوں کے پاس جانا ہوتا تو کہتے دورے پر جا رہا ہوں اور قافلہ کے ساتھ روانہ ہو کر محل کی پچھلی جانب جاتے۔ نواب صاحب کے حرم میں 390 عورتیں تھیں۔ جن میں اکثر کو نواب صاحب سے ملنے کا صرف ایک بار موقع ملا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ان میں سے کئی بعد میں ہسٹریا کی مریض بن گئیں۔ جب فوج نے دربار محل پر قبضہ کیا تو بے شمار فحش میگزین ملے جس سے وہ لطف اندوز ہوا کرتے تھے۔ فوج نے گڑھا کھود کر تمام کو دفن کر دیا۔ نواب صاحب نے عجب شیوخ کو بھی پیچھے چھوڑ دیا تھا۔ احمد پور شرقیہ جو ڈیرہ نواب صاحب کے نام سے بھی مشہور ہے میں نواب صاحب کا محل آج بھی نہ صرف موجود ہے بلکہ وارثوں کے مابین تنازعے کی وجہ سے مقفل ہے۔ محل تاریخی اعتبار سے اپنی خاص شناخت رکھتا ہے اس سے نادر یادگار اشیاء چوری ہو چکی ہیں۔

"عابدہ حسین"

عابدہ حسین جھنگ کی معروف سیاست دان ہیں وہ مردانہ وار طریقے سے سیاست کرتی ہیں۔ نواز شریف ان کی وجاہت کا مرعوب تھا۔ بڑی پر رعب اور دبدبے والی شخصیت تھی۔ نواز شریف نے اپنے پہلے دور اقتدار میں عابدہ حسین کو امریکہ میں پاکستان کی سفیر تعینات کیا۔ بل کلنٹن نے عہدہ صدارت سنبھالنے کی خوشی میں ایک تقریب کا انعقاد کیا۔ عابدہ حسین نے تقریب میں خوش ہو کر رقص کیا تھا۔ تقریب کی جھلکیاں امریکی ٹیلی ویژن نے خاص اہتمام کے ساتھ نشر کیں۔ عابدہ حسین نے محفل کی رونق کو دوبالا کر کے نہ صرف اپنے لئے صدر بل کلنٹن کے دل میں گھر کیا بلکہ اس نے بل کلنٹن کو نواز شریف کا ذاتی دوست بنوایا۔ یہ ذاتی دوستی ہی تھی جو نواز شریف کو جنرل پرویز مشرف کی قید سے رہائی دلوانے میں مددگار ثابت ہوئی۔

نواز شریف کے دوسرے دور اقتدار میں بھی عابدہ حسین ان کے قریب تھی مگر اس بار نواز شریف کے لئے عابدہ حسین میں کوئی کشش نہ تھی چنانچہ اس نے عابدہ حسین سے چھٹکارا

پانے کے لئے کوشش کی۔ ایسے میں عابدہ حسین کے خلاف واپڈا کی بجلی کی چوری کا مقدمہ بنا تو نواز شریف کا کام آسان ہو گیا یعنی انہوں نے عابدہ حسین کی کابینہ سے چھٹی کر دی۔ وہ فخر امام کی بیوی کم شوہر زیادہ دکھائی دیتی ہیں۔ فخر امام ان سے ڈرتے ہیں۔ اس کی شکل جاگیردارنی جیسی اور غصہ پٹھانوں جیسا ہے فرق ہے تو یہ ہے کہ عابدہ حسین نسوار نہیں کھاتی۔

”ممتاز راٹھور“

ممتاز راٹھور کا نام آزاد کشمیر میں کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ پیپلز پارٹی کے نام پر اس نے اپنی سیاست کا آغاز کیا اور سیاست کی معراج یعنی وزارت عظمیٰ تک پہنچا۔ اپنی سیاسی مصروفیات کے ساتھ ساتھ ممتاز راٹھور خفیہ مصروفیات میں دوسرے سیاست دانوں سے زیادہ نہیں تو کم بھی نہ تھے۔ پیپلز پارٹی کے دیگر سیاست دانوں کی طرح راٹھور صاحب بھی رنگیلے مزاج کے مالک تھے۔ وزیر اعظم بنے تو ان کی رنگیلی مصروفیات میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ کشمیر فنڈ سے انہوں نے اسلام آباد میں ایک گیسٹ ہاؤس بنایا۔ اس کا اصل مقصد آزادی کشمیر کی تحریک کو تیز کرنا اور فنڈز کا بہاؤ بہتر بنانا تھا۔ یہ کام تو ہوا نہ البتہ وہاں حسیناؤں کے ہمراہ شراب کی محفلیں ضرور سجیں۔ وہ اکثر گیسٹ ہاؤس میں اپنی راتوں کو رنگین بنانے کے لئے جاتے۔ گیسٹ ہاؤس میں شام ڈھلتے ہی رقص و سرور کی محفلیں جمنا شروع ہو جاتیں۔ چکنی، ملائی بدنوں کے تھرکتے بدن کشمیری قیادت کے ہاتھوں میں آتے تو فضا رقص و مستی سے پر سرور ہو جاتی۔

ممتاز راٹھور شراب کے عادی تھے۔ شراب نوشی کے بعد ان کا دل حسیناؤں کی زلفوں سے کھیلنے کو بے چین ہو جایا کرتا۔ کشمیر کی آزادی کی جنگ لڑنے والے شام ہوتے ہی گیسٹ ہاؤس میں پہنچ جاتے۔ وہاں مغربی موسیقی پر حسیناؤں کے جسم تھرکتے اور کشمیری لیڈر دن بھر کی تھکن اتارتے اس قسم کا شیطانی کھیل رات بھر جاری رہتی۔ ممتاز راٹھور کشمیر کا وہ گھناؤنا اور مکروہ چہرہ ہے جس نے اپنی عیاشی مظلوم کشمیریوں کے نام پر جمع ہونے والے روپے پیسے پر کی۔

سو چوہے کھا کر بلی حج کو چلی کے مصداق عمر کے آخری حصے میں ممتاز راٹھور نے ایک صوفی کا بہروپ بھرا۔ سادہ لوح عوام کو بے وقوف بنانے کیلئے ایک چہرے پر کئی چہرے سجانے میں ممتاز راٹھور کا کوئی ثانی نہ تھا۔

”صوبہ سرحد کا شاہی مہمان خانہ“

سرحد اسمبلی کے ایک ملازم نے انکشاف کیا کہ سرحد اسمبلی کے ایم۔ پی۔ اے ہاسٹل میں دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں۔ دن کو وہاں نئے نئے ماڈل کی کاریں کم کم دکھائی دیتی ہیں البتہ سرشام ہی وہاں نئے نئے ماڈل کی قیمتی کاریں ڈیرے ڈالنے کے لئے آجاتیں۔ ہر کار میں ممبر صاحب کے ہمراہ حسینہ ہوتی۔ کسی گاڑی سے تو ایک کی بجائے دو دو حسینائیں اترتیں۔ ان کی رنگت خوبصورت اور قد دراز ہوتا وہ سوات کی حسین دوشیزائیں ہوتیں کچھ کے ہمراہ نمکین حسن یعنی لاہور کی تتلیاں ہوتیں شاہی مہمان خانہ میں شراب و شباب کی محفلیں سجا کرتیں۔ جن دنوں اجلاس جاری ہوتا عوام کی آمدورفت شاہی مہمان خانے میں بڑھ جاتی چنانچہ اس سارے عرصے میں تقریباً" شاہی مہمان خانے کی رونق ماند رہتی کوئی ایک بہادر ممبر سرحد اسمبلی اس کی رونق کو دوبالا کرنے کی بھرپور کوشش کرتا۔ حسیناؤں کے ساتھ عریاں رقص کرتے حسیناؤں سے وہ اپنے بستروں کو گرم کرتا۔

شراب پر پابندی ہونے کے باوجود شاہی مہمان خانے میں شراب کی ندیاں بہائی جاتیں۔ اسمبلی کے فلور پر قانون بنانے والے رات کو شاہی مہمان خانے میں قانون کا مذاق اڑاتے۔ شاہی مہمان خانے کے حمام میں اکثر اراکین ننگے تھے وہ ایک دوسرے کا تحفظ کیا کرتے۔

ملازم نے یہ بھی انکشاف کیا کہ مہمان خانے میں کام کرنے والے ملازمین بذات خود بھی اپنے معزز مہمانوں کے لئے سامان تواضع کا بندوبست کیا کرتے۔ شاہی مہمان خانے کے باہر بے روزگاروں کا ہجوم ہوتا اندر ان کے معزز ممران اسمبلی رنگ رلیوں میں مصروف رہتے۔ یہ تذکرہ اس علاقے کی اسمبلی کے ہوسٹل کا ہے جہاں عزتوں کا تحفظ کیا جاتا ہے۔ بے عزتی کو کوئی برداشت نہیں کرتا۔ بن بیٹی سے بھول ہو جائے تو اسے معافی نہیں دی جاتی صرف اور صرف گولی کے ذریعے ابدی نیند سلایا جاتا ہے۔ شاہی مہمان خانے میں عزت کو نیلام کیا جاتا۔ عیاشی کی ہر چیز ان کے کمرے میں موجود ہوتی۔

urdunovels.net

"شاہد خاقان عباسی"

شاہد خاقان عباسی کا تعلق شریف خاندان سے تھا یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے خاندان کی عزت بچانے کیلئے رنگین محفلیں ملک سے باہر جا کر جمایا کرتے۔ ان کے دل کی ملکہ اداکارہ ریشم تھی۔ ریشم کو وہ بیش قیمت تحفے دیا کرتا۔ نئی ہنڈا سوک کار قرض میں استعمال ہونے والی قیمتی تحفہ شاہد خاقان عباسی کی ریشم پر نظر التفات کا نتیجہ تھی ریشم کے علاوہ شاہد خاقان عباسی ایک ائیرہوسٹس کے عشق میں بھی گرفتار ہوئے۔ اداکارہ ریشم کو اپنے لندن کے سفر کو رنگین بنانے کے لئے ساتھ لے کر گئے۔ عباسی صاحب ریشم کو اپنے پاس پا کر تسکین محسوس کیا کرتے۔ ریشم ہی کے ذریعے وہ اپنی تھکاوٹ دور کیا کرتے تھے۔ ریشم اور ائیر ہوسٹس دونوں کے عشق میں وہ ایک ہی وقت میں گرفتار ہوئے۔ عباسی صاحب کے ریشم سے رنگین ملاقاتوں کے لندن کے گلی کوچے۔ تفریحی مقامات اور پارک گواہ ہیں۔

ریشم اور ائیرہوسٹس کے عشق کے چنگل سے عباسی صاحب کو عابدہ حسین کی امریکہ میں پڑھنے والی صاحبزادی نے اپنی طرف متوجہ کر کے چھڑایا۔ ذرائع کے مطابق وہ اگر عابدہ حسین کی بیٹی میں دلچسپی لینی شروع نہ کرتے تو ائیرہوسٹس ان کی بیوی بن چکی ہوتی۔ شاہد خاقان عباسی عابدہ حسین کی بیٹی کے عشق میں دیوانے ہو گئے تھے۔ دیوانے پن میں وہ 32 مرتبہ عابدہ حسین کی بیٹی کو امریکہ ملنے گئے تھے۔ ان زمانے میں عباسی صاحب پی آئی اے کے چیئرمین تھے چنانچہ انہوں نے 52 عشق کے پھیروں کا تمام خرچہ سرکاری کھاتے میں ڈال دیا۔ ایک اخبار نے جب تمام صورت حال من وعن شائع کی تو عباسی صاحب نے پی آئی اے میں اس اخبار کی ترسیل بند کر دی اس سے ان کے سکینڈل کو سچ ثابت ہونے میں دیر نہ لگی۔

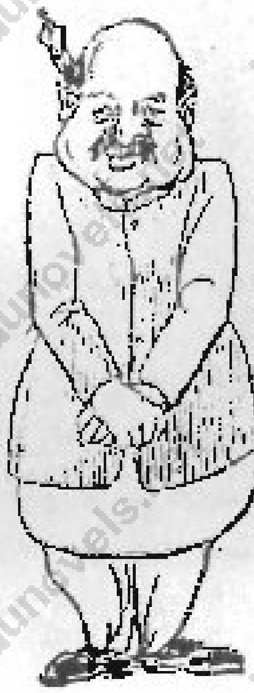

"مشاہد حسین"

مشاہد حسین نوجوان اخبار نویس تھے۔ ان کی ذہانت اور مہارت کے نواز شریف معترف تھے۔ انہوں نے مشاہد حسین کو پہلے اپنی میڈیا ٹیم میں شامل کیا پھر سینیٹر بنایا۔ وزیر بنا کر انہوں نے مشاہد حسین کی اصل صلاحیت و مہارت کو ملبوث کیا۔ انہوں نے نواز شریف کی ایک ہیولی کو ٹیلی ویژن پر رنگین بنانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ نواز شریف کو ہمدرد اور میڈان پاکستان بنانے اور ثابت کرنے میں مشاہد حسین نے کوئی کسر نہ چھوڑی نواز شریف کے خود تو دونوں روپ ملاحظہ کئے البتہ عوام کے سامنے انہوں نے نواز شریف کا ایک ہی روپ پیش کیا نواز شریف کی رنگینیوں کا انہیں بخوبی علم تھا مگر کامیاب میڈیا مین کا ثبوت دیتے ہوئے انہوں نے ان کی صرف اچھائیوں کو پیوست کیا اچھائیوں کو بھی بڑھا چڑھا کر اور نمک مرچ لگا کر پیش کیا۔

نواز شریف کو قوم کا نجات دہندہ ثابت کرنے میں انہوں نے کوئی کسر نہ چھوڑی۔ مشاہد

حسین درباری وزیر نہ بنتے تو جہاں نواز شریف اٹک قلعے میں سیر نہ کرتے وہیں وہ خود بھی بدستور وزارت کے مزے لوٹ رہے ہوتے۔ یہ تو ان کا ایک روپ ہے دوسرا چہرہ بھی ان کی صدارت کا منہ بولتا ثبوت ہے کیونکہ ان کے رنگین مزاج ہونے کے باوجود اس طرح کے قصے بہت کم اخبارات کی زینت بنے۔ لاڑ روڈ اور ہال روڈ کی حسیناؤں کے پیچھے وہ بھی دیوانہ وار رقصاں تھے۔ ریما، مدیحہ شاہ، روپ، نرگس کے حسن پر شاہ صاحب فریفتہ تھے۔ ان کا نام نواز شریف کے خوشگین وزارء میں لیا جاتا۔ اپنی وزارت سے انہوں نے اپنی رنگینیوں میں خوب خوب اضافہ کیا۔ حسیناؤں کو وہ ماہانہ ایک لاکھ روپے فی کس بطور نذرانہ عنایت کیا کرتے۔ مشہور ماڈل جمنہ حق کی سربراہی میں مخصوص لڑکیوں کا ایک ٹولہ ہر وقت مشاہد حسین کے گرد رقص کرنے میں مصروف رہتا ٹولے میں تھے یہ کام بہ رضا و رغبت انجام دیتیں تو کچھ بزور حکومت۔ حسین لڑکیوں کے جھرمٹ میں رہنا شاہ صاحب کو بے پناہ پسند تھا وہ رقص و سرور کے لئے باقاعدہ شاہی دربار سجایا کرتے۔

”حسین حقانی“

پارلیمانی مجرے میں رقصاں ایک کردار حسین حقانی بھی ہے۔ نواز شریف کے پہلے دور اقتدار میں حسین حقانی کا طوطی بولتا تھا۔ ہوا کا رخ دیکھ کر راستے کا تعین کرنے میں حسین حقانی کا نام اپنی مثال آپ تھا۔ نواز شریف کی زنگینی کو مزید رنگین بنانے میں حسین حقانی کی مہارت بھی شامل تھی۔ دونوں ایک دوسرے پر بے پناہ اعتماد کیا کرتے تھے۔ ناہید خان بے نظیر بھٹو کی پولیٹیکل سیکرٹری تھی اس کی ذمہ داری تھی کہ وہ نواز شریف اور اس کی پارٹی کی خامیاں تلاش کرے۔ حسین حقانی کا تعلق اخبارات والوں سے تھا ٹیچی ویژن اور فلم کے ہر خوبصورت چہرے سے وہ اپنی پیاس بجھاتا۔ ناہید خان نے نواز شریف کی خامیوں تک پہنچنے کیلئے ہر حربہ اور داؤ استعمال کیا مگر اسے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل نہ ہوئی ایک ذریعے سے اس تک یہ بات پہنچی کہ حسین حقانی خوبصورت چہروں کا بھوکا ہے چنانچہ ناہید خان نے بجائے اس کے کوئی عام سا خوبصورت چہرہ حسین حقانی کے پیچھے لگا کر اپنا مقصد حاصل کرتی اس نے اس مقصد کے لئے اپنی سگی بہن کا انتخاب کیا ناہید خان کی بہن جہاں حسن کی دیوی تھی وہیں اس میں کشش بھی تھی۔ جوانی کی دلربا اداؤں سے دل جیتنے کی ماہر تھی۔ دوسری

طرف عیش پسند اور حسن کا پجاری حسین حقانی تھا چنانچہ چند ہی ملاقاتوں میں ناہید خان کا اپنی بہن کے ذریعے تیر نشانے پر لگا۔ حسین حقانی ناہید خان کی بہن کے عشق میں مکمل طور پر غرق ہو چکا تھا عالم مستی و مدہوشی میں اس کے منہ سے نواز شریف کے خفیہ راز نکلنے لگے جنہیں ناہید خان کی بہن امانت سمجھ کر اپنی بہن تک پہنچا رہی۔ حسین حقانی کا یہ معاشقہ بعدازاں شادی پر ختم ہوا۔

”غلام احمد بلور“

غلام احمد بلور کا ولی خان کے قریبی ساتھیوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ پشاور شہر میں ان کی سیاست کا طوطی بولتا ہے۔ ان کا نوجوان اکلوتا بیٹا سیاست کی نذر ہوا اسے قدرت کی طرف سے انتقام کہئے یا جو نام چاہیں دے لیں۔ بڑھاپے میں جوان بیٹے کی ناگہانی موت کا صدمہ تھا احمد بلور کو سہنا پڑا۔ پشاور شہر میں پیپلز پارٹی اور غلام احمد بلور ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ بلور خاندان ولی خان کی سیاست کا پرچار کرنے والا خاندان تصور کیا جاتا ہے۔ غلام احمد بلور ایم این اے اور وفاقی وزیر رہے ہیں ان جیسا سرمایہ دار پشاور میں دوسرا کوئی نہیں۔ ذہانت و کاروباری سوچ کی بدولت اس خاندان نے تھوڑے عرصے میں اپنی دولت میں کھربوں روپے کا اضافہ کیا پشاور شہر میں ان کی مخالفت کرنا موت کو دعوت دینے کے

مترادف ہے۔

غلام احمد بلور جہاں کئی صنعتی یونٹوں کے مالک ہیں وہیں پشاور میں ان کا سینماؤں کا وسیع کاروبار ہے۔ ان کے سینماؤں کے بارے میں مشہور ہے کہ وہاں "بلیو پرنٹ" فلمیں چلتی ہیں۔ انتظامیہ والوں کو بھی اس کا علم ہے مگر وہ غلام احمد بلور کے ڈر کی وجہ سے اس پر ہاتھ نہیں ڈالتے۔ اعلیٰ افسران بذات خود غلام احمد بلور کے سینما میں ٹوٹے دیکھنے جاتے ہیں۔ ان کے سینما اپنی "ٹوٹے دکھاؤ" پالیسی کے باعث ہر وقت ہاؤس فل رہتے ہیں۔ عیاش افسروں کو وہ اپنے سینماؤں میں مدعو کرتے ہیں جہاں ان کی عیاشی کی تواضع بلیو پرنٹ سے کی جاتی ہے انہیں کال گرلز بلا کر بھی افسران کو خوش کیا جاتا ہے۔

غلام احمد بلور ہی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے ولی خان کے کہنے پر مسرت شاہین کو مولانا فضل الرحمن کے مدمقابل الیکشن لڑنے پر آمادہ کیا اور مسرت شاہین کو الیکشن لڑنے کے لئے خطیر رقم بھی دی ذرائع کے مطابق ولی خان کے ذمے مولانا فضل الرحمن کی سیاست کا فیوز اڑانے کا وعدہ نواز شریف نے لگایا تھا۔ ولی خان اور غلام احمد بلور نے مل کر مسرت شاہین کے ذریعے مولانا فضل الرحمن کو منہ چھپانے پر مجبور کیا۔

"حافظ غلام محی الدین"

حافظ صاحب گلوکارہ شبنم مجید کے عاشق تھے۔ ان کا عشق تو بہت پرانا تھا البتہ لوگوں کو اس کا علم نہ تھا۔ نواز شریف کے مدمقابل حلقہ این اے 95 سے الیکشن لڑ کر وہ مشہور نہ ہوئے البتہ گلوکارہ شبنم مجید کی بدولت ان کی شہرت کو چار چاند لگے۔ چھپ چھپا کر آتش عشق کی آگ کو ٹھنڈا کرتے تو لوگوں کو پتہ نہ چلتا مگر ان کے دل میں جب عشق و محبت کی آگ لگی تو انہوں نے شبنم مجید سے اپنی کارروائی سرعام جتانی شروع کر دی۔ ایک موقع پر وہ گاڑی میں شبنم مجید کے ساتھ داد عیش دینے میں مصروف تھے کہ وہاں لوگوں نے دونوں کو پہچان لیا۔ لوگوں نے پولیس والوں کو بلانا چاہا مگر حسب عادت پولیس دیر سے پہنچی مگر گشت کی ایک گاڑی وہاں سے گزری عشق و محبت کے دونوں کھلاڑیوں کو انہوں نے تھانے پہنچایا۔ حافظ غلام محی الدین کا تعارف ان کے اپنے کام تو نہ آیا البتہ شبنم مجید کی گلو خلاصی ہو گئی۔ کافی بے عزتی کے بعد پولیس والوں نے حافظ صاحب کو بھی جانے دیا۔

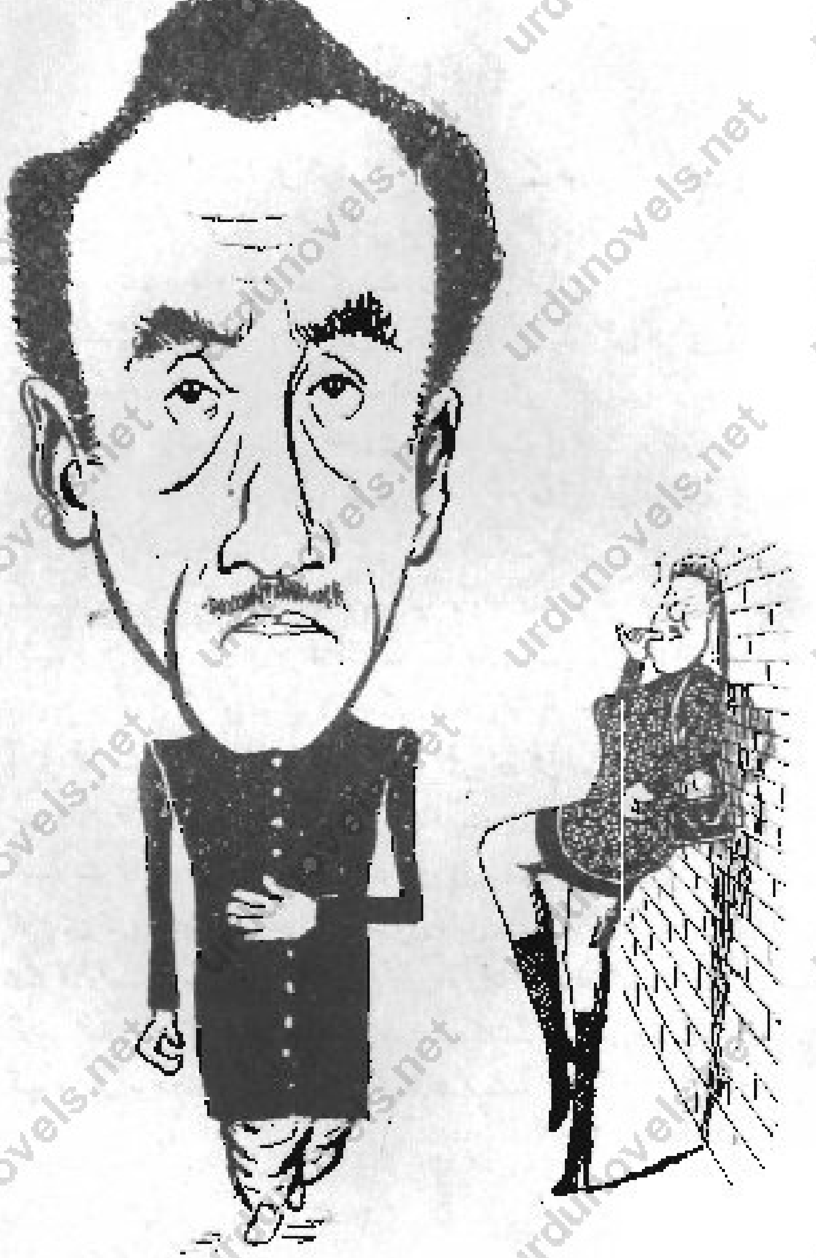

"محمد خان جونیجو"

محمد خان جونیجو شریف انسان شریف ترین وزیر اعظم کے طور پر مشہور تھے۔ پیر صاحب پگاڑا شریف کے مرید محمد خان جونیجو پر جنرل ضیاء الحق کی نظر پڑی تو اسے ہیرا بننے میں دیر نہ لگی۔ جب تک وہ ضیاء الحق کے منشی بنے رہے پرائم منسٹر ہاؤس میں براجمان رہے۔ البتہ انہوں نے جیسے ہی وزیر اعظم بننا شروع کیا جنرل ضیاء الحق نے انہیں گھر بھیج دیا۔ تمام تر شرافت کے باوجود محمد خان جونیجو بھی ایک زمانے میں رنگین محفلوں میں شرکت فرمایا کرتے تھے۔ وہ اکیلے شراب و شباب کی محفلوں میں شرکت کرنے کی بجائے دوستوں کے ہمراہ جانا پسند کرتے۔ مولانا کوثر نیازی' عبدالحفیظ پیرزادہ' اور جام صادق وغیرہ کی صحبت میں رہ کر انہوں نے بھی گانے بجانے کی محفلوں میں شرکت کی تھی۔ چاروں دوستوں نے اپنے مقصد کے لئے مزار قائد کے قریب ایک ڈیرہ منتخب کر رکھا تھا۔ سر شام چاروں دوست اس ڈیرے پر جمع ہوتے وہاں ان کی خدمت کے لئے جہاں ایک سے بڑھ کر ایک خوبرو حسینہ ہوتی وہیں انگور کی بیٹی بھی ہوتی۔ قانون کے رکھوالوں کو تمام صورت حال کا علم تھا مگر وہ پاکستانی قوم کے لیڈروں کے احترام میں اپنی آنکھیں اور کان بند رکھتے ایک مرتبہ نوجوان سب انسپکٹر قاضی محمد ارشد نے جوش میں آکر ڈیرے پر چھاپہ مارا - قانون کی حکمرانی قائم کرنے کے خواہش مند کو یہ کاروائی بہت مہنگی پڑی۔ اسے شرفاء کی پگڑیاں اچھالنے کے الزام میں جیل کی ہوا ہی نہ کھانی پڑی بلکہ اپنی نوکری سے بھی ہاتھ دھونے پڑے۔ محمد خان جونیجو کا شراب و شباب کا رسیا چہرہ بہت کم لوگوں کو دیکھنا نصیب ہوا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ شریف انسان تھے یعنی کارنامے سر انجام دینے سے ڈرتے تھے البتہ چھپ چھپا کر وہ اپنے آپ کو جعلی سیاست دان وہیں جاگیردار بھی ثابت کرتے۔

"بازار حسن کی رونق بننے والیاں"

بازار حسن میں بڑے بڑے خاندانوں کی بیٹیاں رقص کرنے میں مصروف ہیں۔ ان کی مائیں انہیں صاف صاف بتاتی ہیں کہ تمہارا باپ کون ہے مگر وہ پھر بھی اپنے باپ کو باپ نہیں کہہ سکتیں کیونکہ ان کے پاس کوئی دستاویزی ثبوت موجود نہیں ہوتا۔ باپ اور بیٹی کی شکل ملتی ہے مگر وہ بیٹی کا باپ بننے کا اقرار نہیں کرتا۔ بے غیرتی اور بے شرمی کی انتہا دیکھئے کہ اکثر باپ اپنی ہی بیٹی کے رقص سے آنکھوں کو ٹھنڈا کرتا ہے جسم میں بہت زیادہ حرارت پیدا ہو جائے تو وہ اسے ٹھنڈا کرنے کے لئے اپنی ہی بیٹی کو شب بسری کے لئے ساتھ لے جاتا ہے۔ قوم کے لیڈر کہلوانے والوں کی کہانیوں میں جہاں عبرت ہے وہیں وہ ان کے لئے باعث ندامت و شرمندگی بھی ہے۔ اداکارہ عندلیب جنرل یحیٰی خان کی بیٹی ہے مگر اس کی ہمت نہیں کہ وہ ولدیت کے خانہ میں جنرل یحیٰی خان کا نام درج کروا سکے۔ سیتا وائیٹ اپنی بیٹی ٹیریان کو عمران خان کی بیٹی بتاتی ہے نوجوانی کی رنگین راتوں میں جنم والی معصوم ٹیریان کو عمران اپنی بیٹی تسلیم کرنے سے انکاری ہے۔ شمع نامی ایک فلمسٹار بازار حسن میں رہتی ہے وہ بھٹو دور کے ایک صوبائی وزیر کی بیٹی ہے۔ باپ نے بیٹی کو اپنانے سے انکار کیا البتہ اس نے یہ کوشش ضرور کی کہ اس کی بیٹی بازار حسن کی زینت نہ بنے۔ شمع کی ماں نے اسے دو ٹوک جواب دیا اور کہا اگر اتنے ہی غیرت مند ہو تو بیٹی کا باپ بننے کا اقرار کرو ورنہ یہ بازار حسن میں بیٹھے گی ہماری بیٹیاں یہی پیشہ کرتی ہیں۔ شمع ہی نہیں ہما' رانی' رفعت' چندا' طاہرہ' صائقہ' ریحانہ' لبنیٰ' عارفہ' سیمرا' صبیحہ' آسیہ' غزالہ' انمول' شاہین' رخشندہ' یاسمین' سونیا' صائمہ' نبیلہ' شہلا' فریدہ' فرخندہ' وغیرہ وغیرہ یہ سب شریف و معزز نیک بننے والوں کی ناجائز اولاد ہیں۔

ان لڑکیوں کا باپ کوئی اہم سیاسی شخصیت۔ سید زادہ' لغاری' مزاری' کھر' جونیجو' لودھی' چوہدری' کھوسہ' قریشی ہے مگر ان کی ماں طوائف تھی۔ اس لئے ان لڑکیوں کو وہ بھول گئے۔ شرفاء اپنی عیاشی کی رنگین رات کی نشانی کو بھولے ہی نہ بلکہ اپنی بیٹی کو بیٹی کی بجائے

ایک گال کھنے لگے۔ ایک طوائف نے بے شرم باپ ہی سے اس کی بیٹی کی نتھ کھلوائی جس کے اس نے منہ مانگے پیسے بھی وصول کئے۔

قوم کے لیڈر کہلانے والوں کی بیٹیاں بازار حسن میں پیشہ کرتی ہیں طوائفیں اپنی بیٹوں کو طوائف بنانے کی وجہ اپنے آشناؤں سے انتقام بتاتی ہیں۔

غریب آدمی کی اتنی استطاعت نہیں ہوتی کہ وہ بازار حسن کا رخ کرے۔ وہاں کی محفلوں کو امیرزادے ہی سجا سکتے ہیں ان کے پاس حلال کی دولت نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ حرام کی دولت کو وہ اپنی عیش پسندی پر لٹا کر فخر محسوس کرتے ہیں۔ جانے لوگ حرام کی اولاد تو پیدا کرتے ہیں مگر انہیں تسلیم نہیں کرتے۔ اداکارہ انجمن نے ڈنکے کی چوٹ پر کہا تھا کہ اس کا باپ سابق ریاست بہاولپور کے امیر الامرا قسم کے نوابوں میں شامل ہے اسی طرح اداکارہ صائمہ اپنے نام کے ساتھ کھاکوانی لکھ کر جتایا کرتی ہے کہ اس کا باپ ملتان کے معروف کھاکوانی خاندان کا کوئی چشم و چراغ ہے ملتان کے ایک مشہور جاگیردار اور پنجاب کے سابق وزیر اعلیٰ میاں ممتاز کی بیوی کا تعلق بھی بازار حسن سے بتایا جاتا ہے۔

بازار حسن میں کام کرنے والیوں میں سے بیشتر کو اپنے باپوں کا پتہ ہے وہ نجی محفلوں میں ان کا تذکرہ بھی کرتی ہیں مگر اپنے باپ کو ولدیت کے خانے میں نہیں لکھ سکتیں۔ ایسا کرنے کے لئے دستاویزی ثبوت کی ضرورت پڑتی ہے۔ نورجہاں ملکہ ترنم بننے سے قبل بازار حسن جایا کرتی تھیں۔ ریما بھی ملتان کے بازار حسن کو رونق بخشا کرتی تھی۔ بازار حسن کی رونق بننے والیوں کے نقش نگار بڑے خوبصورت ہوتے ہیں اس کی وجہ ایک طوائف نے یہ بتائی کہ ہم لوگ بچے پیدا کرنے کے لئے خوبصورت شکل، صحت مند اور قد آور مرد کا انتخاب کرتی ہیں۔

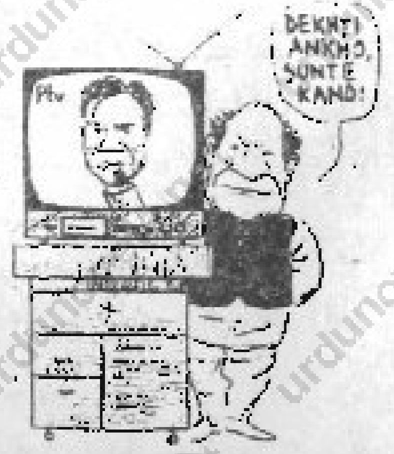

"طارق عزیز"

نام نہاد دانشور طارق عزیز کا اصل چہرہ پاکستانی عوام نے سپریم کورٹ پر حملہ آور ہوتے وقت دیکھا۔ بضد ہے کہ اسے ادیب مانا جائے۔ حالانکہ اپنے مکروہ کرتوتوں کے باعث وہ ادب میں ایک ناسور کا درجہ رکھتا ہے۔ اسے شعر زبانی بہت زیادہ تعداد میں یاد ہیں۔ قول و فعل میں تضاد کا عملی نمونہ طارق عزیز ہے۔ نیلام گھر پاکستان ٹیلی ویژن کا مقبول ترین پروگرام تھا البتہ جب وہ طارق عزیز شو بنا تو پہلے سی کامیابی پروگرام کو نصیب نہ ہوئی۔ ایک وقت میں ذوالفقار علی بھٹو کا نام لیتے نہ تھکتا تھا۔ نواز شریف کے قریب ہوا تو ذوالفقار علی بھٹو کو گالیاں بکنے لگا۔ نواز شریف نے طارق عزیز جیسے بھانڈ کو اوقات سے بڑھ کر نوازا تو وہ اپنی اوقات بھول گیا۔ محسن کشی احسان فراموشی میں طارق عزیز پی ایچ۔ ڈی تھا۔ حسیناؤں کے جھرمٹ میں رہنا پسند کرتا۔ جو خوبصورت چہرہ اس کی باتیں مان لیتا کو وہ اپنے پروگرام میں مدعو کرتا اور پھر خوبصورت چہرہ ایک ہی رات میں شہرت کے ساتویں آسمان پر پہنچ جاتا۔ اداکارہ ارم حسن کو پرموٹ کرنے والا طارق عزیز ہی ہے اس کے پروگرام میں شرکت کا معیار ذاتی پسند و ناپسند تھا۔ مجرے دیکھنے کا دلدادہ تھا اپنے پروگرام میں بھی وہ اپنی خواہش کو تکمیل سے ہمکنار کرنے میں کامیاب ہو جاتا پروگرام کے دوران لڈی ڈالا یہ تو اس کا وہ چہرہ ہے جو عوام کے سامنے ہے رات کی تاریکی میں اس کا چہرہ کس قسم کا ہوگا کا اندازہ

آپ خود لگا سکتے ہیں۔

ایک معمولی سرکاری ملازم نے بھانڈ کو پہچاننے سے انکار کیا تو بھانڈ غصے میں اپنے آپ سے باہر ہو گیا اور ملازم کو زدو کوب کرنا شروع کر دیا۔ لوگوں نے بیچ بچاؤ کر کے طارق عزیز کے تشدد سے اسے بچایا۔ ذاتی شہرت کے لئے وہ سرعام ننگا ناچنے کو تیار ہو جاتا ہے یہ جملہ اس کے ایک قریبی دوست نے بتایا۔

دلربا اداؤں کی مالک اور مست کر دینے والی حسیناؤں کے آگے سجدہ ریز ہونے والے شخص کا نام طارق عزیز ہے۔ ممبر قومی اسمبلی بن کر بھی وہ بھانڈ کا بھانڈ رہا۔

"پیر بنیامین رضوی"

پنجاب اسمبلی کے سابق رکن اور سابق وزیر پیر بنیامین رضوی عاشق مزاج ہونے میں اتنی شہرت رکھتے ہیں اتنی اچھی کہ ان کی بیوی غزالہ نے ان سے طلاق لی اور پھر پیر صاحب ہی کے ایک چپڑاسی سے محبت کی شادی رچالی۔ پیر بنیامین رضوی کا تعلق منڈی بہاؤالدین سے ہے ان کے والد پیر محمد یعقوب علاقے میں نیک بزرگ کے طور پر مشہور تھے ان کے والد نے ان کی شادی زہرہ بی بی سے کی جو پیر بنیامین رضوی کی ماموں زاد تھی۔ پیر صاحب شادی شدہ ہونے کے باوجود لاہور کالج برائے خواتین کی ایک طالبہ غزالہ پر عاشق ہوگئے۔ ان کا یہ عشق اتنا بڑھا کہ پیر صاحب نے اپنی پہلی بیوی کو طلاق دے کر غزالہ سے شادی رچالی۔ غزالہ حسین و جمیل تھی۔ پیر صاحب خود عاشق مزاج تھا ہر عورت کو وہ اپنی عاشق مزاجی کی کسوٹی پر دیکھتا۔ غزالہ کو بھی اس نے اسی کسوٹی سے دیکھا حالانکہ غزالہ کے بقول پیر صاحب کی بیوی بن کر اس نے کہیں بھی جھک نہ مارا مگر پیر صاحب کو یقین نہ آیا چنانچہ نوبت طلاق پر پہنچ کر ختم ہوئی چنانچہ انتقام میں غزالہ نے پیر بنیامین رضوی ہی کے ایک چپڑاسی سے محبت کر کے شادی رچالی۔ غزالہ نے بتایا کہ پیر صاحب میں دنیا جہاں کی برائی موجود تھی اس نے ساری زندگی پیر کو نماز یا قرآن پڑھتے نہ دیکھا البتہ پیر بنیامین رضوی حسیناؤں کے آگے سجدہ ریز ہی نہ ہوا کرتے تھے بلکہ وہ ان کے حسن کی تعریف بھی کرتے۔

"مہدی حسن بھٹی"

سابق ایم۔ پی۔ اے پنجاب اسمبلی مہدی حسن بھٹی کی رنگین راتوں کے نتیجے میں ایک لڑکی حاملہ ہوئی جس کا اسقاط حمل کے دوران انتقال ہوا۔ مہدی حسن بھٹی جہاں خود عورتوں کو رسوا کرنے میں مشہور تھے وہیں ان کے اقتدار کی طاقت سے شہ پا کر ان کے بھائی بھی اپنے جوہر دکھانے میں خاصے مشہور تھے۔ ان کے بھائی لیاقت عباس نے ایک لیڈی ڈاکٹر کو اس کے ڈاکٹر شوہر کے سامنے بے عزت کیا جس کی وہ پولیس میں شکایت لے کر گئے پولیس والوں نے لیاقت عباس کی شرافت کے قصیدے پڑھنے شروع کر دیئے چنانچہ دونوں ڈاکٹر اور لیڈی ڈاکٹر ملک ہی چھوڑ گئے۔ حسیناؤں کے ساتھ منہ کالا کر کے وہ خوش ہی نہ ہوا کرتے بلکہ اسے اپنی بہادری ثابت کرتے۔

"چوہدری یاسین"

آزاد کشمیر کے وزیر تعمیرات عیاشیوں میں اونچے مقام پر فائز ہیں کیونکہ انہوں نے اپنی کارروائی مانچسٹر سے اسلام آباد آنے والی پی آئی اے کی پرواز کے دوران ڈالی۔ دوران سفر انہوں نے شراب کے نشے میں مبتلا ہو کر طوفان بدتمیزی برپا کیا اس حد تک بدتمیزی کی کہ عملے کو ان کے خلاف کارروائی کرنا پڑی جس پر موصوف نے شراب کی بوتل توڑ کر عملے پر حملہ کر دیا خواتین کے ساتھ نازیبا حرکات اور وہ بھی سرعام آزاد کشمیر کے وزیر زراعت سے سرزد ہو گئیں تو پرواز میں شامل مسافروں نے آنکھیں بند اور کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں شراب کے نشے میں دُھن ہو کر اپنے دو ساتھیوں غلام حسین اور رب نواز کے ہمراہ انہوں نے طیارے میں اونچی آواز سے شور مچایا۔ جب طیارے کے پہیئے نے رن وے کو چھوا تو وزیر صاحب کو کسٹم اہلکاروں نے اپنے بازوؤں سے اوپر اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا۔ یہی نہیں بلکہ معاملہ تھانے کچہری تک بھی گیا اور پھر حسب معمول چوہدری یاسین باعزت بری کر دیئے گئے کیونکہ وہ آزاد کشمیر کی حکومت کے وزیر زراعت تھے۔

"مخدوم احمد محمود"

سابق رکن اسمبلی مخدوم احمد محمود کی رنگین مزاجی دیکھئے کہ وہ اداکارہ سحرش خان کو جہاز اڑانا سکھانے لگے۔ تفصیل یوں ہے کہ ایک روز والٹن ایئرپورٹ پر چار سیٹوں والا جہاز ایئرپورٹ کی بجائے کھیت میں اتر گیا طیارے کا ایک پہیہ مکمل طور پر تباہ ہو گیا البتہ طیارے میں سوار قومی اسمبلی کے رکن مخدوم احمد محمود، سحرش خان اور ہوا باز کیپٹن شاکر معجزانہ طور پر بچ گئے۔ حادثہ کا شکار ہونے والا طیارہ مخدوم احمد محمود صاحب کی ذاتی ملکیت تھا۔ ننھے طیارے میں بیک وقت دو افراد سفر کر سکتے ہیں مگر بوقت حادثہ طیارے میں تین افراد سوار تھے۔ مخدوم محمود احمد جن کے پاس شوقیہ لائسنس تھا طیارہ چلا رہے تھے ان کے ساتھ والی سیٹ پر اداکارہ سحرش خان بیٹھی ہوئی تھی حالانکہ وہاں پر دوسرے ہوا باز کو ہونا چاہئے تھا۔ مخدوم صاحب دل کے ہاتھوں مجبور تھے اور وہ تھوڑی دیر کے لئے اداکارہ سحرش خان کی جدائی برداشت نہ کر سکتے تھے۔ عاشق دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر مخدوم احمد محمود نے جہاز تباہ کر دیا۔ زندگی بچ جانے پر انہوں نے خوشی منائی تھی ذرائع کے مطابق زندگی بچنے کی خوشی کی تقریب میں بھی سحرش خان شریک ہوئی۔

"سردار اصغر آفندی"

سردار اصغر آفندی آزاد کشمیر کے وزیر صحت تھے۔ شرفاء کے سامنے وہ ایسی حرکات کرنے لگتے کہ شرفاء ان کے سامنے سے کھسکنے لگتے۔ انہیں رنگین کارنامے سرانجام دیتا ہوا دیکھ کر لوگ شرم سے پانی پانی ہو جاتے مگر سردار صاحب سینہ تان کر اپنی کارگزاری بیان کرتے۔ جے پانی ریسٹ ہاؤس میں وہ ایک میٹنگ میں شریک تھے میٹنگ میں محکمہ صحت آزاد کشمیر کے اعلیٰ عہدے دار شریک تھے۔ سردار صاحب میٹنگ کے بعد کمرے سے باہر نکلے تو شراب کے نشے میں مدہوش تھے یہی نہیں بلکہ انہوں نے دور دراز سے آنے والے سائلوں کو نازیبا کلمات سے نوازنا شروع کر دیا اور پھر سب کے سامنے ریسٹ ہاؤس کے صحن میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنا شروع کر دیا۔ لوگوں سے کہنے لگا دیکھو میں کتنا اچھا زگ زیگ بنا رہا ہوں وزیر صحت کی اخلاقیات سے دور حرکت دیکھ کر تمام سائل بھاگ گئے۔

"غلام قادر مکانی"

1993ء میں غلام قادر مکانی صوبہ سندھ کے وزیر ثقافت و سیاحت تھے۔ سیاسی مخالفین کی کردار کشی کرنا سیاست دانوں کا من پسند مشغلہ تھا ان کی اپنی اخلاقی حالت یہ تھی کہ وہ برائیوں کی دلدل میں سرتاپا غرق تھے۔ شیشے کے گھر میں بیٹھ کر دوسروں پر پتھر پھینکا کرتے تھے جو آن دی ریکارڈ خبریں قارئین کو پڑھنے کے لئے ملتی ہیں وہ ہی حکمرانوں کی گردنیں شرم سے جھکا دینے کے لئے کافی ہیں اگر ان کی آف دی ریکارڈ باتیں اخبار کی زینت بننے لگیں تو شرفاء کو جہاں اخبارات "بازار حسن" کی تصویری خبریں پیش کرنے والے لگیں وہیں وہ اس صورت حال سے تنگ آ کر گھر کے اندر اخبار کا پہنچنا بند کر دیں۔ غلام قادر مکانی نے اپنے بھائی کی شادی کی تقریب میں شراب و مجرے کا باقاعدہ اہتمام کیا تھا۔ محفل میں پولیس انتظامیہ سمیت ہر شعبہ ہائے زندگی کے افراد نے شرکت کی۔ شراب و شباب کی اس محفل میں "شازیہ" نامی رقاصہ نے شرفاء کو ننگا ناچنے پر مجبور کر دیا پھر ایک نے تو شازیہ سے چھیڑ چھاڑ بھی کی منع کرنے پر انہوں نے پستول نکال لیا۔ غلام قادر مکانی نے شازیہ کو اپنے دوست کی سرعام ہوس کا شکار ہونے سے تو بچایا البتہ اپنے شراب و شباب کے دوست کو تنہا کر دیا۔

"شاہد حمید"

شاہد حمید آزاد کشمیر حکومت کے وزیر زراعت ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی عیاشیوں کی بھی خوب آبیاری کیا کرتے تھے۔ 9 مارچ 1993ء کو پولیس نے پارک رو ہوٹل پر چھاپہ مارا تو منظر یہ تھا کہ آزاد کشمیر حکومت کے وزیر زراعت اپنے ساتھیوں سمیت چار حسیناؤں کے بازوؤں میں جھوم رہے تھے۔ وزیر زراعت شراب و شباب سے تسکین فرما کر خوشی محسوس کیا کرتے۔ گرفتار ہونے والی لڑکیوں میں لاہور کی حنا بی بی، نورین، ارم بیگ اور شازیہ خان شامل تھیں یہ لڑکیاں فلمی ہیروئن بننا چاہتی تھیں جو رنگیلے وزیر کے ہتھے چڑھ گئیں۔ وزیر زراعت نے گرفتار ہو کر منت سماجت کرنی شروع کر دی کہنے لگے میرا سیاسی کیریئر تباہ ہو جائے گا۔ مجاہدوں کی اخلاقی حمایت کرنے والے یہ حکمران اخلاقیات کی کس قسم کی کہانی میں گرے ہوئے تھے اس ایک واقعے سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ واقع کی

خبر نہ چھاپنے کی موصوف نے مختلف اخبارات والوں کی منت کی مگر ان کی خبر پھر بھی لیڈ بن کر اخبارات کے صفحات کی زینت بنی۔

"قربان نیازی"

قربان نیازی ممبر قومی اسمبلی (سابق) ڈاکٹر شیر افگن کے چھوٹے بھائی ہیں۔ 10 دسمبر 1996ء کو پولیس نے گلبرگ ہوٹل پر چھاپہ مارا تو قربان نیازی پیپلز پارٹی کے ایک سابق ایم۔ پی۔ اے اور خود کو سابق ڈی آئی جی کا بڑا بھائی ظاہر کرنے والے چوہدری محمد صفدر اپنے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ ایک خوبرو حسینہ شاہین کے ساتھ قابل اعتراض حالت میں گرفتار کر لئے گئے۔ انہوں نے بہتیرا تعارف کرایا مگر پولیس والوں نے بغیر اس اونچ نیچ کے کہ انہی میں سے کوئی آئندہ ممبر صوبائی اسمبلی یا قومی اسمبلی بنے گا گرفتار کر لیا۔ انہوں نے گرفتاری کے وقت زور زور سے کہا اگر ہماری حکومت ہوتی تو ہم دیکھتے تم ہمیں کس طرح گرفتار کرتے ہو۔ معزز شہری شراب نوشی اپنے آپ کو معزز ترین ثابت کرنے کے لئے کرتے ہیں۔ وہ جہاں شراب کو بطور فیشن کے ہر وقت اپنے پاس رکھتے ہیں وہیں حسیناؤں کے جھرمٹ میں بیٹھنا بھی انہیں اچھا لگتا ہے وقت بے وقت وہ اپنی ان خواہشات کی تکمیل کرتے رہتے ہیں۔ اپنے شوق کی تکمیل کبھی چھپ چھپا کر تو کبھی سرعام کرتے ہیں۔ انہیں ان کے کرتوتوں سے باز رہنے کو کہا جائے تو آگے سے تڑاں گالی شروع کر دیتے ہیں۔ قربان نیازی اور ان کے ساتھیوں نے بوقت گرفتاری یہی داؤ آزمایا تھا۔

"حاجی مقصود بٹ"

حاجی مقصود بٹ ممبر پنجاب اسمبلی بننے سے قبل عام دوکاندار تھے۔ دولت ان کے گھر کی باندی بنی تو انہوں نے دولت لٹانے کے لئے خوبصورت چہرے تلاش کئے۔ عورت کو شمع محفل بنانے والے مقصود بٹ ایک تقریب میں داد عیش دے رہے تھے کہ پولیس کا چھاپہ پڑ گیا اور ان کی زندگی کا خفیہ گوشہ عام بندوں کو دیکھنے کو ملا تفصیل کے مطابق ڈیفنس کی ایک کوٹھی میں لال پری کا دور چل رہا تھا وہاں مقصود بٹ صاحب بنفس نفیس شریک

تھے۔ نوٹوں کے بل بوتے پر بازار حسن کی تتلیاں تھرک رہی تھیں کسی ظالم نے رنگ میں بھنگ ڈالتے ہوئے پولیس کو اطلاع کر دی پولیس نے چند صحافیوں کے ہمراہ چھاپہ مارا اور حاجی مقصود بٹ سمیت سات افراد اور نو حسیناؤں کو گرفتار کر لیا پولیس پارٹی نے سب انسپکٹر تقی شاہ کی قیادت میں چھاپہ مارا تھا بات اوپر پہنچی تو ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی نتیجتاً پولیس کو ملزمان کو بغیر مقدمہ درج کئے باعزت رہا کرنا پڑا البتہ کارروائی کا بھرم رکھنے کے لئے پولیس نے کوٹھی کے مالک ناصر کے خلاف شراب رکھنے کا مقدمہ درج کر دیا۔ شراب و شباب کی محفل سجانے والا اصل کردار حاجی مقصود بٹ با اختیار تھا۔ قانون کے نام پر اگر با اثر افراد لاقانونیت کا پرچار تسلیم کریں گے تو اور یہ کام کون کرے گا۔

"چوہدری شیر علی ایم۔ این۔ اے"

چوہدری شیر علی جہاں کٹر مسلم لیگی۔ سابق میئر فیصل آباد کارپوریشن اور ایم۔ این۔ اے ہیں وہیں نواز شریف کے قریبی عزیز ہیں۔ عیاشیوں اور بدعنوانیوں کی وجہ سے فیصل آباد کے تمام مسلم لیگیوں میں وہ نمبرون ہیں۔ میاں صاحب کی چچازاد طارق شفیع کی بہن چوہدری شیر علی کی بیوی ہیں اور دوسری طرف میاں شفیع اور شہباز شریف ہم زلف ہیں۔ ان رشتہ داریوں کو سیڑھی بنا کر چوہدری شیر علی نے خوب گل کھلائے۔ چوہدری صاحب کے بیٹے کی شادی فیصل آباد والوں کو ابھی تک نہیں بھولی۔ اس زمانے میں میاں نواز شریف پنجاب کے وزیر اعلیٰ تھے۔ چوہدری شیر علی نے اپنے بیٹے کی شادی کے سلسلے میں منعقدہ تقریب کے لئے ریما کو خاص طور پر مدعو کیا جہاں ریما نے میزبان کی شدید خواہش اور شدید اصرار پر شراب سے مست میزبانوں کے سامنے مکمل عریاں رقص کیا جس کے عوض اسے نہ صرف لاکھوں کی ویلیں ملیں بلکہ ایک عدد پلاٹ سے بھی نوازی گئی۔

چوہدری شیر علی ابتداء ہی سے رنگین مزاج تھے جوں جوں سیاسی منازل طے کرتے گئے ان کی عیاشیوں پر بھی نکھار آتا گیا۔ جوانی کے ایام میں وہ فیصل آباد بازار حسن کی رونقیں بڑھایا کرتے۔ اس زمانے میں ایک طوائف الماس بائی کی تین بیٹیوں کی قیامت ڈھاتی جوانی کے تذکرے ہر زبان پر تھے قیامت خیز حسن سے آنکھوں کی پیاس بجھانے اور جسم کی تپش اتارنے والوں میں ایک نام چوہدری شیر علی کا تھا۔ ایک دوسری طوائف

عشرت عرف اچھو بائی کے عشق میں بھی وہ پاگل ہوئے بات اتنی آگے بڑھی کہ چوہدری شیر علی نے اچھو بائی سے نکاح کر لیا اور اسے علیحدہ مکان لے کر دیا۔ اس کے بعد بھی ان کی دلچسپیاں ماند نہ پڑیں بلکہ انہوں نے کئی دوستیاں قائم کیں۔ شراب و شباب اور عریاں رقص دیکھنا چوہدری شیر علی کو بے حد پسند ہے یہی نہیں بلکہ نوخیز حسیناؤں سے جسم کی مالش کروانی بھی وہ نہیں پسند ہے۔

جماعت اسلامی فیصل آباد نے لاہور پریس کلب میں چوہدری شیر علی کے بیٹے چوہدری عابد علی کو مجرے میں چند طوائفوں پر نوٹ نچھاور کرتے دکھایا۔ یہ بات جب چوہدری شیر علی تک پہنچی تو وہ زیر لب مسکرائے البتہ واقفان حال کے منہ پر یہ الفاظ تھے یہ کون سی نئی بات ہے جیسا باپ ویسا بیٹا۔

نواز شریف تک چوہدری شیر علی کی مصروفیات سے آگاہ تھے مگر اس پنڈال میں سارے عریاں رقصاں ہیں تو وہ کیسے اپنی کزن کے شوہر کو روکتے۔

"مولانا عبدالقادر"

مولانا صاحب بادشاہی مسجد کے خطیب تھے۔ اپنی رنگین مزاجی کی بدولت حسیناؤں میں بڑے مقبول تھے۔ بازار حسن کی حسینائیں اپنی کامیابی کے لئے ان کے قدموں کو چھونا باعث صد عزت و افتخار قرار دیتیں۔ مولانا صاحب ان کے شہوت بیدار سے ہی خوش ہوا کرتے تھے۔ بازار حسن کی حسینائیں مولانا صاحب کی پڑوسنیں تھیں۔ پڑوسیوں کا ایک دوسرے پر ویسے بھی بہت زیادہ حق ہوتا ہے مگر اس کے باوجود مولانا صاحب کی کوئی رنگین چٹپٹی خبر عام تک نہ پہنچی، پہنچی تو فقط یہ خبر پہنچی کہ جب برطانوی شہزادی ڈیانا امریکہ کے دورے پر آئیں تو مولانا صاحب نے لیڈی ڈیانا کو خاص طور پر چادر اوڑھائی تھی۔

مولانا عبدالقادر آزاد خود تو کبھی بازار حسن کی برائی میں نہ رہے ان کا اگر کوئی قصور ہے تو اتنا ہے کہ انہوں نے برائی کو اپنے پڑوس میں نہ تو پنپنے سے روکا نہ ہی کوئی اور قابل ذکر کارنامہ سرانجام دیا "مگر کیوں؟" اس کیوں کا جواب مولانا عبدالقادر آزاد ہی دے سکتے ہیں۔

"خندہ پری"

مردوں کو مولوی بڑے اچھے لگتے ہیں ہمارا اس بارے کہنا صرف یہ ہے کہ تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے ویسے بھی چار بار دولہا بننا کے اچھا نہیں لگتا مگر شہزادی ڈیانا نے عورت ہوتے ہوئے جب مولانا عبدالقادر آزاد کی تعریف کی تو ہمیں اس کے اس فعل پر نہ صرف حیرت بلکہ حسد بھی ہوا مگر اس نے جب اپنا دل ایک دل کے ماہر ڈاکٹر حسنات کو دیا تو ہماری ساری غلط فہمیاں دور ہو گئیں۔ مگر اگلے روز جب امریکی سپر ماڈل سنڈی کرافورڈ سے لیڈی ڈیانا نے اپنی ملاقات کے دوران یہ کہا کہ کوئی دن ایسا نہیں گزرتا جب دنیا بھر کے اخبارات میں میری قابل اعتراض تصویر شائع نہ ہوتی ہوں ان حالات میں کون ایسا شخص ہو گا جو مجھے اپنے گھر لے جائے گا دولت اور حسن

کی ملکہ نے مزید یہ بھی کہا کہ ہر گزرتا لمحہ میری زندگی میں تنہائیوں کو ابھار کر رہا ہے جس سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ کوئی مرد میری زندگی میں نہیں آئے گا۔ یہ پڑھ کر ہمیں بھی شہزادی ڈیانا سے ہمدردی ہو چلی ہے اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ ہم مرد ہیں اور دوسری یہ ہے کہ ہم پاکستانی بھی ہیں وہ تصاویر جن کے بارے میں لیڈی ڈیانا کو اعتراض ہے کے بارے اخبارات کے سرکولیشن منیجرز بڑی اچھی رائے رکھتے ہیں کیونکہ ہر اچھا بزنس مین بزنس بڑھانے والے آئیٹم کے بارے میں اچھی رائے ہی رکھتا ہے ویسے لیڈی ڈیانا کا یہ بیان پڑھ کر ہمیں ان کا ماضی میں کیا جانے والا لاہور کا دورہ بھی یاد آگیا ہے اپنے اس دورے کے دوران لیڈی ڈیانا نے بطور خاص بادشاہی مسجد لاہور کا دورہ کیا تھا اور ہمیں یہ بھی یاد ہے کہ اس وقت مولانا عبدالقادر آزاد نے ان کے سر پر دورے کی یادگار کے طور پر ایک چادر بھی اڑھائی تھی ہمیں تو معلوم ہے کہ غیر عورت کے سر پر مولوی کب اور کیوں چادر اڑھاتا ہے البتہ ممکن ہے لیڈی ڈیانا اس معاملے میں لاعلم ہوں لہٰذا ہم انہیں مشورہ دیں گے کہ وہ مایوسی میں مبتلا ہونے کی بجائے پاکستان کا دورہ کریں۔ اس سے جہاں انہیں سر پر اڑھائی جانے والی چادر کا مطلب معلوم ہو جائے گا وہیں ان کے لئے جلد شوہر بھی بن جائے گا ویسے بھی ہماری معلومات کے مطابق مولانا عبدالقادر آزاد نے ابھی صرف دو شادیاں ہی کر رکھی ہیں۔

ہمیں مولانا عبدالقادر کے علاوہ جو بھی مولوی اچھے لگتے ہیں ان میں سرفہرست مولانا سمیع الحق ہیں اس کی دو وجوہات ہیں ایک تو یہ کہ وہ مولوی ہیں اور دوسرے یہ کہ وہ سیاست دان بھی ہیں ہمیں مولوی اور سیاست دان میں ہمیشہ ایک بات مشترک نظر آئی کہ دونوں اپنے پیٹ کا بڑا خیال کرتے ہیں اس بارے میں ایک مولوی، مولانا کوثر نیازی تو اتنے مشہور ہیں کہ وہ ساری حیاتی صرف پیٹ ہی کے واسطے زندہ رہے مولوی کے علاوہ ساری حیاتی مولانا کوثر نیازی کو پیٹ کے واسطے زندہ رہنا اس لئے بھی اچھا لگتا تھا کہ ان کا نام بھی "حیات محمد خان" تھا۔

"علامہ طاہر القادری"

مذہبی رہنما ہونے کے حوالے سے خاصے مشہور ہیں مگر پھر بھی انہوں نے شہرت کے لئے سکینڈل کا انتخاب کیا جس میں انہوں نے اپنے گھر پر فائرنگ کروائی۔ معاملہ عدالتی تحقیق تک پہنچا تو جج نے ریمارکس دیئے کہ "یہ شخص احسان فراموش، ناشکرا، خود غرض، جھوٹا، دولت کا پجاری، خود پرست، شہرت کا بھوکا اور مذہب سے اس کی محبت محض ڈھونگ ہے۔" سکینڈل کے ذریعے وہ شہرت حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہوئے البتہ سکینڈل زدہ مذہبی لیڈر بننے میں کامیاب ہوئے۔ ان کی عوامی تحریک میں بازار حسن کی حسیناؤں کے لئے خاصی گنجائش رکھی گئی ہے۔ وہ خواب دیکھنے میں بھی خاصی شہرت کے مالک ہیں۔ عوامی پارٹی اپنے کلچرل ونگ کی بدولت خاصی مشہور ہے۔ بازار حسن کی حسینائیں علامہ صاحب کے گن گاتی رہتی ہیں اس کی کوئی وجہ تو ہوگی۔ نواز شریف نے علامہ صاحب کو خوب نوازا۔ زرعی زمینیں اور نئے ماڈل کی کاریں تحفے میں دیں۔ بازار حسن کی حسیناؤں کا تحفہ علامہ صاحب نے از خود اپنی پارٹی میں کلچرل ونگ بنا کر حاصل کیا۔ علامہ صاحب نے بازار حسن کی حسیناؤں کو سیاست میں لا کر ان کے اور سیاست دانوں کے درمیان حائل پردے کو ہٹایا۔ مسرت شاہین علامہ طاہر القادری کو ہر وقت اپنی دعاؤں میں یاد رکھتی ہیں۔

"سید لیاقت بنوری ایڈووکیٹ کا کالم"

پاکستان عوامی تحریک کے قائد علامہ طاہر القادری نے مورخہ 20 فروری کو اسلام آباد کے فائیو سٹار ہوٹل میں اپنی سالگرہ منائی جس میں ان کی پارٹی کے ممبران اور دوستوں نے ان کو مبارکبادیں پیش کیں۔ میں اس اہم موقع پر وہاں جانے سے قاصر رہا۔ اس لئے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ تحفوں کا کیا عالم رہا۔ اتنے بڑے لیڈر کی سالگرہ جب اتنے بڑے ہوٹل میں منعقد ہو رہی ہو جہاں ان پر جان چھڑکنے والے کارکنان کی بڑی تعداد بھی موجود ہو تو امید ہے کہ ان کو تحفے بھی بڑے اور قیمتی ملے ہوں گے۔ سالگرہ میں شمولیت کے باقاعدہ کارڈ تقسیم ہوئے اور کارڈ ہمراہ لے کر جانے کی پابندی بھی تھی۔ اس کی وجہ ہو سکتی ہے کہ کہیں ایرا غیرا ہی نہ گھس آئے جو تحفہ دینے کے قابل بھی نہ ہو اور خواہ مخواہ ہوٹل کا بل بھی بڑھا جائے اس لئے اس معاملہ میں بھی احتیاط رکھی گئی۔ چونکہ لٹھ برداروں کی فورس ہر پارٹی میں ہوتی ہے اسلئے ہوٹل کے باہر بھی باقاعدہ اہتمام کیا گیا ہو گا جہاں پر کارڈز وغیرہ چیک کئے جاتے ہوں گے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ اگر کوئی آدمی تحفہ لے کر جا رہا ہو اور کارڈ نہ ہو تو یہ تسلی کرنے کے بعد کہ واقعی تحفہ علامہ صاحب کی ہی نذر کیا جائے گا۔ اس کو خصوصی طور پر اجازت مل گئی ہو بصورت دیگر کارڈ کی موجودگی کو ضروری قرار دیا گیا۔

میری اطلاع کے مطابق سالگرہ کے اس مبارک موقع پر پاکستان کی ابھرتی اور پھیلتی ہوئی خاتون سیاسی رہنما اور سابقہ انتہائی نامور اداکارہ مسرت شاہین نے خصوصی دعوت پر اس سالگرہ میں شرکت فرما کر علامہ طاہر القادری کو درازی عمر کی دعائیں بھی دیں۔ جس کے پیچھے مسرت شاہین کی دعائیں ہوں اور نیک تمنائیں ہو ان کی تو عمر نہ صرف دراز بلکہ سدا جوان بھی رہتی ہے۔ علامہ طاہر القادری بڑے خوش قسمت سیاسی رہنما ہیں جن کیلئے ان کے ہم عصر سیاسی رہنما خواتین دعا گو ہیں معلوم نہیں' محترم علامہ صاحب نے بھی ان کے لئے کوئی دعا فرمائی یا نہیں۔ انہوں نے ان کو جو کچھ بھی فرمایا ان کی مہمان تھیں۔ اس لئے ان کی مرضی جیسی اس سے کیا۔

یہ علامہ محترم کی کونسی سالگرہ تھی اس کا علم مجھے نہیں ہو سکا۔ 1986ء میں جلوہ سیکرٹری بار ہم نے ان کو کوہاٹ بار میں خطاب کی دعوت دی تھی۔ اس وقت اور آج جب اخبارات میں ان کی تصویر دیکھی تو کوئی خاص فرق نظر نہیں آیا' لگتا ہے علامہ صاحب ماشاء

اللہ اسی طرح جوان ہیں۔ وقت کی دھول ان کے سراپے پر نہیں آئی اور آگے بھی کیسے۔ ان کو دعا دینے والے بھی تو دیکھیں۔ کاش ہم بھی اتنے خوش قسمت ہوتے کہ ہمارے لئے بھی کوئی دعا کرتا لیکن اگر ایسا ممکن ہوتا تو کیا ہم بھی کوئی علامہ یا مولانا نہ ہوتے۔ ہر شخص کی اپنی اپنی قسمت ہوتی ہے۔ ہم جیسے لوگوں کو تو اپنی بیویاں بھی دعائیں دیتیں' کجا مسرت شاہین کی دعاؤں کی تمنا کریں۔

چنانچہ ہم تمنا اور ارمانوں کے بیچ ہی بھٹکتے رہیں گے' جن کے نصیب میں ہوں گی دعائیں اور تحفے ان کے پاس پہنچ جائیں گے۔ اور یہ بھی نہیں پوچھیں گے کہ ان کی کونسی سالگرہ ہے۔

سالگرہ بنیادی طور پر انگریزی رسم ہے۔ عیسائیت میں مذہبی تہوار بہت کم ہیں نہ ان کو روزوں کی خوشی نصیب ہے نہ عید بقر عید نہ ان کے ہاں عید میلاد النبیؐ اور نہ ہی شب برات اور شب معراج' قومی تہواروں کے معاملہ میں بھی وہ فارغ ہیں۔ ایک یوم جمہوریہ کے علاوہ کوئی دن نہیں۔ ہم چودہ اگست' چھ ستمبر' 23 مارچ' یوم قائد اعظم' اقبال ڈے اور کئی دیگر تہوار منا کر اپنی خوشیاں بانٹتے ہیں۔ انگریزوں نے اپنی تہی دامنی کو چھپانے کے لئے سالگرہ نیو ایئر' ویلنٹائن ڈے اور دوسرے خود ساختہ تہوار پیدا کئے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انہوں نے ہمیں بھی اپنے ساتھ شامل کیا۔ وہ انگریز جن کے خلاف میرے آپ کے اور علامہ طاہر القادری کے آباؤ اجداد نے تحریکیں چلائیں' قربانیاں دیں' آج ہم انہی کے نقش قدم پر چل کر انہی کے ایام منا رہے ہیں۔ علماء کا طبقہ ایسا طبقہ ہے جو ایسی خرافات کے خلاف جہاد کرتا رہا ہے۔ مگر علامہ صاحب نے اپنی سالگرہ کا فنکشن کر کے اپنے معتقدین اور مسرت شاہین کی دعائیں لے کر عوام الناس میں اس اہم تہوار کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے اور اس کو منانے کی ترغیب دی ہے۔ دیگر جید علماء اکرام کا تبصرہ ابھی تک نہیں آیا۔ اگر اس دن کو منانا ضروری تھا تو ذکر و فکر کی محفل کر دی جاتی' تمام لوگوں سے اللہ کے حضور معافی مانگنے کی تلقین کی جاتی' تو شاید اللہ تعالیٰ ان کے اس فعل سے راضی ہو کر بارش برسا دیتے مگر وہ دعاؤں کے ڈھیر سمیٹ کر وہ چلے گئے لوگوں کو کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ اس کے باوجود ہم محترم طاہر القادری کو ان کی سالگرہ پر تہنیت دیتے ہیں اور ان کے لئے دعا گو ہیں کہ اگر وہ ہیں تو ہمارے کالم بھی ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ مسرت شاہین کی دعائیں قبول فرمائے جو انہوں نے علامہ صاحب کو دی ہیں۔

urdunovels.net

"سابق وزیر اعلیٰ لیاقت علی جتوئی کا بیٹا"

شام کو کراچی کا تفریحی مقام کلفٹن بہت خوبصورت ہوتا ہے۔ ساحلی تفریحی مقام محبت کرنے والوں کو ملا کر خوشی محسوس کرتا ہے۔ 12 اکتوبر 1997ء کا ذکر ہے کہ شام کو تفریح کی غرض سے آنے والوں کا ہجوم بڑھتا گیا کہ اچانک ایک پجارو کی چیختی چنگھاڑتی بریکوں نے آس پاس کے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ پجارو سے ایک نو عمر نوجوان ہاتھ میں کلاشن کوف لہراتے ہوئے نکلا اور نہایت غصے سے چلاتے ہوئے کہنے لگا "اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا...... !!! ماں قسم ...... !! زندہ نہیں چھوڑوں گا" اس کے کچھ ساتھی اسے روکنے کی کوشش کر رہے تھے مگر یہ نوجوان غصے میں بے قابو ہو رہا تھا۔ اسی اثناء میں دس بارہ نو عمر لڑکیاں بھی اسے سمجھانے کو آگے بڑھیں جو شام کی تمام بمشکل 12 اور 13 برس کی عمروں کی تھیں۔ انہوں نے بلیک پینٹ اور بلیک ٹی شرٹ زیب تن رکھی تھی۔ کچھ اپنے بپھرے ہوئے ساتھی کو سمجھانے کی کوشش کر رہی تھیں تو کچھ خوف کے مارے کانپ رہی تھیں۔ اسی چیخ و پکار میں پولیس کی 6-7 گاڑیاں موقع پر پہنچ گئیں۔ کلاشنکوف لہراتے نوجوان نے تعارف کرایا "میں اعجاز جتوئی کا بیٹا ہوں" ایک دوسرے نوجوان نے اپنے آپ کو لیاقت علی جتوئی کا بیٹا ظاہر کیا۔ پولیس بپھرے ہوئے نوجوانوں کے سامنے سر جھکائے کھڑی تھی۔ وزیر اعلیٰ ہاؤس کے ذرائع سے بھی اپنے صاحبزادگان کی وہاں موجودگی کی تصدیق کی۔ نوجوانوں نے پولیس والوں کو حکم دیتے ہوئے کہا "جس کی طرف اشارہ کریں گے اسے گرفتار کر لیا جائے" پھر پولیس والوں نے حکم کی تعمیل کی۔ اس سارے جھگڑے کی وجہ جو سامنے آئی وہ ایک خوبصورت لڑکی تھی۔ لیاقت علی جتوئی اور اعجاز جتوئی کے بیٹے کی مشترکہ معشوقہ کسی اور کے ساتھ تفریح منانے کلفٹن چلی آئی۔ جس کا انہوں نے بہت زیادہ برا منایا مگر ایک خوبصورت لڑکی کی بدولت بات خون خرابے تک نہ پہنچی بلکہ گرفتاریوں کی بدولت ٹل گئی۔

یہ قصہ تھانے کے ریکارڈ میں موجود ہیں۔ لیاقت جتوئی اور اعجاز جتوئی کے بیٹے اگر حسیناؤں کے عاشق نہ بنتے تو بات انہونی تھی مگر سارے قصے نے ثابت کیا کہ بیٹے باپوں ہی پر گئے تھے۔

"ائیر مارشل اصغر خان"

ان کے رنگین کارنامے بہت کم سامنے آئے البتہ صحیح وقت پر غلط فیصلہ کرنے میں انہوں نے کافی شہرت کمائی۔ ذوالفقار علی بھٹو کو لیڈر بنانے والوں میں ایک نام ائیر مارشل اصغر خان کا بھی لیا جاتا ہے۔ بھٹو نے انہیں اس کا انعام یہ دیا کہ انہیں "آلو خان" کا اعزاز دیا۔ ائیر مارشل فوجی ہونے کے باوجود بھارت سے دوستی چاہتے ہیں۔ ایٹمی پروگرام کے بھی وہ مخالف ہیں۔ پاکستان کی افغان پالیسی کے بھی مخالف ہیں وہ کبھی بھی الیکشن نہ جیت سکے۔ بے نظیر بھٹو اور نواز شریف دونوں سے اتحاد کیا اور عین اس وقت علیحدگی اختیار کی جب فائدہ حاصل کرنے کی گھڑی نزدیک تھی۔ انہوں نے اپنے بیٹے عمر اصغر خان کو جنرل پرویز مشرف کی بدولت وزیر بنایا۔ عمر اصغر خان ایک این۔ جی۔ او کے حوالے سے خاصے مشہور ہیں۔ "سنگی" نامی این۔ جی۔ او تنظیم کے خلاف عوام اکثر باتیں کرتے رہتے ہیں۔ سنگی میں مردوں کی بجائے عورتیں زیادہ ہیں۔ مسلم معاشرے میں عورتوں مردوں کو ایک میز پر بٹھا کر حجاب و پردے کی دھجیاں بکھیرنا عمر اصغر خان کا کارنامہ ہے۔

"شاہین منور"

شاہین منور مظفر گڑھ کی رہائشی تھی۔ اپنے حسن کی بدولت اس نے نہایت مختصر مدت میں اپنے علاقے کے حسن پرست جاگیرداروں کے دلوں میں جگہ بنائی۔ شاہین منور تو یہ شان' قیامت خیز حسن کی مالک تھی جو دیکھتا وہ اسی کا ہو کر رہ جاتا۔ شاہین نے حسن کا وہ جادو چلایا کہ اس کا تذکرہ حکمراں طبقے میں کیا جانے لگا۔ خوبرو دوشیزہ گھاٹ گھاٹ کا پانی پینے کی عادی بن چکی تھی چنانچہ وہ ایک جاگیردار کو اپنی زلف کا اسیر بناتی تو دوسرے کی تلاش میں ادھر ادھر منہ مارنے لگتی۔ اس نے سب سے پہلے پنجاب کے وزیر اعلیٰ کے ایڈوائزر کو پھانسا۔ ایڈوائزر صاحب قادیانی ہونے کی شہرت رکھتے تھے۔ جب افسر مذکور کا نام شاہین سے جوڑا گیا تو حسن پرستوں کے حلقے میں اس کی قسمت پر رشک کیا جانے لگا۔ شوہر کی موجودگی میں شاہین نے ایک صوبائی وزیر کے عشق کی بات چیت شروع کر دی۔ محمد خان صوبائی وزیر اور ملتان کا بڑا جاگیردار تھا۔ شاہین کو ایسے ہی شکار کی تلاش تھی چنانچہ شاہین نے محمد خان سے شادی رچا لی مگر اپنے کرتوتوں سے پھر بھی باز نہ آئی۔ محمد خان کی اونچی حویلی میں پہنچی تو شاہین کے چاہنے والوں کی تعداد میں بہت زیادہ اضافہ ہوا۔ اسی اثناء میں اس کے دل میں اپنے پہلے شوہر قادیانی افسر کی خوابیدہ محبت نے دوبارہ انگڑائی لی چنانچہ شاہین نے محمد خان سے طلاق لے کر قادیانی افسر سے دوبارہ شادی رچا لی۔

شاہین منور نے عورت ہوتے ہوئے وہ کارہائے نمایاں اپنے خوبصورت جسم کی بدولت سرانجام دیئے کہ عشق پرست مردوں کو بھی پسینہ آ گیا شاہین کا شکار عام معمولی بندہ نہ ہوتا بلکہ بڑا جاگیردار' وزیر ہی بنتا جس سے وہ اپنے ناجائز کام نکلواتی۔ شاہین کو ہر عیش پرست نے پروٹوکول کے ساتھ اپنے پاس بٹھایا۔ بھٹو دور میں شاہین کے کارنامے ایسے گونجے کہ تحفظ حقوق نسواں والوں کو بھی منہ چھپانے پڑے۔

"جے سالک"

جے سالک سیاست دان کے طور پر کم مشہور ہیں البتہ ہو کر کے طور پر وہ خاصے مشہور ہیں آصف علی زرداری کے ذاتی دوست ہیں سکینڈلوں کی زد میں رہنا پسند کرتے ہیں۔ ٹاٹ کا لباس پہنتے ہیں۔ بے نظیر نے انہیں وزیر بنایا۔ ان کے نزدیک الیکٹرانک میڈیا بڑی کارآمد چیز ہے۔ بڑھتی ہوئی آبادی کے مخالف ہیں چنانچہ انہوں نے وزیر بہبود آبادی کا قلمدان سنبھالا۔ عیاش سیاست دان کو راہ راست پر لانا چاہتے ہیں۔ انہیں سرکاری چندوں اور عیاشیوں سے نفرت ہے حالانکہ ان کے ذاتی دوستوں کی فہرست میں سیاست دان ہی ہیں۔

"راجہ بشارت"

راجہ بشارت کا نام گرامی بھی عشاق کی فہرست میں نمایاں ہے وہ صوبائی وزیر اطلاعات و نشریات بنے تو انہوں نے محبت و عشق کی پینگیں ڈالنے کے لئے حسیناؤں کی زلفوں کو منتخب کیا۔ ٹی وی کی ہر آرٹسٹ پر وہ رالیں ٹپکاتے تھے۔ حسینائیں گھاٹ گھاٹ کا پانی پی چکی تھیں تو راجہ بشارت کے ہتھے آسانی سے نہ چڑھیں چنانچہ عاشق مزاج راجہ بشارت نے شادی کا پتہ پھینکتے ہوئے معروف ٹی وی آرٹسٹ کنول کو اپنے جال میں پھانس لیا ذرائع کے مطابق راجہ بشارت نے ٹی وی آرٹسٹ خوبرو کنول سے خفیہ شادی رچائی تھی۔ یہ بھی بتایا گیا کہ وزیر موصوف نے اداکارہ کو اسلام آباد میں کروڑوں کی کوٹھی منہ دکھلائی میں لے کر دی تھی۔ گاڑی اور موبائل بھی محبت کے تحفے کے طور پر خرید کر دیے۔ ان کی گاڑی اتنی خوبصورت تھی کہ کئی اور حسیناؤں کے دل میں بھی راجہ بشارت کی محبت کے دیپ جلے مگر برا یہ ہوا کہ "چٹان" نے سکینڈل کا انکشاف کر کے وزیر موصوف کو گھر کی چار دیواری تک رہنے پر مجبور کر دیا۔ اپنے بیوی بچوں سے وہ کئی کئی روز دور رہا کرتے تھے۔ اس دوری کے عرصے میں وہ اداکارہ کنول کی زلفوں سے کھیلا کرتے۔ شادی عاشق پرست راجہ بشارت کو مجبوری کی وجہ سے کرنی پڑی۔ ذرائع نے مجبوری کی تفصیل یہ بتا کر بات واضح کر دی کہ اگر راجہ بشارت شادی نہ کرتے تو ان کے خلاف حدود کا مقدمہ قائم کیا جاتا۔ چنانچہ عزت بچانے کے لئے انہیں خفیہ شادی رچانی پڑی۔ واہ کیا خوب عزت بچائی۔

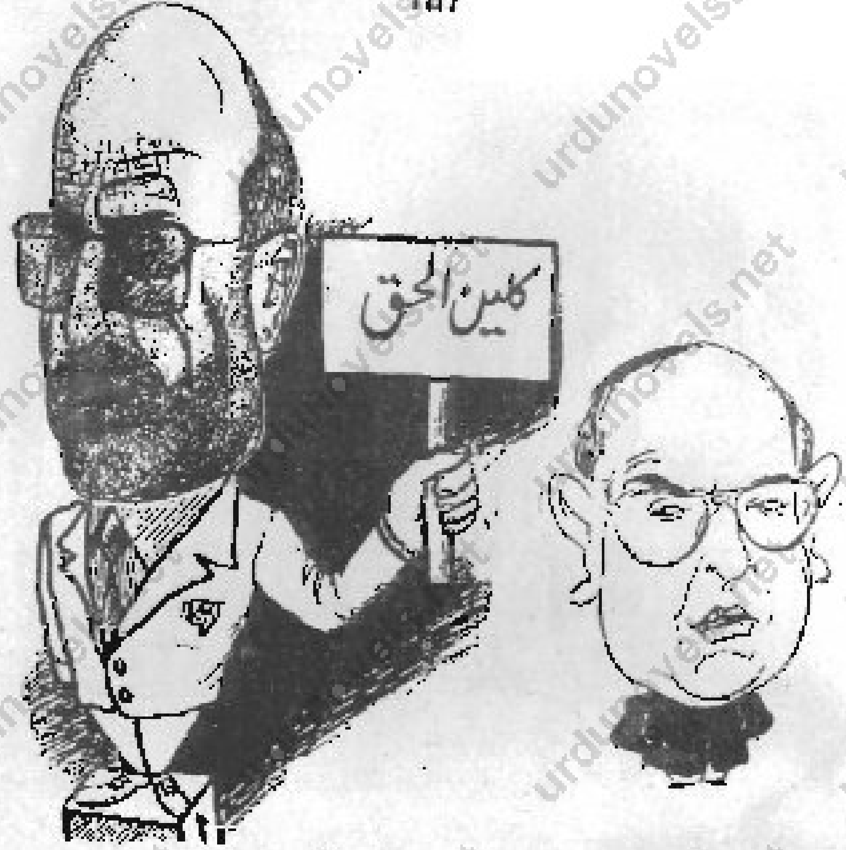

"سردار فاروق لغاری"

سردار فاروق لغاری کی ایک شہرت نمازی پرہیزگار شریف انسان کی ہے ان کا دوسرا چہرہ نواز شریف نے عوام کو دکھایا۔ جس کے مطابق انہوں نے تین اشخاص کو اپنی زمین فروخت کی مگر جن لوگوں کو زمین فروخت کی گئی تو وہ عوام کے سامنے نہ پیش کر سکے گویا سردار فاروق لغاری کی زمینیں خریدنے والوں کو ان ہی کی زمین کھا گئی۔ ان کے دور صدارت میں سول سروس 1964ء کا بیچ بہت مشہور ہوا۔ وہ 1964ء میں سول سروس میں گئے۔ 1971ء میں ذوالفقار علی بھٹو کی نظر ان پر پڑی تو انہوں نے فاروق لغاری کو اپنی پارٹی کے لئے چن لیا۔ ذوالفقار علی بھٹو نے انہیں سینیٹر بنایا تو بے نظیر بھٹو نے انہیں صدر پاکستان بنایا۔

انہوں نے بے نظیر بھٹو کے ہر ناجائز کام کو اپنے آرڈیننسوں کے ذریعے تحفظ فراہم کیا

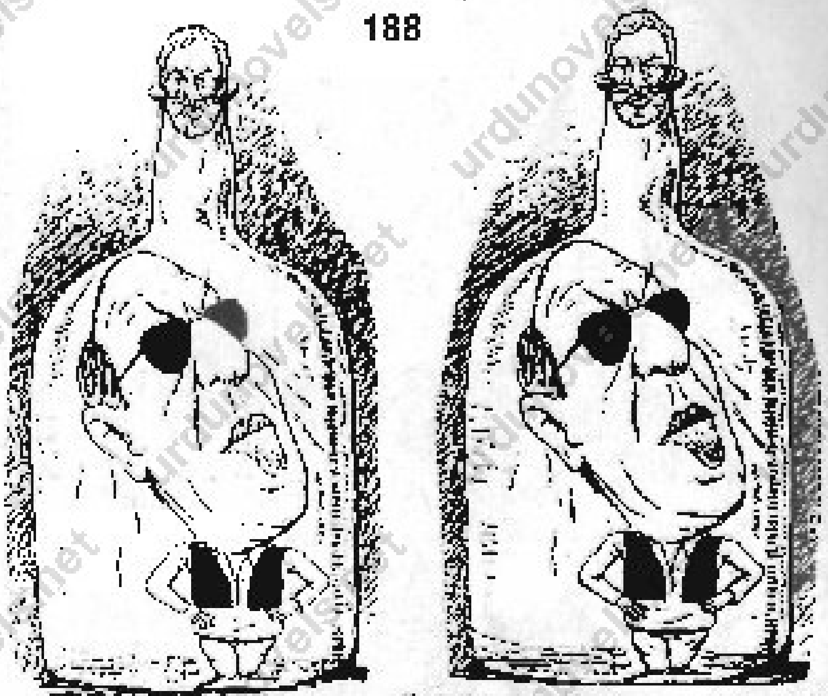

انہوں نے اتنے زیادہ آرڈیننس جاری کئے کہ گوہر ایوب خان کی رگِ ظرافت نے ایوان صدر کو "آرڈیننس فیکٹری" قرار دے ڈالا۔ بندے پر دوستوں کی صحبت کا اثر جلد پڑتا ہے۔ سردار فاروق لغاری کے اخبارات والوں سے اچھے تعلقات تھے چنانچہ ان کی کوئی خاص رنگینی سامنے نہ آئی۔ البتہ مہران بینک سکینڈل ان کی شرافت کے آگے سوالیہ نشان ہے۔ مہران بینک سکینڈل کے علاوہ ان کی ایک شہرت یہ بھی ہے کہ وہ اپنے بیٹے کی تقسیم اسناد کی تقریب میں شرکت کے لئے امریکہ گئے اس سارے ذاتی دورے کا خرچ انہوں نے قومی خزانے سے ادا کیا۔ جنرل جہانگیر کرامت کو آرمی چیف بنا کر انہوں نے بے نظیر بھٹو سے اپنی راہیں جدا کیں اور پھر بے نظیر بھٹو کی وزیر اعظم کے عہدے سے چھٹی کرکے بذات خود "صاحب کرامت" بن گئے۔ ایوان صدر کے اخراجات ان کے دور صدارت میں شاہانہ تھے چوٹی زیریں میں ان کی ذاتی رہائش گاہ کو ایوان صدر قرار دیا گیا اور اس کی تزئین و آرائش کے سارے اخراجات قومی خزانے سے ادا کئے گئے۔ غریب ملک کے وہ صدر نہ تھے بلکہ شہنشاہ تھے۔ نواز شریف کے خلاف انہوں نے سپریم کورٹ کے چیف جسٹس سجاد علی شاہ کے خلاف مل کر سازش تیار کی مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ نواز شریف نے انہیں سابق صدر ہی نہ بنایا بلکہ ان پر ذوالفقار کھوسہ کو مسلط کیا۔

"سردار مہتاب احمد خان عباسی"

سابق وزیر اعلیٰ سرحد سردار مہتاب احمد خان عباسی نے 1985ء کے غیر جماعتی الیکشن کے ذریعے سیاست کا آغاز کیا۔ ارباب جہانگیر خان کی کابینہ میں وزیر صحت سماجی بہبود قانون اور پارلیمانی امور مقرر ہوئے۔ انہوں نے اس دور میں اپنی رنگین مزاجی کو نرسوں کے ذریعے پروان چڑھایا۔ ذرائع کے مطابق ان کا طریق واردات یہ تھا کہ پہلے نرس کو دور دراز مقام پر ٹرانسفر کرتے اور پھر نرس ٹرانسفر کی منسوخی کے لئے ان کے پاس جاتی تو عباسی صاحب کی راتوں کو رنگین بنانے والے اہلکار نرس کو وزیر صاحب سے علیحدگی میں ملنے کا مشورہ دیتے۔ علیحدگی اور تنہائی کی ملاقات کی بدولت نرس کی من پسند جگہ پر ٹرانسفر ہو جاتی کی نہیں بلکہ وہ مہتاب عباسی کو اپنا مسیحا ماننے لگتی۔

نواز شریف کے اس ساتھی نے بھی اپنی رنگینی کو ٹرانسفر کے لئے آنے والی لڑکیوں کے ذریعے کبھی کبھار تو کبھی ملازمت کے لئے آنے والی لڑکیوں کی مجبوری سے پروان چڑھایا شراب و شباب کے رسیا تھے۔ لال پری سے دل بہلاتے تو انہیں کچھ ہوش نہ رہتا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ نشے میں دھت ہو کر وہ اپنے ملازمین کو ڈانٹ دیا کرتے تھے چنانچہ ان کے ملازمین جب وہ نشے میں ہوتے تو ان کے پاس نہ جاتے ہی نہیں بلکہ وہ ملاقاتیوں کو بھی

مشورہ دیتے کہ وزیر صاحب کا موڈ خراب ہے ملاقات نہ کی جائے۔ جنسی کارناموں کے علاوہ انہوں نے مالیاتی کارنامے بھی بڑھ چڑھ کر سرانجام دیئے۔ وزیر اعلیٰ سرحد بنے تو اپنے قریبی افراد کو دل کھول کر نوازا۔ جونیئر افسروں کو اعلیٰ عہدوں پر تعینات کیا۔ سرحد کا سیکرٹری صحت سلیم جھگڑا ان کی اس قسم کی فراخ دلی کا ثبوت ہے۔ سیکرٹریٹ میں وہ جونیئر ترین افسر تھا مگر عباسی صاحب کی نوازشات کی بدولت سیکرٹری صحت بننے میں کامیاب ہوا۔ موصوف کی صرف ایک قابلیت تھی کہ وہ سابق صدر غلام اسحاق خان کا داماد تھا۔ رنگین مزاج عباسی کے بیٹے نے سکول کی طالبہ کے ساتھ اجتماعی جنسی درندگی کا مظاہرہ کیا۔ سرحد سیکرٹریٹ کے درو دیوار آج بھی چیخ چیخ کر مہتاب عباسی کے بیٹے کی جنسی درندگی کی گواہی دے رہے ہیں تو جب طالبہ کی حالت غیر ہوئی تو جنسی درندوں نے اسے سرحد سیکرٹریٹ کی بلڈنگ کے باہر روڈ پر پھینک دیا۔ لوگوں کے منہ پر اس وقت یہ جملہ تھا جیسا باپ ویسا بیٹا۔

”آفتاب شیرپاؤ“

صوبہ سرحد کے سابق وزیر اعلیٰ آفتاب شیرپاؤ کا نام سیاست میں ان کے کارناموں کی وجہ سے ہمیشہ زندہ رہے گا۔ جوڑ توڑ کی سیاست میں ان کا کوئی ثانی نہیں۔ جوڑ توڑ کی سیاست کی بدولت پیر صابر شاہ کو وزارت علیا سے علیحدہ کرایا۔ پیر صابر شاہ شریف وزیر اعلیٰ کے طور پر مشہور تھے البتہ سرکاری ملازمین کی بے عزتی سرعام کرنے میں پیر صابر شاہ کا کوئی ثانی نہ تھا۔ پیر صابر شاہ شرافت کی سیاست کا پرچار کرتا پھرتے تھے جبکہ دوسری طرف لوٹوں اور گھوڑوں کے چیمپئن آفتاب شیرپاؤ تھے۔ شیرپاؤ صاحب نے سرکاری خزانے کو اپنی ذات پر بے دریغ استعمال کیا ان کے تعلقات اونچے حلقوں میں تھے۔ "آرمی" والوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر فرار ہونے میں کامیاب ہوئے۔ تفصیل کے مطابق جنرل پرویز مشرف نے اقتدار پر قبضہ کیا تو انہوں نے آفتاب شیرپاؤ کے گرد احتساب کا شکنجہ کسنا چاہا مگر آرمی والوں کو جل دے کر یا باہمی رضامندی جو بھی کہہ لیں کے ذریعے وہ ملک سے فرار ہونے میں کامیاب ہوئے۔ مہران بینک سے پیسے نکلوا کر سرحد کی وزارت علیا حاصل کرنا ان کا کارنامہ ہے۔ سرحد کے سابق نگران وزیر اعلیٰ راجہ سکندر زمان اپنی شرافت کی وجہ سے ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے جبکہ آفتاب شیرپاؤ جوڑ توڑ کے ماہر کے طور پر ہمیشہ تاریخ میں یاد رہیں گے لوٹا سیاست کو پروان چڑھانے میں ان کا نام سرفہرست ہے۔

"سلمان تاثیر"

سلمان تاثیر پیپلز پارٹی کے مرکزی راہنما ہیں۔ بے نظیر بھٹو کے قریبی ساتھیوں میں ان کا شمار کیا جاتا ہے۔ وہ پارٹی کے مرکزی سیکرٹری اطلاعات کے علاوہ پنجاب اسمبلی کے سابق ڈپٹی اپوزیشن لیڈر ہیں۔ سیاسی شہرت کے علاوہ انہوں نے خفیہ شہرت میں بھی کافی نام کمایا۔ ان کے خفیہ کارناموں میں ایک بھارتی خاتون صحافی "تولین سنگھ" ہے۔ سلمان تاثیر کے خفیہ دنوں کی یادگار بقول "تولین سنگھ" اس کا بیٹا آتش ہے تولین سنگھ اپنی یادداشتیں قلم بند کرتے ہوئے لکھتی ہیں۔

سیاستدانوں کی طرح ان کی اولادوں نے بھی بہت زیادہ گل کھلائے۔ سلمان تاثیر نے اپنی کاروائی باقاعدہ نکاح کر کے ڈالی البتہ ان کے صاحبزادے نے اس قسم کا جھنجھٹ پالے بغیر اپنی کاروائیاں ڈالیں۔ سلمان تاثیر کے صاحبزادے ٹی وی کی ایک معروف اداکارہ کے ساتھ سر عام راز و نیاز میں مصروف تھے کہ بات سیکورٹی والوں کو معلوم ہو گئی۔ چنانچہ انہوں نے موصوف کو ذرا سائیڈ پر کیا اور اداکارہ کو اجتماعی زیادتی کا نشانہ بنایا۔ اخبارات کے ذریعے قصہ منظر عام پر آیا تو تاثیر صاحب نے جواب میں کہا کہ وہ منگیتر کے ساتھ گھوم پھر رہے تھے۔ سیکورٹی والوں نے ان کے ساتھ گھٹیا سلوک کیا لیکن بعد میں کبھی بھی وہ منگنی ثابت نہ کر سکے۔ نہ ہی معاملہ شادی تک پہنچا۔ یہ سارا ہوتا بھی کیسے کیونکہ وہ لڑکی تاثیر صاحب کے صاحبزادے کی منگیتر نہ تھی بلکہ بازار حسن سے تھی۔ بڑے گھرانوں والے بازار حسن کی لڑکیوں سے عیاشی کے لئے تعلقات تو قائم کرتے ہیں مگر وہ شادی ان سے کر کے اپنے سیاسی کیریر کو تباہ و برباد نہیں کر سکتے۔ سچ تو یہ ہے کہ رئیس زادے بازار حسن کی جوانیوں کو بطور شو پیس استعمال کرتے ہیں۔

بیرسٹر سلطان محمود چودھری

"وحشت وزیر اعظم"

آزاد کشمیر میں جب بھی الیکشن قریب آیا تو محترم سردار قیوم کی تسبیح نے رفتار پکڑی۔ اور یہ خبر عام ہوئی کہ سردار صاحب چلے میں ہیں۔ یہ سردار صاحب کے مذہبی ہونے کی علامت ہے۔ شراب کو وہ حرام سمجھتے ہیں لیکن کئی اور چیزوں کو حلال قرار دیتے ہیں مثلاً "سی ٹی بی ٹی، امریکی غلامی، سرکاری خزانہ، سیاسی جھوٹ وغیرہ وغیرہ۔ اس کے علاوہ اقتدار کو بھی حلال قرار دیتے ہیں۔ دوسروں کے لئے یہ حرام ہے کیونکہ ان کے لئے کبڈی اور سودوں نہیں۔ اس کے علاوہ چونکہ مجاہد اول بھی ہیں اس لئے جب تک ان کی اخیر نہیں ہو جاتی اقتدار کسی اور کے لئے حرام ہے۔ مقبوضہ کشمیر کی آزادی بھی اسی صورت میں حلال

قرار پاتے کہ جب تمام مجاہدین ان کی اتباع اختیار کر لیں اور ہر طرف سے یہ گوار کے لئے "یہ امیر یا امیر" کی صدائیں آ رہی ہوں۔

آزاد کشمیر کی سیاسی دنیا میں حرام و حلال کا تذکرہ انتہائی احتیاط کا متقاضی ہے۔ باقی چیزوں میں بڑی شخصیات کا سردار صاحب کے ساتھ کوئی اختلاف نظر نہیں آتا شاید وہ بھی ان چیزوں کو حلال یا کم از کم مباح ضرور سمجھتے ہوں لیکن شراب کے معاملے میں وہ اجتناب کر چکے ہیں۔

کئی سال قبل سردار محمد ابراہیم (آج کے آزاد کشمیر کے صدر) نے اسلام آباد میں اپنی رہائش گاہ پر ایک پریس کانفرنس بلائی۔ راقم ان دنوں رپورٹر تھا۔ سردار ابراہیم صاحب نے تمام صحافیوں کو ڈرائنگ روم جنب کے ایک کمرے میں جمع کیا۔ اس کمرے میں چونکا دینے والی چیز دیواروں میں لگے ہوئے شیشوں کے دو عدد وسیع و عریض شوکیس تھے جن میں سینکڑوں مختلف النوع شراب کے گلاس رکھے ہوئے تھے۔ سردار صاحب نے چائے پیش کی اور مخالف پارٹی کو کوسنے کے بعد تحریک آزادی کشمیر کے حق میں زوردار الفاظ میں بیانات دیئے ایک ساتھی نے راقم کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے بتایا کہ کس گلاس میں کونسی شراب پی جاتی ہے۔

پانچ چھ سال پہلے کی بات ہے کہ ایک یورپی ملک کے قومی دن کی تقریب تھی۔ اس قسم کی تقریبات میں شراب وافر مقدار میں ہوتی ہے۔ عرب اور مسلم ممالک کے سفیر احتراز کرتے ہیں جبکہ پاکستان کے متعدد سیاستدان اور صحافی ہر قسم کی مخالفت سے بالاتر ہو کر کچھ اس طرح انجوائے کرتے ہیں کہ "عالم دوبارہ نیست" اس تقریب میں آزاد کشمیر کی ایک معروف شخصیت بھی موجود تھی۔ موصوف چہرہ گلابی رنگت اور بڑی مخمور آنکھیں۔ ایک اجنبی نے انگوٹھے سے اشارہ کرتے ہوئے ایک سرکاری افسر کے کان میں آہستہ سے پوچھا "یہ چپ ساکون ہے؟"

موصوف نے اتنی پی گویا صحرائی سفر کے دوران اونٹ کسی نخلستان میں پانی پیتا ہے۔ "کیفیت" عروج پر پہنچی۔ موصوف کی نظر قریب موجود ایک گورے سفارتکار کی بیوی پر پڑی۔ اپنی مخمور آنکھوں سے تھوڑی دیر گھورنے کے بعد آپ اس کے انتہائی قریب گئے اور اظہار پسندیدگی اور اظہار محبت (فلمی) کیا۔ گوری نے احتجاج کیا تو آپ نے اسے گوری کا ناز و ادا سمجھا اور مزید ایڈوانس کیا تو امن عامہ خراب ہو گیا۔ گورے سفارتکار اور دیگر

کئی لوگوں نے موصوف کو انگریزی میں مغلظات سناتے ہوئے دھکے دے کر باہر نکال دیا۔ 'شریک محفل' اجنبی نے پھر ایک اور شخص کے کان میں رازداری سے پوچھا "کون تھا یہ چپ سا" بیرسٹر سلطان پیچھے کھڑے ہوئے ایک صحافی نے کہا۔ ہم میں سے کسی کو یہ حق نہیں کہ ہم بیرسٹر صاحب کی نیت پر شک کریں۔ پاکستان ہمیشہ سے مقبوضہ کشمیر کے عوام کی 'سیاسی، اخلاقی' اور۔ سفارتی حمایت کرتا آ رہا ہے ہو سکتا ہے کہ یہ بھی مقبوضہ کشمیر کے لئے سفارتی حمایت حاصل کرنے کی ایک ادنٰی سی کوشش ہو۔

اس دوران روزنامہ سنگ میل کا عملہ بیرسٹر صاحب کی تصویریں لے چکا تھا۔ رات کو بیرسٹر صاحب نے سنگ میل کے ایڈیٹر امتیاز روحانی کو فون کیا۔ اس وقت ان کا نشہ ہرن ہو چکا تھا۔ معلوم نہیں کہ نشہ تصویروں کا سن کر ہرن ہوا یا لیموں چاٹنے کے۔ بہر حال بیرسٹر صاحب نے مبلغ پانچ لاکھ روپے کی پیشکش کرتے ہوئے تصویریں نہ چھاپنے کی درخواست کی جسے ایڈیٹر نے مسترد کیا اور تصویریں شائع کر دیں۔ بات آئی گئی ہو گئی کیونکہ آپ اس وقت وہ نہیں تھے جو آج ہیں۔

آزاد کشمیر کی چوٹیوں اور اسلام آباد کی کوٹھیوں کے علاوہ آزاد کشمیر کے سیاسی لیڈران فضاؤں میں بھی اپنا لوہا منوا چکے ہیں۔ یہ کچھ عرصہ پہلے ہی کی بات ہے جب آزاد کشمیر کے ایک وزیر چوہدری یاسین نے مانچسٹر سے آتے ہوئے پی آئی اے کے جہاز میں بے تحاشا شراب نوشی کی اور ائیر ہوسٹس کے ساتھ بیرسٹر سلطان کے انداز کی ایک "سیاسی کوشش" کی۔ فرق صرف یہ تھا کہ وہ گوری تھی اور کوشش سفارتی تھی اور ملکی تھی اس لئے کوشش سیاسی تھی۔ اخبارات نے تصویریں چھاپیں شور اٹھا جناب وزیر نے اسے تحریک آزادی کشمیر کے خلاف سازش قرار دیا۔ آخر ہم لوگ یہ بات کیوں نہیں سمجھتے کہ کشمیر کے سیاسی لیڈروں نے اپنا آپ آزادی مقبوضہ کشمیر کے لئے وقف کر دیا ہے ان کا اٹھنا بیٹھنا' زیادہ کھانا' شراب پیشاب تحریک آزادی کشمیر کے لئے ہے۔

سانحہ تھیوٹ گیال سیکٹر کے بعد وزیر اعظم جناب بیرسٹر سلطان کی جانب سے شدید رد عمل اور فوراً" تھیوٹ کے دورے کا اہتمام تھا۔ معلوم ہوا کہ بیرسٹر سارا دن مے نوشی کے بعد دنیا و مافیہا سے بے خبر اوندھے منہ کشمیر ہاؤس میں پڑے ہوئے ہیں۔

ہم میں سے کسی کو یہ حق نہیں کہ ہم بیرسٹر صاحب کی نیت پر شک کریں۔ ہو سکتا ہے

کہ یہ سانحہ ان کے لئے ناقابل برداشت ہو اور انہوں نے "غم غلط" کرنے کے لئے مناسب مقدار میں مے کا سہارا لیا ہو۔ یار لوگوں نے "مبوق کا جن" کے نام سے ان کے خلاف کارٹون چھاپ دیا۔ یہ اس اخبار کی حرکت ہے کہ جو خود کو انتہائی سنجیدہ کہتا ہے۔ حالانکہ چاہیے تو یہ تھا کہ کارٹونسٹ اور ایڈیٹر بیرسٹر صاحب سے ہمدردی کا اظہار کرنے کے لئے خود جاتے اور انہیں اپنے ہاتھ سے "وائن" کا ایک پیگ بنا کر یہ کہتے ہوئے پیش کرتے کہ "بیرسٹر صاحب ہمیں آپ کے غم کا اندازہ ہے، اس وقت آپ کے غم کا درماں مے سے زیادہ کیا چیز کر سکتی ہے لیجئے، مے نوش فرمایئے"۔ ایسے موقعوں پر مے پلانا کس قدر ثواب "کا کام ہے یہ آپ کسی بنیاد پرست مولوی کی بجائے کسی "معتدل" عالم دین سے پوچھیں یا پھر عزیز میاں کی قوالی "ہائے کم بخت تو نے پی ہی نہیں" سنیں۔

27 فروری کو اخبارات میں ایک تصویر شائع ہوئی جس میں جنرل مشرف تشریف فرما ہیں ان کے بائیں جانب وزیر اعظم آزاد کشمیر جناب بیرسٹر سلطان صاحب ہیں جبکہ دائیں جانب سفید رنگت اور پر نور چہرے کے حامل صدر آزاد کشمیر جناب سردار محمد ابراہیم جلوہ افروز ہیں۔ ہر دو حضرات کے چہرے پر مقبوضہ کشمیر کے لئے تدبر نمایاں ہے۔ سامنے میز پر دو عدد کیک نظر آ رہے ہیں بنیاد پرست کہتے ہیں کہ نجانے جنرل صاحب ان سے کیا مشورہ لے رہے ہیں کیونکہ جس کے خون میں "ام الخبائث" گردش کر رہی ہو اس کا مشورہ اس کی سوچ اور اس کے فیصلے سب خبیث ہوں گے۔

بہر حال معتدل اور غیر معتدل سب اس بات پر اتفاق کریں گے میٹھی چیز کھانے سے نشہ تیز ہو جاتا ہے اور کھٹی چیز کھانے سے نشہ زائل ہوتا ہے لہٰذا جنرل صاحب آئندہ

جب بھی اس قسم کے افراد سے نشست کریں تو جیب میں لیموں ضرور لے کر جایا کریں۔ کیک وغیرہ سے گریز کریں اور دوران گفتگو انہیں مسلسل لیموں چسواتے رہیں۔

"محمد تیمور" کا کالم شائع شدہ

روزنامہ اوصاف اسلام آباد

"مجھ سے بڑا کشمیری کوئی نہیں ہے۔ اگر کوئی ہے تو میرے مقابلے میں ناچ کر دکھائے۔ تابندہ بھی اس میدان میں نووارد ہے۔ کشمیر ہاؤس نواز شریف کے باپ کا نہیں۔ میں کشمیر کا وزیر اعظم ہوں جو چاہوں کروں، کوئی مجھے نہیں روک سکتا۔ جو لوگ میری پشت پر ہیں، نواز شریف ان کی ہوا سے بھی بھاگتا ہے۔"

شراب و شباب کی محفل عروج پر تھی ریشمی بدن طبلہ کی تھاپ پر تھرک رہے تھے اور آزاد کشمیر کے وزیر اعظم سلطان محمود چوہدری نشے میں بولتے چلے جا رہے تھے۔ کہتے ہیں کہ نشے میں انسان بہت سی سچی باتیں بھی اگل دیتا ہے۔ سلطان محمود چوہدری نے بھی مندرجہ بالا الفاظ شاید نشہ کی زیادتی میں کہہ ڈالے ورنہ ایک سیاستدان سے بر سر محفل اتنی سچی گفتگو کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

جب ملک بھر کے کرتا دھرتا من مانیوں اور من موجیوں میں مصروف ہوں تو بھلا آزاد کشمیر کے "رہنما" اپنی "تھکن" اتارنے کا اہتمام کیوں نہ کریں۔ وہ تو پاکستانی سیاستدانوں سے بھی زیادہ "سخت اور کٹھن" کام سرانجام دے رہے ہیں۔ کشمیر کی آزادی کے "متوالوں" کو بھی تو آخر کچھ "آرام و سکون" درکار ہوتا ہے۔

اس طرح کا آرام و سکون تلاش کرنے کی خاطر بیرسٹر سلطان محمود نے بھی اپنے کارندے چھوڑ رکھے ہیں۔ جو کہیں نہ کہیں سے اپنے اس رہنما کے لیے کوئی نہ کوئی چکنا بدن ڈھونڈ ہی لاتے ہیں۔ سلطان محمود کے ہاتھوں تباہ ہونے والی لڑکیوں کی فہرست بھی کچھ کم طویل نہیں ہے۔ تاہم شملا اور شکیلہ کے ساتھ جو ظلم ہوا، وہ تو مقبوضہ کشمیر میں ظالم ہندو بنئے نے بھی مسلمان عورتوں کے ساتھ روا نہ رکھا ہوگا۔ ذرا ملاحظہ کیجئے کہ شکیلہ اور شملا کے ساتھ کیا کیا ظلم ان کے اپنے آزاد وطن میں ایک وزیر اعظم نے کئے۔

شکیلہ بتاتی ہیں کہ وہ اسلام آباد آئی نائین میں ایک بسکٹ فیکٹری میں کام کرتی تھیں۔ فیکٹری کا مالک طارق مسعود تھا۔ جو وزیراعظم آزاد کشمیر سلطان محمود چودھری کے ہم نوالہ و ہم پیالہ تھا۔ اس عیاشی میں فیکٹری بھی تباہ ہو گئی اور مجھ سمیت 400 دیگر لڑکیاں بے روزگار ہو گئیں۔ سلطان محمود فیکٹری کی لڑکیوں پر آنکھ رکھتے تھے۔ کسی نہ کسی بہانے سے ان کو اپنے پاس بلاتے لیکن انچارج ہونے کے ناطے سے میں لڑکیوں کو افسران اور سیاستدان کے چنگل میں نہ آنے دیتی کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ طارق مسعود کے تمام دوست صرف عیاشی کے لیے اس کے پاس آتے ہیں۔ شکیلہ بتاتی ہیں کہ بے روزگاری کے دنوں میں ایک روز سلطان محمود چودھری کا سیکرٹری لیاز اور ڈرائیور ارشد میرے پاس آئے اور نوکری کی آفر کی۔ میں ان دونوں کو سلطان محمود کے حوالے سے جانتی تھی' یہ اکثر فیکٹری بھی آتے رہتے تھے۔ لیکن میں نے ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ اگلے روز یہ فیکٹری کی انچارج جمیلہ آنٹی کو ساتھ لے آئے۔ انہوں نے مجھے کہا کہ تم لوگ ایک تو ویسے ہی بے روزگار ہو۔ اگر اللہ نے کرم کیا ہے تو کیوں انکار کر رہی ہو۔ آزاد کشمیر حکومت میں نوکری مل جانے سے تمہاری مشکلات آسان ہوں گی۔ میں آنٹی جمیلہ کی باتوں میں آ گئی اور ان کے ساتھ

اسلام آباد کی کوٹھی نمبر 282 گلی نمبر 3 ایف ٹین 3 پہنچ گئی جہاں وزیراعظم آزاد کشمیر سلطان محمود چودھری نے بڑے شفیق انداز سے میرا استقبال کیا۔ اور کہا کہ تم عجیب احمق ہو۔ بے روزگاری کے عالم میں روزگار کو ٹھکرا رہی ہو۔ تم اس طرح کرو وہ جو تمہارے ساتھ ایک اور لڑکی رات کی شفٹ کنٹرول کیا کرتی تھی' اسے بھی ساتھ لے آؤ تاکہ تم دونوں کو اکٹھے ملازمت دی جا سکے۔ سلطان محمود کی باتوں اور ان کے رویے سے مجھے یوں لگا جیسے میرے سامنے سلطان محمود نہیں کوئی مسیحا کھڑا ہے' جسے قدرت نے صرف میرے دکھوں کے مداوے کے لیے زمین پر اتارا ہے۔ میں نے اگلے روز شملا کو ساتھ لیا اور وقت مقررہ

شام پانچ بجے دوبارہ سلطان محمود کی کوٹھی پہنچ گئی۔ ہمیں ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا گیا۔ تھوڑی دیر میں سلطان محمود چودھری بھی وہاں آ گئے۔ کہنے لگے کہ آپ بہت بہادر اور جوان ہمت لڑکیاں ہو۔ ابھی گفتگو جاری تھی کہ ارشد شربت لے کر آ گیا۔ ہم تینوں نے ایک ایک گلاس تھام لیا۔ شربت دیکھنے کو کڑوا تھا۔ ہم نے پینے سے انکار کیا تو چودھری صاحب کہنے لگے یہ بھئی نہ! انکار مت کرو یہ تو شاہوں کا شربت ہے۔ بڑے بڑے درباروں میں پیا جاتا ہے۔ تمہاری خوش قسمتی ہے کہ تمہیں ہماری محفل میں میسر آ گیا۔ ساتھ ہی انہوں نے ارشد سے کہا کہ جب یہ شربت پی لیں تو ان کی فائلیں کمرے میں لے آؤ۔ ان کے جانے کے بعد ارشد نے پھر شربت پلانے پر اصرار کیا اور کہا کہ اگر نہ پیو گی تو چودھری صاحب ناراض ہو جائیں گے۔ چار و ناچار ہم نے دو کڑوے گھونٹ نگل لیے۔ پھر کیا کچھ ہوا' اس کا بیان الفاظ کی قید سے باہر ہے۔ جب ہماری آنکھ کھلی تو رات کے گیارہ بج چکے تھے۔ جو نشی شراب کے تلخ گھونٹوں نے ہمیں ہوش و حواس سے بے گانہ کیا' سلطان محمود چودھری اور ان کے کارندوں نے ہماری عزتوں کو دامن تار تار کر دیا' ان وحشیوں نے نہ صرف اپنی ہوس کی آگ ٹھنڈی کی بلکہ ہماری بے بسی کو کیمرے کی آنکھ میں محفوظ کر لیا تاکہ عزتوں سے

کھیلنے کا شرمناک سلسلہ آگے بھی چلایا جا سکے۔ اتنا سب کچھ کرنے کے بعد سلطان محمود چودھری نے ہمارے سروں پر قرآن رکھ کر کہا کہ اس واقعہ کا کسی سے ذکر نہ کرنا۔

ہم ذلت کی خاک اپنی مانگ میں سجانے کے بعد گھروں کو واپس ہونے لگیں تو ارشد نے کہا کہ تمہارے ساتھ کوئی بدسلوکی نہیں کی گئی بس ذرا سلطان محمود صاحب کو تم سے شکوہ تھا کہ تم فیکٹری کی لڑکیوں تک پہنچنے میں آہنی دیوار ثابت ہوتی تھیں۔ اس نے صرف ہماری تصاویر بنائی گئی ہیں۔ لیکن چودھری صاحب دل کے بہت اچھے ہیں' تصویریں تمہیں واپس کر دی جائیں گی۔ ایک

روز میں تصویریں لیے پھر اس شخص کے در پر پہنچی کیونکہ مجھے ڈر تھا کہ یہ تصویریں کہیں منظر عام پر آگئیں تو میرے خاندان کا کیا بنے گا؟ گھر والے تو جیتے جی مر جائیں گے۔

میں اپنی عزت تو گنوا چکی تھی' اب اپنے خاندان کی عزت تباہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ جب سلطان کے کمرے میں گئی تو وہ حسب معمول انگور کی بیٹی سے دل بہلا رہے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی کہنے لگے اچھا ہوا تم آگئیں تو بلاؤ مولوی صاحب کو تم سے نکاح پڑھوانا ہے۔ اس روز میں بڑی مشکل سے جان بچا کر ان کے کمرے سے بھاگی' ایاز نے میرا پیچھا کیا لیکن قسمت اچھی تھی' گھر پہنچ گئی۔ چند دنوں بعد میں نے شہلا کو ساتھ لیا اور دوبارہ منت کرنے چودھری سلطان کے حضور حاضری دی تو انہوں نے کہا کہ تصویریں وغیرہ تو نہیں میں کی لیکن میرے ان دوستوں کو خوش رکھو جن سے میں نے کام نکلوانے ہوتے ہیں۔ شہلا کہتی ہیں سلطان محمود بہت اچھا افسر ہے لیکن جب سے بے لباس ہو کر گاتا ہے تو ہمیشہ سے بیہودہ نظر آتا ہے۔

بے لباس ہو کر بے بس و مجبور ناریوں کے بیچ ناچنے والا سلطان محمود ہی شملے کا وزیر اعظم ہے جو ہمیں ماڈل بنا کر دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں اور

کہتے ہیں کہ کشمیری آزادی کے بعد خوشحال زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ آزاد کشمیر مقبوضہ کشمیری آزادی کے لیے بیس کیمپ کا کام دے گا لیکن ملک کی باگ جب بیہودہ حکمرانوں کے ہاتھ میں ہو تو کیا ایسا ہو سکتا ہے؟------

"مولانا فضل الرحمن"

مولانا فضل الرحمن بے نظیر بھٹو کے دور حکومت میں بہت زیادہ مشہور ہوئے۔ اس دور میں انہوں نے ڈیزل کے بے تحاشا پرمٹ لئے۔ مولانا صاحب آصف علی زرداری کے قریبی ساتھیوں میں تھے۔ عورت کی حکمرانی کو ناجائز قرار دینے کے باوجود وہ بے نظیر بھٹو کی حکومت میں خارجہ امور کی کمیٹی کے چیئرمین بنے۔ مولانا فضل الرحمن اپنی رنگین طبع مزاجی کے حوالے سے خاصی شہرت رکھتے تھے۔ البتہ تھوڑے ڈرپوک تھے۔ دورے کرنے میں بھی وہ خاصے مشہور تھے۔ امریکہ کا دورہ بطور خاص کرتے۔ گھر سے نکلتے وقت منہ طرف

امریکہ شریف" ضرور کرتے۔ امریکہ کے حسن کی بدولت مولانا صاحب کی خبریں بھی اخبارات کی زینت بنیں وہ ایک دورہ میں امریکہ گئے ہوئے تھے جس میں انہوں نے کوہاٹ سے تعلق رکھنے والے ایک ڈاکٹر کے ہاں قیام کیا۔ اسی ڈاکٹر نے بعدازاں مولانا فضل الرحمٰن کے بارے میں بتایا کہ مولانا صاحب نے امریکہ میں شادی کی ہے۔ جب مولانا صاحب سے تصدیق کے لئے رجوع کیا گیا تو انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا "یہ بالکل جھوٹ ہے۔"

مولانا فضل الرحمٰن نے امریکہ میں شادی رچا کر برا کام نہ کیا بلکہ برا یہ کیا کہ شادی کو خفیہ رکھا۔ ان کی نجی زندگی کے بہت سے گوشے مسرت شاہین نے عوام کو دکھائے۔ مسرت شاہین اور مولانا فضل الرحمٰن کی جوڑی بہت مشہور ہوئی تھی۔ مسرت شاہین نے مولانا صاحب کے مقابلے میں الیکشن لڑ کر جہاں مولانا صاحب کو ایک بڑی پریشانی سے دوچار کیا وہیں وہ خود راتوں رات مشہور ہو گئی۔ لوگوں نے مولانا صاحب کے مقابل مسرت شاہین کو الیکشن لڑنے کو قدرت کی طرف سے انتقام قرار دیا تھا۔

"ایم۔ این۔ اے ہاسٹل"

پنجاب اسمبلی میں جب اراکین اسمبلی کی راتوں کی بات چلی تو سپیکر نے اپنے معزز ممبران کی سرعام توہین کی بجائے مشورہ دیا کہ مسئلہ سپیکر کے چیمبر میں اٹھایا جائے۔ تفصیل کے مطابق ایک رکن اسمبلی نے ایوان میں اٹھ کر پنجاب اسمبلی کی راتوں کا ذکر چھیڑا اور بولا اس معزز ایوان کے بیشتر اراکین شراب و شباب کے پیچھے اپنی دولت لٹاتے ہیں۔ وہ راتوں کو ہاسٹل میں باقاعدہ مجرے کا اہتمام کرتے ہیں۔ وہ نشہ میں دھت ہو کر کچھ بھی کر سکتے ہیں تو سپیکر نے انہیں مزید باتیں کرنے سے روک کر کہا آپ یہ مسئلہ سپیکر چیمبر میں اٹھائیں اس وقت میاں افضل حیات سپیکر کے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ مذکورہ معزز ممبران کا ایک چہرہ یہ بھی ہے کہ وہ الیکشن کے دنوں میں عوام کے پاس جاتے ہیں تو اپنی نیک نامی اور عوامی خدمات کا ذکر کرتے نہیں تھکتے اپنے آپ کو باکردار، راستباز، با اصول اور جرات مند قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ ان میں اس طرح کی کوئی خوبی موجود نہیں ہوتی۔ ان کا اصل کردار شراب و شباب پر سب کچھ لٹا دینے کی عملی تفسیر ہوتا ہے۔ اپنی

حرام کی کمائی دولت کو بازار حسن کی طوائفوں کو نچھاور کرنے پر خرچ کرتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ عوام کے ٹیکسوں سے حاصل کردہ آمدن سے بھی وہ عیاشی حاصل کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔ بازار حسن کی حسیناؤں سے ان کا دل بھر جائے تو وہ راہ چلتی کالج، یونیورسٹی کی طالبہ کا اغواء کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ مال سپلائی کرنے والوں کے ساتھ ممبران اسمبلی کے خصوصی تعلقات ہیں لاہور کی "حوریں" ہو یا اسلام آباد کی میڈم "طاہرہ" ہر دو اراکین اسمبلی کو اپنا بہترین گاہک بتاتی ہیں۔ ان دونوں خواتین کے بقول بیشتر اراکین اسمبلی نوخیز کلیوں کی فرمائش کیا کرتے۔ لڑکیاں سپلائی کرنے والے بتاتے ہیں کہ جن دنوں اسمبلی کا اجلاس جاری ہوتا مال کی قلت پڑ جاتی چنانچہ اس قلت پر قابو پانے کے لئے وہ ماڈلنگ اور فیشن شو کا اہتمام کرتیں جہاں پر وہ نوخیز نوجوانوں کو بھی ورغلا کر تو کبھی ذرا دھمکا اور بلیک میل کر کے ممبران اسمبلی کے بستروں تک پہنچاتیں کچھ دلال ملازمت کے حصول کے لئے ادھر کا رخ کرنے والی لڑکیوں کو سبز باغ دکھا کر ممبران اسمبلی تک پہنچاتے۔ ملازمت حاصل کرنے کی خواہش مند نوجوان لڑکیوں کو ملازمت دینے کی بجائے رسوا و بے عزت کر کے گھر بھیجا جاتا گو وہ اپنے خاندان کی عزت کی بجائے لب کشائی نہ کرتیں۔

11 ستمبر 1999ء کا ذکر ہے کہ ایم۔ این۔ اے ہاسٹل میں لڑکیوں کے معاملہ پر ہنگامہ کھڑا ہو گیا۔ چھریاں چلیں۔ پولیس آئی۔ تفصیلات کے مطابق ایم۔ این۔ اے ہاسٹل کے کمرہ نمبر 112 میں شراب و شباب کی محفل عروج پر تھی۔ اس مقصد کے لئے راولپنڈی کی حنا اور عشرت کو لایا گیا تھا۔ محفل میں ایک سیکشن افسر افضال، امتیاز اور مقصود بھی شامل تھے۔ رات کو جب محفل کی گرمی اور لڑکیوں کے رقص نے مدہوشی کا سماں پیدا کیا تو ایک حسینہ کے حصول کے معاملے پر جھگڑا چھڑ گیا۔ لال پری نے شرکاء محفل کی مت ماری ہوئی تھی۔ تینوں افسروں نے ایک دوسرے پر چڑھائی کر دی۔ بات چھریوں تک پہنچ گئی۔ امتیاز احمد شدید زخمی ہو گیا۔ ہاسٹل انتظامیہ نے تھانہ سیکرٹریٹ اطلاع کی۔ پولیس نے رات تین بجے چھاپہ مار کر تین مردوں اور حنا کو گرفتار کر لیا۔ عشرت خفیہ راستے سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئی اس کے ہمراہ نعیم خان نامی مرد بھی فرار ہوا۔ بعد ازاں ایم۔ این۔ اے ہاسٹل میں رنگین محفل سجانے والی دوشیزہ سمیت 4 افسروں کو 14 روز کے ریمانڈ پر جیل بھیج دیا گیا افسران سے غلطی ہوئی کہ انہوں نے اپنے ساتھ کسی معزز رکن اسمبلی کو شریک نہ کیا ورنہ وہ تھانے سے جیل جانے کی بجائے گھر پہنچائے جاتے۔

"حنیف رامے"

حنیف رامے سیاست دان بھی ہیں، ادیب بھی اور مصور بھی۔ جتنی بھی گئے اپنے عہد کی داستانیں سنے کر وصف انہوں نے صحافی بننے کے لئے "نصرت" نامی رسالہ نکالا تھا۔ نصرت بھٹو کے ترجمان بنے۔ ذوالفقار علی بھٹو نے انہیں جہاں وزیر اعلیٰ پنجاب بنایا وہیں انہوں نے حنیف رامے کو 16 ماہ تک شاہی قلعہ میں قید بھی کیا۔

انہوں نے متعدد سیاسی پارٹیاں بدلیں۔ پنجاب اسمبلی کے سپیکر بھی رہے۔ انہوں نے بحیثیت سیاست دان بہت زیادہ گھر سے اڑائے۔ ویسے بھی مڈل کلاس والے کے منہ دولت لگتی ہے تو اس کا دل رنگ رلیاں منانے کے لئے مچلنے لگتا ہے۔ حنیف رامے صاحب نے دولت کے مطابق بطور وزیر اعلیٰ پنجاب اور پنجاب اسمبلی کے سپیکر کے بڑھ چڑھ کر "دل پشوری" کی۔ انہیں رنگینیاں فطرتی رنگوں کے ساتھ پسند ہیں وہ فطرتی مصور کے طور پر مشہور ہیں۔ ان کی زیادہ تر پینٹنگ فطرت کے قریب تر ہوا کرتی تھی البتہ چند ایک کو وہ کپڑے بھی پہنا دیتے۔ انہوں نے اتنے کپڑے تبدیل نہ کیے جتنی پارٹیاں تبدیل کیں۔ لوٹا سیاست کے بانیوں میں ان کا نام لیا جاتا ہے۔

"جنرل مرزا اسلم بیگ"

آرمی چیف ہونے کے باوجود بے نظیر بھٹو نے انہیں "تمغہ جمہوریت" سے نوازا تھا۔ ان کا ایک کارنامہ بے نظیر بھٹو کو وزیر اعظم بنانا ہے تو دوسرا کارنامہ بے نظیر بھٹو کو کالعدم وزیر اعظم بنانا ہے۔ جنرل ضیاء الحق کی شہادت کے بعد آرمی چیف بنے اور اقتدار پر قبضہ باوجود دلی خواہش کے نہ کر سکے۔ فرینڈز نامی تنظیم بنائی اور عوامی قیادت نامی سیاسی پارٹی بنائی۔ نواز شریف کو وزیر اعظم بنانے میں ان کا رول ڈھکا چھپا نہیں۔ سیاست دانوں کو خفیہ فنڈ سے پیسے دیا کرتے تھے۔ کویت عراق جنگ کے دوران ان کی پالیسی حکومت کے خلاف تھی۔ بحیثیت آرمی چیف انہوں نے بڑا نام کمایا البتہ سیاست دان بن کر شہرت کو برقرار نہ رکھ سکے۔ کسی کا قول ہے کہ بیوروکریٹ کی قابلیت کا ریٹائرمنٹ کے بعد پتہ چلتا ہے۔ آرمی چیف کی قابلیت بھی وردی اترنے کے بعد عوام کو دکھائی دیتی ہے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد جنرل بیگ کی قابلیت عوام کے سامنے ہے۔

"سردار عبدالقیوم خان"

آزاد کشمیر کی سیاست میں سردار عبدالقیوم خان کا طوطی بولتا ہے وہ کبھی وزیر اعظم تو کبھی صدر آزاد کشمیر کے عہدوں پر قابض رہے۔ اپنے آپ کو کشمیر کا مجاہد اول قرار دیتے ہیں۔ سیاست میں انہوں نے بھی خاندانی سیاست کو پروان چڑھایا اور اپنے بیٹے کو تنہا سیاسی جانشین بنایا۔ جنرل ضیاء الحق انہیں اپنا مرشد قرار دیا کرتے تھے۔ نواز شریف کی حکومت کی تعریف کرتے نہ تھکتے۔ جنرل پرویز مشرف نے نواز شریف کو وزارت عظمیٰ سے برطرف کیا تو موصوف جنرل پرویز مشرف کی تعریف کرنے لگے۔ ہر وقت حکومت میں رہنا چاہتے ہیں۔ قریبی عزیزوں کو نوازنے میں خاصے مشہور ہیں۔ جہاد کشمیر کے نام پر جمع ہونے والے فنڈ سے سردار صاحب نے اپنی سیاست اور امارت میں بے پناہ اضافہ کیا۔ ہر حکومت کے حمایتی رہے ان کی اس خوبی کی بدولت ان پر کبھی کسی نے ہاتھ نہ ڈالا واقعی ماہر سیاست دان ہیں۔

فخر لوٹھوار "نواز کھوکھر"

نواز شریف اور بے نظیر بھٹو دونوں کی قربت انہیں حاصل رہی لوٹا سیاست میں ان کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔ بے نظیر بھٹو نے انہیں جیل بھیجا تو جواب میں نواز کھوکھر بے نظیر بھٹو کے قریبی ساتھی بن گئے۔ بینکوں سے قرضے لے کر نہ لوٹانے میں نواز کھوکھر کا نام سر فہرست ہے۔

سیاست کی بدولت انہوں نے اپنی امارت میں بے پناہ اضافہ کیا۔ اخبارات والوں نے نواز کھوکھر کو "لوٹا اعظم" کے اعزاز سے نوازا۔ اس زمانے میں یہ قصہ بہت مشہور ہوا کہ "کسی نے لوٹے سے پوچھا جناب آپ کا نام کیا ہے اس نے جواب دیا نواز کھوکھر"۔ بے نظیر بھٹو نے نواز کھوکھر کو کرپشن کے الزام میں جیل بھیجا۔ نواز کھوکھر نے وفاداری بدلی تو محترمہ بے نظیر بھٹو نے انہیں وزیر بنا دیا اس سے آپ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں وطن عزیز میں سیاست کا اصول کیا تھا۔ بااصول، دیانت دار، مخلص سب کہنے کی باتیں ہیں۔